بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اکرمُ التفاسیر

وَمَالِيَ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

23

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

وَمَالِیَ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

23

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمہ اللہ

پارہ	23
بار اوّل	مارچ 2017ء
تعداد	دو ہزار
قیمت	-/470 روپے
ناشر	ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

www.QuranTafseer.net

الحمدوللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھارہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کرکے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کرکے سبز کرکے **Submit** کردیں۔

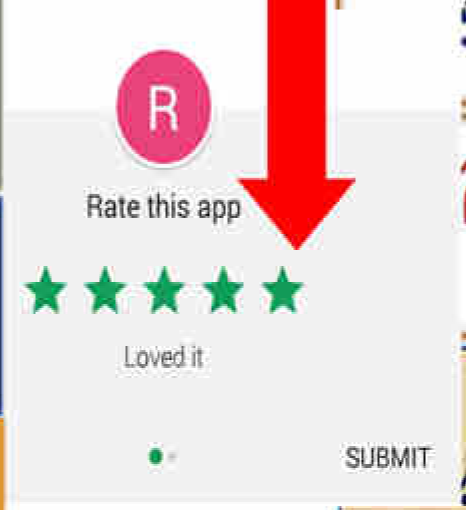

از دلِ خیزد بردلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرارالتنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم ومعارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب وکتاب' جنت ودوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہورہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہورہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کردیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا با الفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔"

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے' جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ یٰسٓ آیات 22 تا 32	15
2	تفسیر ومعارف	16
3	برزخی جنت:	18
4	حسرت ہے اُن کے لیے۔۔۔	20
5	سورۃ یٰسٓ رکوع 3 آیات 33 تا 50	22
6	تفسیر ومعارف	35
7	قدرتِ کاملہ کی نشانیاں:	35
8	عجوہ کھجور کی گٹھلیوں سے دل کے جملہ امراض کا علاج:	25
9	علمِ نجوم کی حقیقت:	28
10	قرآن کا انداز:	30
11	زندگی کا نظام دینے پر ہے:	31
12	سورۃ یٰسٓ رکوع 4 آیات 51 تا 67	34
13	تفسیر ومعارف	35
14	اللہ بے حد کریم ہیں:	37
15	اہلِ جنت کے احوال:	38
16	اہلِ دوزخ سے خطاب:	39
17	لمحۂ فکریہ:	39
18	کفار سے خطاب، جاری ہے:	40
19	کافر، حشر میں بھی جھوٹ بولے گا:	41
20	سورۃ یٰسٓ رکوع 5 آیات 68 تا 83	43
21	تفسیر ومعارف	45
22	دعوتِ فکر:	45
23	قرآن واضح نصیحت:	46
24	دعوتِ فکر:	47
25	شانِ رحمۃ للعالمینؐ:	49
26	سورۃ الصّٰفّٰت آیات 1 تا 21	54
27	تفسیر ومعارف	55
28	سیّدِ جن:	58
29	دنیا میں سب سے واضح، اللہ کی واحدانیت ہے:	58

نمبرشمار	مندرجات	صفحہ نمبر
30	ایک لطیف بات:	60
31	سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 2 آیات 22 تا 74	63
32	تفسیر و معارف	66
33	تین طبقے:	66
34	ایک مشاہدہ:	68
35	بدعقیدہ اور بدکاروں کی دوستی تباہی کا راستہ ہے:	69
36	علمائے حق فرماتے ہیں:	70
37	انسان اشرف المخلوقات ہے:	71
38	مخلصین کا تذکرہ:	74
39	حوریں:	75
40	ایک واقعہ:	75
41	کشف:	77
42	بڑی کامیابی:	77
43	ایک واقعہ:	79
44	سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 3 آیات 75 تا 114	82
45	تفسیر و معارف	85
46	نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	85
47	لفظ شیعہ کا یہاں استعمال:	87
48	وحی کا سننا منصبِ نبوت اور۔۔۔	93
49	قربانی، مستقل عبادت:	95
50	ایمان:	96
51	موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	97
52	سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 4 آیات 115 تا 138	98
53	تفسیر و معارف	99
54	موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکرِ خیر:	99
55	'علیہ السلام' صرف انبیاؑ کے لیے:	101
56	الیاس علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	101
57	لوط علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	104
58	سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 5 آیات 139 تا 182	106
59	تفسیر و معارف	109

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
60	یونس علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	109
61	آیۂ کریمہ کے فضائل:	110
62	حیاتِ انبیاؑ:	111
63	ایصال ہدیہ کے آداب:	112
64	توبہ، بڑا علاج ہے:	113
65	فرشتے:	117
66	گروہِ انبیاؑ ہمیشہ فتح مند رہیں گے:	118
67	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کس بات پر راضی ہوتے ہیں:	120
68	منکرین کے لیے بُرا دن:	120
69	تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں:	121
70	سورۃ صٓ رکوع 1 تا 14	122
71	تفسیر و معارف	123
72	حروفِ مقطعات:	123
73	نصیحت کا مفہوم:	124
74	قرآن گواہ ہے:	124
75	کافر کس بات پہ حیران تھے؟	126
76	نبوت سب سے بڑی نعمت ہے:	127
77	انبیاؑ کی مخالفت کا انجام:	130
78	سورۃ صٓ رکوع 2 آیت 15 تا 26	134
79	تفسیر و معارف	136
80	کافر عذابِ الٰہی کی طلب میں جلدی کرتے ہیں:	136
81	حضرت داؤد علیہ السلام کی شان:	137
82	ایک عجیب، نصیحت آموز واقعہ:	139
83	خلیفہ اور اندازِ حکمرانی:	142
84	سجدۂ تلاوت:	145
85	سورۃ صٓ رکوع 3 آیت 27 تا 40	146
86	تفسیر و معارف	147
87	خواہش کی پیروی میں حکمرانی کرنے والے جان لیں:	147
88	کفر اور گناہ فساد فی الارض ہے:	148

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
89	قرآن سے نصیحت لینا دانشمندوں کا کام ہے:	149
90	نیک اولاد اللہ کا انعام ہوتی ہے:	151
91	معمولاتِ اذکار چھوٹ جائیں تو کفارہ ادا کرنا بہتر ہے:	152
92	حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور اللہ کی عطا:	154
93	سورۃ ص رکوع 4 آیات 41 تا 64	157
94	تفسیر و معارف	159
95	اللہ کے مقرب بندے ایوب علیہ السلام کا ذکرِ خیر:	159
96	قسم اور حیلہ:	161
97	شانِ بندگی:	162
98	انبیاؑ کا ذکرِ خیر سب سے بڑی نصیحت ہے:	163
99	بغاوت کرنے والوں کا انجام:	166
100	اہل جہنم کے لیے ایک بہت بڑی حسرت:	168

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
101	سورۃ ص رکوع 5 آیات 65 تا 88	170
102	تفسیر و معارف	172
103	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ عالی:	172
104	تخلیقِ آدم علیہ السلام:	175
105	ابلیس تھا ہی کافروں میں سے:	176
106	ابلیس کے انکار کا سبب اور انجام:	176
107	شیطان کی درخواست اور عزم:	178
108	شیطان اور اس کے پیروکاروں کا انجام:	180
109	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اندازِ تبلیغ:	180
110	سورۃ الزمر رکوع 1 آیات 1 تا 9	182
111	تفسیر و معارف	184
112	عظمتِ قرآن:	185
113	فرقہ بندی کا سبب اور علاج:	186
114	کتاب کا حاصل ،خلوص فی العبادت:	187
115	شرک کبھی قربِ الٰہی کا سبب نہیں بن سکتا:	189
116	جھوٹ اور ناشکری سے ہدایت پانے کی استعداد تباہ ہوجاتی ہے:	190

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
117	عظمتِ الٰہی:	191
118	تخلیقِ انسانی:	193
119	شکر میں رضائے الٰہی اور کفر میں ناراضگی ہے:	194
120	انسانی مزاج بھی عجیب ہے:	195
121	یہ برابری ناممکن ہے:	196
122	نصیحت قبول کرنے کے لیے لُب چاہیے:	197
123	سورۃ الزمر رکوع 2 آیت 10 تا 21	199
124	تفسیر و معارف	201
125	نیکی سے دنیا میں بھلائی ملتی ہے:	201
126	عبادت کیا ہے؟	203
127	سب سے اوّل سب سے اعلیٰ:	204
128	اُخروی خسارہ حقیقی خسارہ ہے:	207
129	دو ہی راستے ہیں:	209
130	خوشخبری پانے والے لوگ:	210
131	کفر پر خاتمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت سے محروم کر دے گا:	211
132	اطاعت گزاروں سے اللہ کا وعدہ:	211
133	قدرتِ کاملہ کے مظاہر:	212
134	سورۃ الزمر رکوع 3 آیات 22 تا 31	214
135	تفسیر و معارف	215
136	شرح صدر:	215
137	ذکرِ قلبی سے محرومی افسوسناک ہے:	216
138	خوبصورت ترین کلام:	217
139	اہلِ خشیّت پر کلامِ الٰہی کا اثر:	218
140	ذکرِ قلبی، اللہ کی طرف سے ہدایت اور انعام جبکہ محرومی گمراہی ہے:	219
141	قرآن انسانیت کی بہترین راہنمائی کرتا ہے:	220
142	سب تعریف اللہ کے لیے ہے:	222
143	یہاں حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں:	223

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ (البقرہ:32)

مَوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیۡبِكَ مَنۡ زَانَتۡ بِهِ الۡعُصُرُوۡا

پارہ 23 ومالی

سورۃ یٰسٓ رکوع 2 آیات 22 تا 32

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾
اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ
الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾
یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾
اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا
یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا اور تم سب کو (بھی) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۲﴾ کیا میں اُس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ کہ اگر وہ بڑا مہربان مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ اگر میں ایسا

کروں ﴿۲۳﴾ تو یقیناً میں صریح گمراہی میں جا پڑا ﴿۲۴﴾ بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم (بھی) میری بات سنو ﴿۲۵﴾ ارشاد ہوا کہ (جا) بہشت میں داخل ہو جا وہ بولا کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی ﴿۲۶﴾ کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا ﴿۲۷﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہی ہم اتارنے والے تھے ﴿۲۸﴾ وہ تو صرف ایک سخت چنگھاڑ تھی پس اسی دم وہ بجھ کر رہ گئے ﴿۲۹﴾ افسوس ایسے بندوں پر کہ کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو ﴿۳۰﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتوں کو تباہ کر چکے کہ وہ (پھر) ان کے پاس لوٹ کر نہیں آتے ﴿۳۱﴾ اور وہ سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے ﴿۳۲﴾

تفسیر و معارف

پارہ تیئس شروع ہوتا ہے۔ سورۂ یٰسٓ جاری ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیات بائیسویں پارے کے آخر میں ہیں۔ باقی یہاں ہیں۔

فرمایا: وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا اور تم سب کو (بھی) اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اس صالح مومن کی بات جاری ہے۔ اللہ کے اس بندے نے کہا کہ میرے پاس کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ میں اسی ہستی کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا۔ میرا نام ونشان تک نہ تھا، میں لا شئے تھا اس نے مجھے انسان بنا دیا۔

انسانی وجود کی تخلیق، اس کی نشوونما اور پرورش ایک طویل Process ہے۔ ایک لمبے Process کے نتیجے میں انسان بنا۔ صرف بنایا ہی نہیں گیا بلکہ ہر لحظہ فطرت اس کی نگہبانی کر رہی ہے۔ اس کے بدن کے اندر ہر لحہ تعمیر بھی ہو رہی ہے ساتھ فنا کا عمل بھی جاری ہے۔

اس نیک مرد نے کہا جس ہستی نے مجھے انسان بنایا، انسانی شعور اور جذبات عطا کیے۔ اپنی معرفت کی

استعداد عطا فرمائی۔ میرے پاس کوئی جواز نہیں، کوئی دلیل نہیں، کوئی وجہ نہیں کہ میں اس ہستی کی اطاعت نہ کروں۔

عبادت نام ہی اطاعت کا ہے۔ نماز، روزہ اور ایسی عبادات جن کے مخصوص ارکان ہیں لفظ عبادت اُن کے لیے مختص ہو گیا ہے لیکن عمومی طور پر عبادت کا مفہوم اطاعت ہے۔

فرمایا: ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ کہ وہ مہربان اگر مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔

اللہ کے اس ایمان والے بندے نے ایمان کا تقاضا بیان کر دیا۔ کہا کہ تمہارے فرضی معبود تو کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ نقصان سے نہیں بچا سکتے۔ بچانا تو دور کی بات ہے اگر حقیقی معبود اللہ رحمٰن و رحیم کسی کو تکلیف پہنچانا چاہیں تو یہ فرضی معبود اس کی بارگاہ میں سفارش بھی نہیں کر سکتے۔ تمہارے بتوں میں تو کوئی طاقت نہیں۔ یہ بے جان ہیں۔ ان میں خود کسی قسم کا احساس نہیں یہ کسی دوسرے کا کیا کریں گے تو میں کیسے انہیں معبود بنا لوں؟ یہ جو تمہارے فرضی معبود ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تو تمہاری سفارش بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ یہ وہاں تمہیں چھڑا سکیں، نجات دلوا سکیں۔ نجات دلوانا یا مصیبت سے خلاصی کروانا تو بہت بڑا کام ہے یہ تو سفارش بھی نہیں کر سکتے۔ رحمٰن ربّ کی بارگاہ میں سفارش بھی خود اُس کی اجازت سے ہوگی۔ اپنے محبوب بندوں میں سے جس کو چاہے گا سفارش کی اجازت دے گا اور جس کے لیے اجازت دے گا اسی کی سفارش ہوگی۔ اس کی بارگاہ کا یہی قاعدہ اور قانون ہے کہ جسے اللہ چاہے، وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لیے سفارش کرنی ہو، اس کی اجازت بھی اللہ کریم ہی دیں گے۔ آخرت کا نظام الگ ہے وہاں شفاعت اور سفارش بھی اس کی اجازت اور پسند سے ہوگی۔

اللہ کے بندے نے کہا، میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود کیسے بنا لوں؟ اور اگر میں ایسا کروں اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ تو یقیناً میں صریح گمراہی میں جا پڑا۔ پھر تو میں واضح گمراہی میں ہوں گا یعنی اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت کا پٹا گلے میں ڈالنا، اس سے بڑی گمراہی کیا ہوگی؟ اللہ کے علاوہ کوئی ذات ہے ہی نہیں۔ وہ واحد و لاشریک، خالق و مالک ہے۔ تمام خوبیوں کا، اوصاف کا مالک ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے۔ باقی سب مخلوق ہیں۔ خالق اور مخلوق میں برابری کا کوئی تصور نہیں۔

اور یہ بھی سن لو! اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ بے شک میں تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم (بھی) میری بات سنو۔

اور خوب سن لو! تمہارا پروردگار بھی وہی ہے۔ تمہارے وجود کا ذرہ ذرہ بھی اسی کی تخلیق ہے۔ اسی نے اسے پیدا کیا ہے اس میں جان اُسی نے رکھی ہے۔ اس میں جو کام ہو رہے ہیں، وہی کر رہا ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ تم پر

بھی اس کی بہت بڑی رحمت ہے کہ دنیا میں تم بھی اس کی رحمانیت سے مستفید ہو رہے ہو۔ اس لیے کہ وہ تمہارا بھی رب ہے۔ تمہارا پروردگار ہے۔ تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا اور وہی تمہیں پال بھی رہا ہے۔ میں نے الگ سے کسی ہستی کا دامن نہیں تھاما، میں بھی اسی ربّ کی بارگاہ میں سرنگوں ہوں جو تمہارا بھی ربّ ہے۔

قوم نے اپنے اس فرد کے منہ سے انبیاؑ کے حق میں اتنا کچھ سنا تو اُسے شہید کر دیا اللہ کا نیک بندہ قوم کی خیر خواہی میں حق بیان کرتا رہا اور وہ ہٹ دھرمی سے انکار کرتے رہے۔

برزخی جنت:

جب اللہ کے اس بندے کو شہادت نصیب ہوئی تو اسے ارشاد ہوا قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ۔۔۔ کہ (جا) بہشت میں داخل ہو جا۔

برزخ میں جنت بھی ہے اور دوزخ کا گڑھا بھی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ عالی ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (مسند احمد) کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

دنیا میں ہمیں اس کا ادراک نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل کی آنکھیں بند ہیں۔ آخرت دائمی ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے، مضبوط ہے، حقیقی ہے۔ دنیا وقتی اور لمحاتی ہے، عارضی ہے۔ جیسے سایہ ہوتا ہے۔ اس لیے آخرت کا اثر اس دنیا پر بھی رہتا ہے۔ جو لوگ نیکی کرتے ہیں، حلال کھاتے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اُن کے دل کے ساتھ جنت کی فضاؤں کا رابطہ رہتا ہے۔ وہ خوش رہتے ہیں، مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں یا ظلم کرتے ہیں یا اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں تو ہر گناہ کے ساتھ دوزخ کا بھی ایک تعلق رہتا ہے۔ بظاہر وہ شاہی محلوں میں بھی بیٹھے ہوں تو ان کے اندر طوفان ہی اُٹھ رہے ہوتے ہیں۔ بے چین و بے قرار، تڑپتے رہتے ہیں اور یونہی عمریں ضائع کر جاتے ہیں۔

دنیا میں بندہ جو کردار اپناتا ہے۔ اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی آخرت تعمیر ہو رہی ہوتی ہے۔ دنیا میں چونکہ جسم بالذات مکلف ہے اور روح اس کے تابع ہے اس لیے دنیا میں جسم کو راحت ملے یا تکلیف اس کا اثر براہ راست بدن پر آتا ہے اور ساتھ ہی روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ جب موت آجاتی ہے تو پھر روح براہ راست مکلف ہو جاتی ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ بدن اگر سلامت نہ رہے تو ذرات بن جاتے ہیں اور روح پر جو کچھ بیت رہی ہوتی ہے اس کا اثر بدن کے ذرے ذرے تک پہنچتا رہتا ہے۔ روح کو راحت ہوتی ہے تو بدن کے ہر ذرے تک پہنچتی ہے۔ اور اللہ نہ کرے روح کو تکلیف ملے تو اس کا اثر بھی بدن کے ہر ذرے کو ہوتا ہے۔ قیامت کے دن

روح اور بدن دونوں برابر مکلف ہو جائیں گے۔ اگر انعام ملے گا تو دونوں لذت پائیں گے۔ سزا ہوگی تو دونوں کو محسوس ہوگی۔ برزخ ایک انتظار گاہ ہے۔ آخرت کا فیصلہ ہونے تک کے لیے انتظار گاہ۔ جو لوگ برزخ میں گئے، وہ منتظر ہیں کہ قیامت قائم ہوگی، فیصلہ ہوگا۔

یہاں ایک سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ جنت و دوزخ، عذاب و ثواب تو قیامت کے حساب کتاب کے بعد کی باتیں ہیں تو برزخ میں عذاب و ثواب کیسا؟ برزخ ایک انتظار گاہ ہے۔ جس کردار کا بندہ ہوتا ہے وہاں ویسی ہی اس کی رہائش گاہ ہوتی ہے۔ کافر کے لیے کفر کے مطابق، مشرک کی شرک کے مطابق، ظالم کی اس کے ظلم کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندوں کی انتظار گاہ اُن کے درجات کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر بندہ دو میں سے ایک حال میں تو ہے۔ جنتی ہے یا دوزخی۔

اللہ کے اس نیک بندے کا تذکرہ جاری ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی انتظار گاہ جنت کا باغ تھی اسے ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ فوراً کہنے لگا: قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بولا کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی۔ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔

کہنے لگا، کاش! میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی۔ کاش! وہ برزخ کے حالات جان سکتے۔ انہیں یہ حقیقت معلوم ہوتی کہ اللہ کے نبیؑ پر ایمان لانے کے صلے میں مجھے اللہ نے جنت میں داخل کیا اور مجھ سے جو خطائیں ہوئی تھیں وہ بخش دیں اور مجھے بڑا معزز بنا دیا۔ بہت عزت داروں میں شامل کر دیا۔ بلاشبہ جنت میں داخلہ تو بجائے خود بہت عزت کا مقام ہے۔ اس شخص کو اللہ نے جنت کا بھی اعلیٰ درجہ عطا فرمایا۔ یہ واقعہ اس محترم شخص کا ہے جس کو کفار نے ظلماً شہید کر دیا تھا کیونکہ وہ انبیاؑ کی حقانیت اور سچائی کو اپنی قوم کی ہدایت کی خاطر بتا رہا تھا۔ اُن پر واضح کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ انبیاؑ کا دامن تھام لیں اور نجات پا جائیں لیکن منکرین نے مان کر نہ دیا!

اللہ کریم نے فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہی ہم اتارنے والے تھے۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ وہ تو صرف ایک سخت چنگھاڑ تھی پس اسی دم وہ بجھ کر رہ گئے۔

فرمایا، اس قوم کی تباہی کے لیے ہمیں آسمانوں سے کوئی لشکر نہیں اتارنا پڑا نہ ہم ایسا کرتے ہیں بس وہ تو ایک کڑک تھی، ایک چیخ تھی، سب کے سب تباہ ہو کر رہ گئے۔ جیسے چراغ بجھ جاتا ہے، ان کی زندگیوں کے چراغ بھی گل ہو گئے۔ اللہ کریم کبھی کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک اُسے حق پہنچا نہ دیں۔ اللہ کریم نے نیکی کے راستے کو واضح

کر دیا، برائی سے خبردار کر دیا۔ پھر انسان کو اختیار بخشا کہ اپنی پسند سے اپنے لیے راستے کا انتخاب کر لے۔ چاہے تو اللہ کا شکر گزار بن کر اس کی دنیا میں رہے اور چاہے تو انکار کر کے اپنی مرضی سے دنیا استعمال کرے۔ یہ طے ہے کہ اُسے اپنے منتخب کردہ راستے کے انجام کو بھی خود ہی بھگتنا ہوگا۔ دنیا میں جب ہم زبان کھولتے ہیں، بات کہتے ہیں تو ہمارا اختیار ہے کہ بات اچھی ہو یا بُری۔ کسی کو دعا دیں یا گالی، کسی کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں یا جھوٹ بولیں یہ فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب فیصلہ ہمارا ہے کہ ہم نے اللہ کے دین کے تابع رہنا ہے یا نفس اور شیطان کے تابع ہونا ہے۔ ان ہی فیصلوں پر آخرت کا فیصلہ ہوگا۔ اعمال نامے تھما دیے جائیں گے اور ارشاد ہوگا: اِقۡرَاۡ ط كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا (بنی اسرائیل: 14) اپنا اعمال نامہ پڑھ کہ تیرے فیصلے کیا تھے۔ آج کے دن تو اپنا جج خود ہی کافی ہے۔ زندگی بھر جو فیصلے تُو کرتا رہا آج وہ نافذ ہو جائیں گے۔ بھلائی کے فیصلے کیے تھے تو بھلائی پائے گا۔ برائی کے فیصلے کیے تھے تو برائی پائے گا۔ تیرے تو ایک ایک لمحے کا حساب ہونا ہے۔

یہ جو ہم اندھا دھند وقت ضائع کرتے ہیں اس ضیاع کا انجام آخرت میں دیکھنا ہوگا۔ ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ اسے دنیا میں گن کر، شمار کر کے، صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہیے۔

فرمایا، وہ تو شہید ہو کر جنت میں پہنچ گیا اور قوم، حق کا راستہ روکنے، انبیاؑ کی مخالفت کرنے اور اللہ کے نیک بندوں کو شہید کرنے کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ ان کی مہلت ختم ہوگئی۔ ان کے لیے اللہ کو آسمانوں سے لشکر نہیں اتارنے پڑے ایک چنگھاڑ سے ہی ان کی زندگیوں کے چراغ گُل ہو گئے وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

حسرت ہے اُن کے لیے۔۔۔

فرمایا: يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝30 افسوس ایسے بندوں پر کہ کبھی اُن کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔

قرآن کے احکامات رہتی دنیا تک کے لیے ہیں۔ قرآن حکیم کفار و مشرکین کی باتیں، اور ان کا انجام اس لیے بتاتا ہے کہ مسلمان متنبہ ہو جائیں۔ وہ اس روش سے باز رہیں جس کا انجام عذابِ الٰہی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے حسرت ہے، افسوس ہے کہ جب ان کے پاس اللہ کے نبی و رسول علیہم السلام آئے تو انہوں نے ان پاک ہستیوں کا مذاق ہی اڑایا۔

اس روش کو دیکھیں اور آج کے کلمہ گو کے طرزِ عمل کو دیکھیں۔ یہ رواج ہو گیا ہے کہ جو شاعر دین کا مذاق اڑائے، عظمتِ باری اور عظمتِ رسالت کا مذاق اڑائے وہ بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں اس نے بڑا ادبی

کام کیا۔ اسی طرح وہ بہت بڑا دانشور سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے نظامِ حیات پر تنقید کرے اسے ناقابل عمل ٹھہرانے کے دلائل دے۔

کافر تو مذاق اڑاتا ہے کہ وہ انبیاؑ کا منکر ہے۔ وہ بجائے نبیؑ کے ارشادات پر غور کرنے کے، انہیں سمجھنے اور ماننے کے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حیرت تو ان مسلمانوں پر ہے جو کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور دین کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ کبھی دینداروں کا مذاق اڑاتے ہیں، کبھی دینی احکام پر طنز کرتے ہیں کبھی عقائد و نظریات کا مذاق بناتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، بڑے افسوس کا مقام ہے، بڑے دکھ کی بات ہے۔ حسرت ہے ایسے لوگوں پر جن کے پاس اللہ کے رسولؐ آئے اور انہوں نے اُن کا مذاق ہی اڑایا! کیا یہ دنیا میں اپنے سے پہلے قوموں کے حالات نہیں جانتے۔ تاریخ سامنے ہے کہ جنہوں نے انبیاؑ کا اتباع کیا ان پر اللہ کی کتنی نعمتیں ہوئیں اور جنہوں نے انبیاؑ کی مخالفت کی وہ کس بری طرح تباہ ہوئے اور کس طرح ان کے نشان تک مٹ گئے۔

فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتوں کو تباہ کر چکے کہ وہ (پھر) ان کے پاس لوٹ کر نہیں آتے۔ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ اور وہ سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔

دنیا میں ان سے پہلے بڑی بڑی سلطنتیں تھیں، ریاستیں تھیں جن کے بڑے بڑے خزانے اور لاؤ لشکر تھے جو اسی جرم میں تباہ و برباد ہو گئے اور ان قوموں کے نشان بھی مٹ گئے۔ آج ان کے بڑے محلات اور آباد شہر راستوں میں عبرت کا نشان بن کر کھنڈروں کی صورت میں کھڑے ہیں۔ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے جنہوں نے برائی کا راستہ اپنایا، کفر کو اختیار کیا، انبیاؑ کی مخالفت کی، ان کا کیا حشر ہوا اور وہ دنیا میں کس ذلت و خواری سے دوچار ہوئے۔

یہ بات طے ہے کہ ساری مخلوق نے ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اگر بات یہیں ختم ہو جاتی کہ جنہوں نے اطاعت کی، انہیں دنیا میں راحت و سکون نصیب ہوا جنہوں نے نافرمانی کی، تباہ ہو گئے۔ پھر بھی بات ختم ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ سب نے برزخ سے گزر کر میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ جزا و سزا پھر شروع ہوگی۔ نیکوں کو انعامات ملیں گے۔ بدکاروں کو سزا ملے گی۔ ابھی تو اثنائے راہ یعنی برزخ میں ہیں۔ ابھی تو یہ انتظار گاہ میں ہیں۔ جب میدانِ حشر میں آئیں گے تو پتا چلے گا۔

کیا ان کو اس کا خیال نہیں تھا کہ میدانِ حشر میں کیا ہوگا؟

سورۃ یٰسٓ رکوع 3 آیات 33 تا 50

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
یَاْكُلُوْنَ ۝٣٣ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ
الْعُیُوْنِ ۝٣٤ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝٣٥
سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا
لَا یَعْلَمُوْنَ ۝٣٦ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝٣٧
وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝٣٨ وَالْقَمَرَ
قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝٣٩ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ
اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝٤٠
وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝٤١ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ
مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ ۝٤٢ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ
یُنْقَذُوْنَ ۝٤٣ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ۝٤٤ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا
بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝٤٥ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ
اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝٤٦ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ
اَطْعَمَهٗۤ ۖۗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝٤٧ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝٤٨ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ

يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾

اور ایک نشانی ان کے لیئے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا سو اس میں سے وہ کھاتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری فرمائے ﴿۳۴﴾ تا کہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا۔ تو کیا یہ شکر نہیں کرتے؟ ﴿۳۵﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کو یہ نہیں جانتے سب کے جوڑے پیدا فرمائے ﴿۳۶﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیر چھا جاتا ہے ﴿۳۷﴾ اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے یہ غالب (اور) علیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ﴿۳۸﴾ اور چاند کے لیے منزلیں مقرر فرمائیں یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے (کھجور کی) پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے ﴿۳۹﴾ نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں ﴿۴۰﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ﴿۴۱﴾ اور ان کے لیے ویسی ہی اور چیزیں پیدا فرمائیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ ان کو خلاصی ملے ﴿۴۳﴾ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک مدت تک ان کو فائدہ دینا (منظور) ہے ﴿۴۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۴۵﴾ اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کفار ایمان والوں سے (یوں) کہتے ہیں کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانا دیں جن کو اگر اللہ چاہیں تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دیں؟ تم لوگ تو صریح غلطی میں

(پڑے) ہو ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا ﴿۴۸﴾
یہ لوگ بس ایک سخت چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے ﴿۴۹﴾ پھر نہ تو وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جا سکیں گے ﴿۵۰﴾

تفسیر و معارف

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں:

اللہ جلّ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں اس کی عظمت، قدرت اور خلاّقیت پر گواہ ہیں۔ کیا یہ تمام نشانیاں اس کی مخلوق پر احسانات کی دلیل نہیں؟ غور کرنے، سمجھنے اور ہدایت کے طالب کے لیے ان عظیم نشانیوں میں یقیناً راہنمائی موجود ہے۔

فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾
اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اُگایا سو اس میں سے وہ کھاتے ہیں۔

ان کے سامنے بہت بڑی دلیل مردہ زمین ہے، سخت گرمی میں زمین پر سبزہ خشک ہو جاتا ہے۔ کھیتیاں پک کر کٹ جاتی ہیں۔ ہر طرف گرد اڑ رہی ہوتی ہے اور ایسے لگتا ہے، زمین مردہ ہو چکی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم، پھر اس کو زندہ کر دیتے ہیں۔ جہاں گرد اڑ رہی تھی، وہاں بارشیں ہوتی ہیں تو زمین کا ہر ذرہ جی اٹھتا ہے۔ اس میں روئیدگی ہوتی ہے، پھول اور پھل سے ہر طرف رونق ہو جاتی ہے اور اسی زمین میں سے ہم ان کے لیے اناج اگاتے ہیں جو ان کی غذا بنتا ہے۔ اسی مردہ زمین میں سے ہم ان کے لیے وہ غذائیں پیدا کرتے ہیں جن سے ان کی حیات قائم ہے۔ انسان غور تو کرے کہ روز اس کے سامنے چیزیں بگڑتی اور بنتی ہیں۔ پت جھڑ آتی ہے تو لاکھوں پتے جھڑ جاتے ہیں۔ درختوں کی ٹہنیاں اور شاخیں ننگی ہو جاتی ہیں۔ اللہ کریم ہی ان پر بہار لے آتے ہیں۔ موسمِ بہار آتا ہے تو بے شمار نئے پتے درختوں پر اُگ آتے ہیں۔ درخت سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔ وہ جو سوکھ کر گر گئے، مٹی میں شامل ہو گئے۔ اسی خاک سے اللہ کریم نے پھر سے روئیدگی پیدا کر دی۔

فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ اور ہم نے

اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری فرمائے۔ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا۔ تو کیا یہ شکر نہیں کرتے؟

ہم نے زمین سے ہی اعلیٰ، لذیذ، فرحت بخش اور قوت بخشنے والے پھل اُگا دیے۔ کھجور کو ہی لے لو! یہ مکمل غذا بھی ہے اور دوا بھی جس کا ہر جز و کام آتا ہے۔ حتّی کہ اس کی گٹھلی بھی کام آتی ہے۔ عرب کھجوروں کی گٹھلیوں کو کوٹ کر اونٹوں کی غذا میں ملا دیتے تھے۔ اونٹ فربہ رہتے تھے۔ یہ اُن کے لیے بہترین غذا تھی۔

عجوہ کھجور کی گٹھلیوں سے دل کے جملہ امراض کا علاج:

عجوہ کھجور، خاص کھجور ہے۔ عجوہ کھجور کی گٹھلیوں کو پیس کر کپڑے میں چھان کر محفوظ کر لیں۔ اس میں سے آدھا چمچ روزانہ پانی کے ساتھ کھالیں تو دل کی ہر مرض کی شفا ہے۔ دل کے جملہ امراض کا علاج ہے۔ دل کے بند والو (VOLVE) کھل جاتے ہیں۔ سکڑی ہوئی رگیں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ کسی آپریشن کی ضرورت نہیں رہتی۔ صرف ایک ماہ باقاعدگی سے کھانے سے ساری خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اگر کھاتا رہے تو صحتمند رہے گا۔

اللہ کریم دعوت فکر دیتے ہیں کہ میری نشانیوں پر غور کرو اور ہدایت پا جاؤ۔ دیکھو! ہم نے کھجور کا پودا بنایا۔ اس کی شاخوں کو دیکھو تو بظاہر کچھ نظر نہیں آتا کہ اس پر پھل بھی لگے گا لیکن اس پر جب پھل آتا ہے تو درخت نہال ہو جاتا ہے۔ ایسا پھل لگتا ہے جو بیک وقت غذا بھی ہے اور دوا بھی۔

ہر پھل قدرت کے احسانات یاد دلاتا ہے۔ اَعْنَابٍ ۔۔۔ انگور کو ہی دیکھو لو۔ لذت آفرین، صحت بخش مشروب جو انگور کے ہر دانے میں بند ہے۔ قوت بخشا ہے اور بیماریوں سے شفا کا سبب ہے۔ پھل ہی نہیں قدرت کی نشانیوں میں سے چشمے بھی ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے اسی زمین میں چشمے جاری فرمائے۔ دیکھا جائے تو زمین خود ایک بحرِ زخّار میں ایک کشتی کی طرح تیر رہی ہے۔ اس کے گرداگرد تین چوتھائی سمندر ہے درمیان میں ایک چوتھائی خشکی ہے۔ سمندر کھارا، نمکین اور سخت کڑوے پانی پر مشتمل ہے۔ اسی زمین پر ہم نے جو چشمے نکال دیے وہ شیریں، میٹھے اور جانفزا ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ اے بنی آدم! تم پھل کھاؤ، چشموں سے مستفید ہو۔ یہ چشمے جاری نہ ہوتے تو پھل بھی نہ لگتے۔ ہم نے تمہاری خاطر کتنا اہتمام فرمایا! قرآن میں دوسری جگہ یہی بات یوں ارشاد فرمائی گئی: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ:29) روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے سب بنی آدم کی خدمت کے لیے پیدا فرما دیا۔

فرمایا، اے لوگو! تمہارے ہاتھوں نے تو اس میں کچھ نہیں کیا۔تم نے غلّہ بنایا نہ بادل برسائے، نہ چشمے نکالے، نہ پھل اُگائے! یہ سارے تحفے تمہیں قدرتِ باری کی طرف سے ملے۔ ہر چیز تمہاری غذا کا سامان کر رہی ہے، تمہاری دوا کا سبب بنائی گئی ہے تو کیا تم اس سب پر اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتے!

شکر کی بہت سی تشریحات کی گئی ہیں۔سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقی شکر یہ ہے کہ خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کی اطاعت کیسے ہوگی؟ یہ بتانا اللہ کے انبیاؑ کا منصب ہے۔ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصبِ جلیلہ ہے کہ وہ بتائیں، اللہ کی اطاعت کیا ہے، نافرمانی کیا ہے؟ بندے کے ذمہ ہے کہ وہ خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرے۔ زبانی شکر کہتا رہے اور عملاً اللہ کی نافرمانی کرتا رہے تو یہ ناشکری ہے۔ زبانی کہنے کا وہ اثر نہیں ہوتا جو عملاً کرنے کا ہوتا ہے۔ ایک شخص پیاسا ہو اور وہ زبانی کہتا رہے کہ اس نے پانی پی لیا تو کیا اس کی پیاس کی تسکین ہو جائے گی؟ اور اگر وہ زبانی نہ بھی کہے لیکن عملاً پانی پی لے تو اس کی پیاس بھی ختم ہو جائے گی اور بدن میں پانی کی جو ضرورت ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی؟ نتائج ہمیشہ عمل پر مرتب ہوتے ہیں لہٰذا شکر کا طریقہ بتا دیا گیا کہ اطاعتِ الٰہی کی جائے۔ اللہ کریم نے اپنے احسانات گنوا کر دلائل دیے ہیں کہ اے بنی آدم! تمہیں یہ تمام نعمتیں ہم نے عطا کی ہیں۔ ان میں تمہاری کوئی محنت نہیں لگی۔ کسی چیز کی تخلیق میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ بادل کے بنانے میں نہ بارش کے برسانے، نہ چشمے جاری کرنے میں، نہ باغات اُگانے میں۔ یہ سب ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کر دیا۔تم جب ان سب نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو تو کیا شکر نہیں کر سکتے؟

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کو یہ نہیں جانتے سب کے جوڑے پیدا فرمائے۔

وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے ہر چیز کے جوڑے بنا دیے۔ یہ اس کی عجیب شان ہے کہ زمین سے اگنے والی ہر شئے کے جوڑے بنا دیے ہیں۔ وہ گھاس ہے، درخت ہیں یا فصلیں۔ حیوان ہیں یا باقی ساری تخلیقات حتیٰ کہ جس مخلوق کو نہیں جانتے جو ابھی دریافت نہیں کر سکے ان سب میں اللہ نے جوڑے جوڑے بنائے ہیں۔ خود انسانوں میں بدرجہ اولیٰ جوڑے بنائے ہیں۔

ان دلائل میں ایک بڑی دلیل یہ ہے: وَاٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۷﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

ان کے لیے بڑی دلیل رات ہے۔ تاریکی چھا جاتی ہے تو کام کاج رک جاتے ہیں۔ ہم اسی رات کے دامن سے دن کو کھینچ لیتے ہیں۔ پھر اسی رات سے دن بنا دیتے ہیں۔ سورج نکال کر جگمگا دیتے ہیں جیسے رات کے دامن سے کھینچ کر دن نکال لیا گیا ہو۔ اگر ہم دن نہ نکالتے تو ہر چیز تاریکی میں ڈوبی رہتی۔ زندگی کا تصور کہاں ہوتا۔ حیات کا تو نظام ہی شب و روز کے آنے جانے سے وابستہ ہے۔ اور اگر دن ہی رہتا، رات نہ ہوتی تو آرام اور سکون کا وقت نہ ملتا۔

یہ بھی دیکھ لو کہ یہ شب و روز، یہ بارشیں، یہ چشمے، روئیدگی، نباتات، حیوانات، پرندے، آبی مخلوق غرض تمام مخلوقات کی حیات کا دارومدار سورج کی گردش پر ہے۔ فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۳۸ اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے یہ غالب (اور) علیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹ اور چاند کے لیے منزلیں مقرر فرمائیں یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے (کھجور کی) پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰ نہ تو سورج سے یہ ہی ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب اجرامِ فلکی اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

سورج اور چاند، اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ فرمایا، جب سے ہم نے سورج کو تخلیق کیا ہے، اس کے لیے راستہ مقرر کر دیا ہے، اوقات مقرر کر دیے ہیں۔ وہ تب سے ہمیشہ کے لیے ان اوقات کے مطابق اسی راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ علم رکھنے والے پروردگار کے مقرر کردہ اندازے ہیں کہ کس لمحے، کس گھڑی وہ کہاں ہوگا، اس کے اثرات زمین پر کیا مرتب ہوں گے؟ یہ اللہ جل شانہٗ کے اندازے ہیں جو علم بھی رکھتا ہے، غالب ہے جو چاہے وہ کر بھی سکتا ہے۔

فرمایا، ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ اس کا راستہ بھی متعین ہے، اوقات بھی متعین ہیں اور سفر بھی متعین ہے۔ بڑھتے بڑھتے ایک وقت پر پورا چاند بن جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے تو گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی شاخ کی طرح نظر آتا ہے۔ اتنا بڑا چاند پھر ٹیڑھا سا نظر آتا ہے۔ اس کی چاندنی زمین پر بے شمار اثرات پیدا کر رہی ہے۔ سورج کی روشنی کے زمین پر اپنے اثرات ہیں اور چاند کی روشنی کے اپنے اثرات! سورج اور چاند پوری پابندی کے ساتھ اپنے متعین راستوں پر سفر کرتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی مقررہ راہ ہے، اپنا راستہ ہے، اپنے اوقات ہیں جن کا وہ پابند ہے۔ ہر ایک اپنے دائرہ کار میں رہ کر سفر کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سورج بھاگ کر چاند کو پکڑ لے۔ یہ اپنے دائرہ کار میں اتنے نظم و ضبط کے پابند ہیں کہ کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا نہیں سکتے۔ اگر سورج، چاند ہی ٹکرا جاتے تو

کیا ہوتا؟ صرف چاند اور سورج ہی نہیں اللہ کی تمام تخلیقات اس کے حکم کی پابند ہیں۔ کبھی رات، دن پر سبقت نہیں لے سکتی کہ رات ہی جاری رہے اور دن نہ نکلے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ رات دن، سورج چاند، ستارے سیارے ہر چیز اپنے اپنے مقررہ وقت پر ایک ایک لمحے کی پابندی کرتی آ رہی ہے۔ جب سے ربّ نے تخلیق فرمایا ہے اور جس کام پر لگایا ہے اسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔ کوئی کوتاہی نہیں کرتا اس لیے کہ ان کے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ چاہیں تو مانیں، نہ چاہیں تو نہ مانیں۔ انہیں حکم کا پابند بنایا گیا ہے۔ اسی لیے یہ سب کے سب اپنی اپنی روش پر رواں ہیں، اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

علمِ نجوم کی حقیقت:

ستاروں اور سیاروں کا علم ایک فن ہے۔ جس میں انسانوں نے تحقیقات کی ہیں، سورج کی، ستاروں، سیاروں کی گردش ان کی تحقیق کا میدان رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اندازے کیے کہ کون سا ستارہ کہاں ہوتا ہے تو زمین پر اس کے اس مقام پر ہونے کے باعث کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ یہ ایک جامع فن ہے جسے علمِ نجوم کہتے ہیں۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ علمِ نجوم کے بھی اندازے ہوتے ہیں۔ وہ یقینی اور حتمی نہیں ہوتے۔ کبھی صحیح ہوتے ہیں کبھی غلط۔ ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی کہ کسی نبض دیکھنے والے کے اندازے جیسے حکیم نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھتا ہے کہ مریض کے اخلاط کا توازن کیا ہے؟ کس خلط سے گرمی یا سردی یا بادی سے توازن بگڑا ہے۔ خلط کے گھٹنے بڑھنے سے بدن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کیا نتائج نکلتے ہیں۔ وہ یہ سب نبض پر ہاتھ رکھ کر بتادیتا ہے بیماریوں کے نام بھی بتادیتا ہے۔ یہ سب اس کے علم کا نچوڑ ہوتا ہے جس پر وہ بھی اندازہ لگاتا ہے۔ اس کی تشخیص صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی کیونکہ یہ اس کا ایک اندازہ ہے۔ اسی لیے ایک طبیب کی رائے دوسرے سے مختلف بھی ہوسکتی ہے اور علاج بھی مختلف تجویز ہوسکتے ہیں۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر کا علم حتمی نہیں ہوتا۔ اسی طرح علومِ نجوم کے بھی اندازے ہوتے ہیں۔ نجومیوں کا علم یقینی اور حتمی نہیں ہوتا۔ نجومیوں یا دست شناسوں کے اندازوں کو یقینی مان لینا کفر تک لے جاتا ہے لہٰذا ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
کہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں

ستارہ میری قسمت کیا بتائے گا۔ اس کو اپنی قسمت کا بھی نہیں پتا۔ وہ تو خود مجبور و بے بس ہے۔ جہاں اُسے

اللہ نے مقرر کر دیا ہے، وہیں چکر لگا رہا ہے۔ وہ اپنی حرکت کو خود نہ تیز کر سکتا ہے نہ کم کر سکتا ہے اور نہ ہی روک سکتا ہے تو میری قسمت کا مالک وہ کہاں سے بن گیا؟

فرمایا، سب سورج، چاند، ستارے کسی کے پاس اختیار نہیں ہے۔ صرف انسان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ اسے اختیار دیا گیا ہے کہ اپنی پسند سے فیصلہ کرے تو وہ خود سوچ سکتا ہے کہ وہ اپنے اس اختیار سے کیا حاصل کر رہا ہے!

اللہ کی نعمتیں اس کی قدرت پر گواہ ہیں۔ فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور ان کے لیے ویسی ہی چیزیں پیدا فرمائیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

فرمایا، کیا انسان کے لیے یہ دلیل کافی نہیں کہ ہم نے وسیع سمندروں میں، زمین کو ایک سفینہ بنا کر اس پر نسل انسانی کو بسا دیا ہے۔ کیا یہ اس کی کاریگری کی، اس کی عظمت کی، اس کے احسانات کی دلیل نہیں ہے؟ اور ہم نے انسان کو سمندروں کے سینوں پر تیرنے والے جہاز اور سفینے بنانے کی توفیق دی جن پر سوار ہو کر وہ سمندروں کو طے کرتے پھرتے ہیں۔ ان سے موتی، جواہرات اور خزانے نکالتے ہیں۔ انہی سمندروں سے تیل نکالتے اور دیگر نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا: وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ ان کو خلاصی ملے۔

ہم چاہیں تو ساری زمین کو تہہ آب بٹھا دیں۔ سب کچھ غرق کر دیں۔ اگر ہم انہیں غرق کر دیں تو کوئی اُن کی فریاد سننے والا یا اُن کو اس سے بچانے والا نہ ملے۔ کیا انسان نے کبھی یہ سوچا کہ جس زمین پر سطح آب پر وہ رہتا بستا ہے، اللہ سمندروں کو اس پر چڑھا دے تہہ آب کر دے تو پھر اس کی فریاد کون سنے گا، اُسے کون بچائے گا؟ یقیناً اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں۔

فرمایا: اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ایک مدت تک ان کو فائدہ دینا (منظور) ہے۔

اللہ کریم، ایسے رحیم ہیں، ایسے کریم ہیں کہ انسانوں کو مہلت دیتے ہیں۔ ان کے گناہوں پر فوری گرفت نہیں فرماتے۔ انہیں زندگی کی مہلت ایک معین وقت تک دیے رکھتے ہیں تا کہ دنیا کے تجربات و مشاہدات سے سیکھ لیں۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں استعمال کریں، اس کے احسانات کا احساس کریں اور شکر کر کے ہدایت پالیں۔

فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٥﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ کریم نے انسانوں کو ہدایت پہنچانے کا ایک منظم اور مربوط نظام بنایا۔ اپنے ایسے پیارے اور برگزیدہ بندے دنیا میں بھیجے جو اللہ کی رحمت کی طرف بلانے والے تھے۔ یہ اللہ کا انعام ہے کہ اس نے ہر زمانے کے لیے انبیا ورسل علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ نبی اور رسول علیہ السلام پیدائشی طور پر نبیؑ تھے۔ وہ اللہ کے خاص بندے تھے۔ وہ بھی انسان تھے، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد تھے، خاکی تھے، بشر تھے لیکن اُن کی بشریت فرشتوں کی ملکوتیت سے زیادہ لطیف تھی۔ عام انسان کی روح لطیف ہے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو اس میں حیات آجاتی ہے، نور آجاتا ہے، نیکی کرے تو نور بڑھتا ہے لیکن وہ جتنی بھی محنت کرلے غیر نبی کی روح اتنی لطیف نہیں ہوسکتی جتنا نبیؑ کا مادّی وجود لطیف ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ورسول، امام الانبیاؑ اور رہتی دنیا تک کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجودِ باجود سمیت عرشِ علیٰ پر، برزخ میں اور جنت کے ملاحظہ پر تشریف لے گئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

فرمایا، ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے ایسے برگزیدہ بندے مبعوث فرمائے جن ہستیوں کے قدم عرشِ علیٰ پر ہوتے، انہیں تمہارے لیے اس زمین پر بسایا۔ انہوں نے تمہیں بتایا کہ تم اُن باتوں سے بچو جن کے باعث تم سے پہلی قوموں پر عذاب آئے اور وہ قومیں تباہ ہوگئیں۔ اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔ اللہ کی نافرمانی پر جو عذاب منتظر ہیں اُن سے بچنے کا تدارک کرو۔ ان آنے والے عذابوں سے ڈرو۔ ان سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرو، گناہ نہ کرو، ایمان لاؤ، انبیا علیہم السلام کا اتباع کرو تا کہ تم پر رحم کیا جاسکے۔ یعنی جو بندہ عذابِ الٰہی سے ڈرتا ہے، اللہ کی رحمت اس پر ہوتی ہے۔ وہ رحم کا مستحق ہوجاتا ہے۔ بندہ اپنے زورِ بازو پر شاید کبھی نجات نہ پاسکے۔ یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کی طرف لپکتا ہے تو اس کی کوتاہیاں معاف کردیتا ہے۔ اس پر رحم فرماتا ہے، اس کی خطائیں معاف کردیتا ہے اور اس کی نیکیوں کا اجر بڑھا کر بہت اعلیٰ درجے عطا کردیتا ہے لہٰذا رحمتِ الٰہی کو پانے کا راستہ، اطاعتِ الٰہی ہے، عبادتِ الٰہی ہے۔

قرآن کا انداز:

قرآن نے کتنی لمبی تمہید باندھ کر بیان کیا ہے۔ تخلیقِ انسانی، نباتات وجمادات، حیوانات، زمین کی روئیدگی

سے بادل، بارش تک سب پر بات کی۔ اس ساری تخلیق کا رشتہ آسمانی ستاروں سیاروں، سورج، چاند سے جوڑ دیا کہ ان کی ہر حرکت زمین پر تبدیلیاں لاتی ہے۔ سورج کی تپش سے چیزیں اُگتی ہیں، پھل پکتے ہیں تو چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ گردشِ ایام سے سارا نظامِ حیات چل رہا ہے۔ اس کے تانے بانے اللہ نے کہاں سے کہاں جوڑ رکھے ہیں۔ اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں تاکہ یہ شعور کا صحیح استعمال کریں اور واحد ولاشریک ربّ کا شکر ان کے دل میں پیدا ہو لیکن یہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ جب اللہ کے نبیؐ ان کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں:

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

یہ ایسے عجیب لوگ ہیں کہ اللہ اپنے نبیوںؑ کو ان کی اصلاح کے لیے بھیجتے ہیں تو یہ اُنؑ کا پیغام سن کر بات سننا گوارا نہیں کرتے اور رخ پھیر لیتے ہیں۔ پھر یہ اللہ کے کسی بھی حکم کو قبول نہیں کرتے اور اللہ کے پیغام پر اور اس کے پیارے بندوں پر اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں۔

فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کفار ایمان والوں سے (یوں) کہتے ہیں کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہیں تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دیں؟ تم لوگ تو صریح غلطی میں (پڑے) ہو۔

زندگی کا نظام دینے پر ہے:

اللہ کریم نے زندگی کا نظام بنایا اور اسی کی قدرتِ کاملہ کا اصول یہ ہے کہ یہ نظام کچھ دینے پر قائم ہے۔ سورج نکلتا ہے تو تمازت، گرمی سے بے شمار نعمتیں دیتا ہے۔ اسی طرح نظامِ حیات کے تمام اسباب کچھ دیتے ہیں۔ بارش زمین کا سینہ جل تھل کر دیتی ہے۔ زمین کھیتیاں اُگلتی ہے۔ یہ سب مل کر زندگی کا نظام بناتے ہیں۔ اگر زمین فصلیں دینا بند کر دے تو زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ سورج روشنی دینا بند کر دے تو کارگہہِ حیات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ انسانی وجود میں اللہ نے دل بنایا ہے جو بدن کے ذرے ذرے تک خون پہنچاتا ہے۔ میڈیکل سائنس کا کہنا ہے کہ اگر انسانی رگوں کو جوڑا جائے تو ان کی لمبائی میلوں پر محیط ہوگی۔ دل اتنی رگوں میں خون پہنچاتا ہے۔ اگر وہ روک لے تو کیا ہو؟

دینے میں ہی حیات ہے کہ آپ معاشرے کو کیا دے رہے ہیں؟ اگر آپ معاشرے سے چھین رہے ہیں تو

آپ حیات کو روک رہے ہیں۔ اگر آپ ظلماً دوسروں کے حق چھینتے ہیں۔ دوسروں کا حصّہ کھاتے ہیں، معاشرے میں برائی پھیلاتے ہیں تو بھی معاشرے کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہی فرمایا جارہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دی ہیں انہیں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔ تمہارے پاس علم ہے تو دوسروں تک علم کی روشنی پھیلاؤ۔ دولت ہے تو دوسروں کو ان کا حصّہ دو۔ تمہارے پاس طاقت ہے تو انصاف کرو اور لوگوں کو ظلم سے نجات دو۔ اقتدار و اختیار ہے تو عدل کرو یعنی ہر شئے جو تمہیں نصیب ہے اُسے آگے دو تو یہ اعتراض کرتے ہیں۔

فرمایا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم مالدار ہو غریبوں کو دو تو کہتے ہیں جسے اللہ نے نہیں دیا اُسے ہم کیوں دیں۔ وہ یہ بھول گئے کہ اللہ نے مالدار لوگوں کے مال میں بہت سے حقداروں کا حق رکھ دیا ہے۔ جو اُن حق داروں کو ان کا حق دیتا ہے تو اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے، سکون ملتا ہے، آخرت بنتی ہے۔ اور جو اللہ کے حکم کے خلاف چلتے ہیں۔ لوگوں کو اُن کا حق نہیں دیتے، ظلماً روک کر بیٹھ جاتے ہیں تو اللہ قادر ہے اُن کا مال اُن سے نکل جاتا ہے۔ مختلف جگہوں پر مختلف حیلوں بہانوں سے اتنا مال دینا ہی پڑ جاتا ہے۔ اللہ کا حکم مانتے تو اپنے ہاتھ سے حق داروں کو دے دیتے۔ اچھا رہتا لیکن اللہ کا کہا نہ مانا تو پھر وہی مال، ذلت و رسوائی، دکھ اور تکلیف سے الگ ہو کر رہتا ہے۔ دراصل انسان کا امتحان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو اللہ کی ملکیت سمجھتا ہے یا ذاتی ملکیت! غرباء کا جو حق اللہ نے اس کے مال میں رکھا ہے وہ غریبوں کو دیتا ہے یا خود کھا جاتا ہے۔

جب بندہ نافرمانی پر کمر کس لے تو کسی نصیحت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا: وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا۔

انبیاؑ سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں قیامت سے ڈراتے رہتے ہیں تو پھر کب ہے اور کہاں ہے قیامت؟ اگر قیامت حق ہے تو پھر آ کیوں نہیں جاتی؟ اپنے گناہوں سے خوف نہیں کرتے کہ زندگی کی مہلت میں اپنی اصلاح کر لیں بلکہ بے خوف ہو کر انبیاؑ سے قیامت کا تقاضا کرتے ہیں۔

فرمایا: مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝۴۹ یہ لوگ بس ایک سخت چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو اُن کو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔

فرمایا گیا، قیامت اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ اس کے حکم کی محتاج ہے۔ فکر نہ کرو! جب قیامت آئے گی تو کچھ دیر نہ لگے گی۔ آنِ واحد میں آ جائے گی۔ تم آپس میں جھگڑ رہے ہوگے۔ تمہیں ہوش بھی نہیں ہوگا۔ اپنے

دنیوی جھگڑوں اور ذاتی فسادات میں الجھے ہوئے ہوں گے کہ آن واحد میں آ جائے گی اور ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے گی۔ ایک آواز، چنگھاڑ ہوگی، وہ بلند ہوتی جائے گی، اتنی بلند ہو جائے گی کہ دل پھٹ جائیں گے، وجود کے پرخچے اڑ جائیں گے، سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں۔ فرمایا: فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَّلَآ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ پھر نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جا سکیں گے۔ اتنی فرصت بھی نہیں ملے گی کہ کسی کو وصیت کر سکیں، کوئی بات ہی بتا سکیں۔ پھر کوئی واپس نہ آ سکے گا اور نہ ہی دنیا کا وجود ہوگا۔ پھر نئی دنیا، نیا نظام اور دارالجزا شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں جو عقیدہ تھا جو فکر تھی جو مانا تھا جو کیا تھا اس پر اجر مرتب ہونا شروع ہو جائے گا۔ دارِ عمل ختم ہو جائے گا پھر تم کچھ نہیں کر سکو گے پھر جو کیا ہے اس کا بدلہ پاؤ گے۔

سورۃ یٰسٓ رکوع 4 آیات 51 تا 67

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَاۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ
فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾
سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ
أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ
جِبِلًّا كَثِيْرًا أَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى
أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور (دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو یہ فوراً قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی
طرف دوڑ پڑیں گے ﴿۵۱﴾ کہیں گے وائے ہماری کم بختی! ہم کو ہماری قبروں

سے کس نے اٹھا دیا؟ یہ وہی تو ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبروں نے سچ فرمایا تھا ﴿۵۲﴾ بس وہ ایک زور کی آواز ہوگی پھر جس سے سب کے سب جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ﴿۵۳﴾ سو اُس روز کسی شخص پر ذرا زیادتی نہ ہوگی اور بس ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۵۴﴾ بے شک اہلِ جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے ﴿۵۵﴾ وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ﴿۵۶﴾ ان کے لیے وہاں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے اور وہ جو مانگیں گے ملے گا ﴿۵۷﴾ (ان کو) مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا ﴿۵۸﴾ اور اے مجرمو! آج تم (اہلِ ایمان سے) الگ ہو جاؤ ﴿۵۹﴾ اے اولادِ آدمؑ! کیا ہم نے تم کو تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۶۰﴾ اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے ﴿۶۱﴾ اور بے شک اس (شیطان) نے تم میں بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ﴿۶۲﴾ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۶۳﴾ (سو) کفر کے بدلے میں آج اس میں داخل ہو جاؤ ﴿۶۴﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا میں ہی) ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے پھر یہ رستے کی طرف دوڑے پھرتے پھر ان کو کہاں نظر آتا ﴿۶۶﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے تو نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ﴿۶۷﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم قادرِ مطلق ہیں۔ مسبب الاسباب ہیں۔ سبب بھی خود ہی پیدا فرماتے ہیں اور اس میں اثر اور تاثیر بھی خود ہی رکھتے ہیں۔ جب چاہیں اُسی چیز کی تاثیر بدل دیں۔ صور کو ہی دیکھ لیں۔ پہلی مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا

تو دنیا تباہ ہوجائے گی۔ اس کی آواز اتنی ہیبت ناک ہوگی کہ پہلے سارے جاندار مرجائیں گے۔ یہ آواز بلند ہوتی جائے گی، اتنی بلند ہوجائے گی کہ درخت، پتھر ٹوٹنے لگ جائیں گے، حتیٰ کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بکھر جائیں گے، سمندر بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے۔ ساری دنیا تباہ ہوجائے گی سوائے اللہ کریم کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ جب دوبارہ اسی صور کو پھونکا جائے گا تو تب اس کی آواز حیات آفریں ہوگی۔ ہر ذی حیات پھر سے زندہ ہوجائے گا۔ وہی آواز جو پہلے موت کا پیغام لائی تھی وہ نویدِ حیات بن جائے گی۔ اور اس میں کچھ دیر نہیں لگے گی۔

فرمایا: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ اور (دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو یہ فوراً قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے یعنی ادھر صور پھونکا گیا اُدھر لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جن بدنوں کو مٹی کھا چکی تھی، ہڈیاں گل سڑ چکی تھیں۔ جو جل گئے اور ان کی خاک بکھر گئی یا سمندروں میں غرق ہوگئے اور ان کے وجود جانوروں نے کھالیے وہ سب بیک آن سلامت وجود کے ساتھ میدانِ حشر میں کھڑے ہوجائیں گے۔ اس میں کچھ دیر نہ لگے گی۔ سب اٹھتے ہی اپنے پروردگار کی بارگاہ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

فرمایا: قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ کہیں گے وائے ہماری کم بختی! ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا؟ یہ وہی تو ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبروں نے سچ فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مسند احمد) قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کفار کو تو ان کی قبروں میں بھی عذاب ہو رہا تھا تو پھر اُن کے یہ کہنے سے کیا مراد ہے کہ ہم تو قبروں میں پڑے تھے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ میدانِ حشر کی ہیبت اتنی ہو گی کہ قبروں کے عذاب وہ بھول جائیں گے۔ کہیں گے ہم وہیں ٹھیک تھے۔ یہاں کس مصیبت میں پڑ گئے۔

اللہ پناہ دے برزخ کا عذاب بھی اللہ کا عذاب ہے اور بڑا سخت ہے لیکن جب میدانِ حشر کی ہیبت دیکھیں گے تو کہیں گے، ہم وہیں ٹھیک تھے۔ پھر کہیں گے، رحمان نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ عذاب دیکھ کر انہیں اب رحمان یاد آ گیا۔ اب رحمان کی بات کر رہے ہیں۔ فرمایا، اللہ تو اتنے رحم کرنے والے ہیں کہ تمہیں وجود دیا، حیات دی، زندگی کی مہلت دی۔ زندگی بھر طرح طرح کی نعمتیں دیں۔ ارض و سما کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ اس کی کرم نوازیاں،

رحمتیں، مہربانیاں، دنیا کی زندگی میں تم پر جاری رہیں لیکن تم نے کیا کیا؟ اس ربِّ رحیم پر ایمان لانے سے بھاگتے رہے، اس کی اطاعت سے گریزاں رہے، اس کے انبیاؑ کی تصدیق کی نہ اُنؑ کا اتباع کیا۔ آج پتا چلا کہ جو بات اللہ کے رسولوںؑ نے کہی تھی وہ سچ تھی! اب سچ ماننے کا کیا فائدہ؟ اب تو ہر چیز کھل کر سامنے آ گئی۔ مقصود تو ایمان بالغیب تھا کیونکہ ان حقائق کو محض اپنے حواس کے ذریعے نہیں جانا جا سکتا تھا۔ نبیؐ کے بتانے میں اتنی قوت تھی کہ اُنؐ پر ایمان لے آتے تو دیکھنے سے زیادہ یقین آ جاتا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مومنین، انہیں کہیں گے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور نبیؐ سچے تھے۔ یہ بھی درست ہے لیکن زیادہ درست یہ ہے کہ یہ اقرار کفار کریں گے کیونکہ اس وقت تو ہر کوئی مان لے گا، سب کو سمجھ آ جائے گی۔ کفار بھی مان جائیں گے کہ رحمٰن نے ہم پر بڑا کرم فرمایا تھا۔ ہم نے بڑی خطائیں کی تھیں رحمٰن نے ہمیں بڑا برداشت کیا تھا، ہم سے بڑا درگزر کیا تھا۔ ہمیں زندگی دی، اولاد دی، ہر طرح کی نعمتیں دیں اور ہم نے کیا کیا؟ اُس رحمان نے قیامت کا جو وعدہ کیا تھا اب وہ قائم ہو گئی۔ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴿۵۲﴾ اور پیغمبروں نے سچ فرمایا تھا۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴿۵۳﴾ بس وہ ایک زور کی آواز ہوگی پھر جس سے سب کے سب جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے یعنی اس کام کے ہونے میں کچھ وقت نہ لگے گا۔

فرمایا، قبروں سے اٹھیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو سخت گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۵۴﴾ سو اُس روز کسی شخص پر ذرا زیادتی نہ ہوگی اور بس ان ہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ فرمایا، آج حق و انصاف کا دن ہے۔ کسی پر رائی برابر زیادتی نہیں ہوگی۔ ہاں! جو تم کرتے رہے ہو اسی کا بدلہ ملے گا۔ تمہارا اپنا عقیدہ اور عمل، زندگی بھر جو کرتے رہے ہو اسی کردار پر نتیجہ مرتب ہوگا۔ جو تم نے اپنے لیے چُنا تھا اسی کا نتیجہ آج بھگتنا پڑے گا۔

اللہ بے حد کریم ہیں:

اللہ ایسے کریم ہیں کہ کافر و مشرک کو بھی برزخ کے عیاں ہونے سے پہلے تک توبہ کی مہلت دیتے ہیں۔ اس وقت بھی توبہ کر لے تو ساری زندگی کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اُس کا ایمان قبول کر لیتے ہیں کیونکہ ایمان بالغیب مطلوب ہے۔ لیکن جب برزخ عیاں ہو جائے، فرشتے نظر آنے لگیں تو کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اب ایمان بالغیب نہیں رہا۔ ایمان بالغیب درکار تھا۔ نبی علیہ السلام پر اعتماد درکار تھا۔ اللہ کے کلام پر یقین درکار تھا۔ اُس وقت یہ انکار کرتے رہے۔ وہ رحمٰن تو اتنا کریم ہے کہ آخری سانسوں تک، مرض الموت میں بھی کافر و مشرک توبہ کر لے، برزخ

کے کھلنے سے پہلے، فرشتوں کے نظر آنے سے پہلے ایمان لے آئے تو اللہ کریم قبول فرمالیتے ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مومن پر تو برزخ کھل بھی جائے اور وہ گناہوں سے توبہ کر لے تو قبول ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا ایمان بالغیب تو پہلے سے ہے۔ اللہ کریم ایسے کریم ہیں کہ اُسے ردّ نہیں فرماتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جو توبہ کی توفیق سلب کرا لیتے ہیں۔ مسلسل کفر، مسلسل شرک، مسلسل نافرمانی، مسلسل گناہ دلوں کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ اس روش سے بچنا بہت ضروری ہے۔

میدانِ حشر کا تذکرہ جاری ہے کہ حشر میں منکرین کی چیخ و پکار ہوگی۔ لوگ مصیبت میں تڑپ رہے ہوں گے۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا، زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوگی۔ کفار پریشان حال ہوں گے۔ اس وقت اہلِ جنت آرام میں ہوں گے۔

اہلِ جنت کے احوال:

فرمایا: اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ الۡیَوۡمَ فِیۡ شُغُلٍ فٰکِہُوۡنَ ﴿۵۵﴾ بے شک اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔

اُسی دن، اُسی وقت جب کفار و مشرکین پریشان ہو رہے ہوں گے اہلِ جنت خوش گپیوں میں مشغول ہوں گے۔ ایک دوسرے سے حال احوال دریافت کر رہے ہوں گے۔ جیسے کوئی بڑی دور سے لمبا سفر طے کر کے تھکا ہارا گھر پہنچتا ہے تو اُسے آرام نصیب ہوتا ہے۔ وہ سکون سے بیٹھتا ہے، گھر والوں کو سفر کا حال سناتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو جنت کے مستحق ہوں گے، جو جنت جانے والے ہوں گے وہ اپنی محفلوں میں مصروف ہوں گے۔ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ دنیا کیسی گزری، برزخ میں کیسا رہا، یہاں کس طرح پہنچے؟

فرمایا: هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِیۡ ظِلٰلٍ عَلَی الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۵۶﴾ وہ اور ان کی بیبیاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

اہلِ جنت کے ساتھ اُن کی بیویاں بھی ہوں گی۔ جنت جانے والے مومنین کی بیویاں جو جنت کی مستحق ہوں گی جن کا ایمان و عمل اللہ کریم قبول فرمائیں گے، جن کی توبہ قبول فرمائیں گے وہ بھی میدانِ حشر میں سکون میں ہوں گی۔ اہلِ جنت اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ سائے میں ہوں گے۔ مسہریاں لگی ہوں گی اور وہ تکیہ لگائے پُرسکون بیٹھے ہوں گے۔ لَهُمۡ فِیۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا یَدَّعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ اُن کے لیے وہاں (ہر طرح کے) میوے

ہوں گے اور وہ جو مانگیں گے ملے گا۔ وہاں اُن کی تواضع میوہ جات، مشروبات سے کی جائے گی۔ وہ جو چاہیں گے پیش کیا جائے گا۔

ان آیات میں میدانِ حشر کا منظر نامہ ہے کہ جو لوگ بغیر ایمان کے دنیا سے گزر گئے اُن کا کیا حشر ہوگا اور جو اللہ اور اللہ کے نبیؐ کی اطاعت میں دنیا بسر کر گئے وہ میدانِ حشر میں کس طرح اپنی بیویوں کے ساتھ مزے میں ہوں گے! سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی ایک تصنیف میں جنت و دوزخ کے احوال یکجا کیے ہیں۔ جنت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ ہم کبھی اُن کے بارے سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس قدر آرام اور آسائش، اس قدر لذیذ غذائیں ہوں گی جو ہمارے وہم وخیال سے بالاتر ہیں۔ مزید یہ کہ اُن کی لذت لحہ بہ لحہ بڑھتی جائے گی۔

فرمایا: سَلٰمٌ ۔ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ ﴿۵۸﴾ (ان کو) مہربان پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا۔ سارے انعامات میں سب سے بڑا انعام، سب سے بڑی نعمت دیدارِ باری ہے۔ اہلِ جنت کو جمالِ باری کا دیدار ہوگا۔ انہیں اللہ کریم کی ایسی رضامندی نصیب ہوگی کہ انہیں اللہ کریم کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ اللہ کریم کی طرف سے اُن پر سلامتی بھیجی جائے گی، ان پر اللہ کی وہ بے پناہ اور بے پایاں رحمت ہوگی کہ انہیں اللہ کریم کی طرف سے خوش آمدید کہا جائے گا۔ اللہ کے فرمانبردار اور اس کی رضا کے طالب ہو کر دنیا میں زندگی گزارنے والوں کے لیے اللہ کریم کے انعامات کا ذکر ہوا۔

اہلِ دوزخ سے خطاب:

اُن لوگوں کے لیے کس قدر افسوس ہے جنھوں نے نافرمانی کا راستہ چنا اور اسی پر زندگی گزار گئے۔

ارشاد ہوتا ہے: وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اے مجرمو! آج تم (اہلِ ایمان سے) الگ ہو جاؤ۔ اللہ کریم کے کرم کا دامن جھٹکنے والوں سے خطاب ہے۔ اے جرم کرنے والو، نافرمانو! آج تم الگ رہو۔ تمہارا اہلِ ایمان سے کوئی واسطہ نہیں۔ تمہارے لیے نہ سلامتی ہے نہ امان۔ جنت ہے نہ کوئی انعام۔ اور: اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡکُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۰﴾ اے اولادِ آدمؑ! کیا ہم نے تم کو تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ کیا ہم نے تمہیں بار بار نہیں کہا تھا کہ شیطان کی اطاعت نہ کرو یقیناً وہ تمہارا بدترین اور کُھلا دشمن ہے۔

لمحۂ فکریہ:

اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں دنیا میں ہی بتا دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ عبادت کا مفہوم کیا

ہے؟ غیر مشروط اطاعت کو عبادت کہا جاتا ہے۔ کفار و مشرکین نے شیطان کی بات مانی، اس کی اطاعت کی تو اللہ نے اُس کے بارے فرمایا کہ یہ شیطان کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں منع کیا گیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ عبادت سے مراد، اطاعت کرنا ہے تو کلمہ گو جب اللہ کے حکم کے خلاف، شریعت کے خلاف کسی کی بات مانتے ہیں تو اسی کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اس کی اطاعت کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی۔

کفار سے خطاب، جاری ہے:

فرمایا: وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔

کفار سے خطاب جاری ہے کہ تم ساری زندگی شیطان کی پوجا کرتے رہے، اس کی بات مانتے رہے حالانکہ ہر نبیؑ نے بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور ہر نبی اور رسول علیہم السلام نے بڑی تاکید کی تھی کہ شیطان کی بات نہ ماننا۔ اور یہ کہ صرف اللہ کا حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ وہ خالق و مالک ہے۔ اس نے عدم سے وجود عطا کیا۔ فرمایا، ہم نے وجود میں بے شمار نعمتیں رکھیں جنہیں انسان برس ہا برس استعمال کرتا ہے اور ہر نعمت مفت استعمال کرتا ہے۔ ہم نے ساری کائنات انسان کی خدمت پر مامور کر دی اور اپنی طرف سے بہترین راہنمائی فراہم کی۔ نبی اور رسول علیہم السلام بھیجے تا کہ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کریں۔ اُن کے ذریعے ہم نے فرمایا کہ صرف میری ہی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

فرمایا: وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ اور بے شک اس (شیطان) نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں؟

اللہ کریم کی ہزار ہا نعمتیں استعمال کر کے بھی تمہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ یہ سب کچھ تمہارے لیے کون کر رہا ہے؟ اس کے باوجود کہ تمہیں انبیا علیہم السلام سمجھاتے رہے۔ تمہیں منعمِ حقیقی، کریم ربّ کے احکام سناتے رہے، تم نے پروا نہ کی اور شیطان کے پیچھے چل کر ساری عمر ضائع کر دی۔ شیطان نے تم میں سے ایک کثیر گروہ کو گمراہ کر لیا۔ تم نے طرح طرح کے کفر اختیار کر لیے، فحاشی اختیار کر لی۔ کیا تم میں عقل نہیں تھی؟ اللہ کریم نے تمہیں شعور دیا تھا، سوچ اور فکر دی تھی، دل دیا تھا لیکن تم تو اندھے ہو گئے۔ جب تم نے زندگی کفر و شرک میں بسر کی تو اس کا نتیجہ یہ ہے: ھٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور: اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ (سو) کفر کے بدلے میں آج اس میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ کا وعدہ تھا کہ جو کفر پر مرے گا، شرک پر مرے گا اسے دوزخ جانا ہوگا لہٰذا یہ دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ سامنے جہنم ہے۔ تم زندگی میں تو مانتے نہیں تھے لیکن حقیقت تو بہر حال حقیقت ہے۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں پتا چل جائے گا کہ دوزخ کسے کہتے ہیں۔ اس میں تمہارے داخلے کی وجہ تمہارا کفر ہے۔ دنیا میں تم کفر کرتے تھے۔ اللہ کی عظمت کا انکار کرتے تھے۔ اللہ کی عبادت کے بجائے شیطان کی عبادت کرتے تھے۔ تمہارا کفر آج دوزخ میں داخلے کا سبب بن گیا۔ اب دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

کافر، حشر میں بھی جھوٹ بولے گا:

جب کافروں کو یہ حکم ہوگا کہ آج اپنے کفر کے بدلے دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہ چلائیں گے، شور کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ یہ گناہ تو ہمیں یاد ہی نہیں، تیرے فرشتوں نے لکھ کر پیش کر دیا۔ ہم نے تو یہ گناہ کیے ہی نہیں۔ ہم کفر کی طرف تو گئے ہی نہیں۔ ہم نے اگر بتوں کو مانا تو اس لیے کہ یہ ہمیں تجھ تک پہنچا دیں گے۔ اس کے بارے ارشاد ہوا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۶۵ آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اللہ کریم! ان کی زبان بند کر دیں گے اور ان کے اعضائے بدن کو حکم دیں گے کہ بتاؤ یہ کیا، کیا کرتا رہا؟ تب ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ جسم کی کھال بولے گی۔ سارے بدن کے اعضا اُس کے کردار کی ایک ایک بات بتا دیں گے۔ بارگاہِ الوہیت میں ایک ایک بات بتا دیں گے کہ اس نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ اور وہ کافر بن بھی رہے ہوں گے کہ اُن کا وجود اُن کے خلاف گواہی دے رہا ہے۔

اس دنیا میں کفار نے جو راستہ چاہا اپنے لیے منتخب کر لیا۔ اللہ کی عطا کردہ بینائی، شنوائی، وہ زبان جس سے باتیں کرتے تھے، وہ ہاتھ پاؤں جن سے عمل کرتے تھے وہ سب تو اللہ کریم کی دی ہوئی نعمتیں تھیں۔ اللہ چاہتے تو ان نعمتوں کو پہلے ہی سلب کر لیتے لیکن یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ انسان کو معین عرصے تک مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہوں سے توبہ کر لے، اصلاحِ احوال کر لے۔

فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ۝۶۶

اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا میں ہی) ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے ان کو کہاں نظر آتا۔ اور: وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ۝۶۷

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بدل ڈالتے اس حالت سے کہ یہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے تو نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔

فرمایا، اگر ہم ان کی صرف نگاہ ہی بند کر دیتے کہ جو کفر کرے گا اس کی آنکھیں نہیں دیکھ سکیں گے تو یہ کون سا راستہ اختیار کرتے؟ انہیں نہ کوئی رستہ ملتا نہ سمجھ آتی۔ ہمارا یہ احسان کہ یہ نافرمانیاں اور کفر کرتے رہے اور ہم نے انہیں نعمتیں عطا کیں۔ زندگی کی مہلت بخشی۔ ان کے پاس انبیا علیہم السلام بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ انہیں حق قبول کرنے کی استعداد دی۔ سوچ، فکر اور شعور دیا اور ان کا یہ عمل تھا کہ وہ میری نافرمانی پر کمر بستہ ہو گئے اور ساری زندگی انہوں نے مان کر نہ دیا۔ ہم چاہتے تو ان کی صورتیں مسخ کر دیتے۔ انسانوں سے جانور بنا دیتے۔ ایسے بے بس ہو جاتے کہ نہ آگے جا سکتے نہ پیچھے ہو سکتے۔

کیا انسان نے کبھی سوچا ہے کہ جو مالک ذراتِ خاکی کو اتنی تبدیلیوں سے گزارتا ہے۔ کہیں درخت بنتے ہیں تو ایک درخت میں کتنے (Cell) سیل جمع ہوتے ہیں۔ جڑوں سے پتوں تک اور پھول پھل لگنے تک کتنی تبدیلیوں سے گزارا جاتا ہے۔ کچھ خاص سیل سے پھول بنتے ہیں، پھر کچھ خاص سیل آتے ہیں تو پھل بنتا ہے۔ پھر وہ پھل کس کس تک پہنچتا ہے۔ کس انسانی وجود کا حصہ بنتا ہے یا پہلے کسی حیوانی وجود کا حصہ بنتا ہے یا کسی پرندے کے وجود کا حصہ بنتا ہے۔ اس پرندے یا جانور کو انسان شکار کرتا ہے۔ اس کا گوشت کھاتا ہے تب وہ اس انسان کے وجود تک پہنچتا ہے۔ کتنا باریک نظام ہے جسے ہر لحظہ چلایا جا رہا ہے۔ اگر اللہ اس نظام میں کوئی رکاوٹ ڈال دیں یا کافروں کی صورتیں مسخ کر دیں تو اللہ قادر ہیں۔ اُسے کون روک سکتا ہے۔ زمین کے وہی ذرات ہیں جن سے درخت بن رہے ہیں۔ اسی زمین کے سیل ہیں جن سے جانور اور پرندے بن رہے ہیں۔ انہی سیلوں کی ترتیب فرق کر کے اللہ کریم انسانوں کو کوئی دوسری شکل دے دیتے تو یہ کیا کر سکتے تھے؟ یہ تو بے بس ہو جاتے نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے ہی لوٹ سکتے۔

سورۃ یٰسٓ رکوع 5 آیات 68 تا 83

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا
يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ
جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ
رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ﴿۷۹﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ
بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں تو کیا یہ نہیں
سمجھتے؟ ﴿۶۸﴾ اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے شایان بھی

نہیں یہ تو محض ایک نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے ﴿۶۹﴾ تا کہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ﴿۷۰﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے مواشی پیدا فرمائے پھر یہ ان کے مالک بن رہے ہیں ﴿۷۱﴾ اور ہم نے ان (مواشی) کو ان کا تابع بنا دیا۔ سو بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور ان میں ان لوگوں کے لیے نفع بھی ہے اور پینے کی چیزیں بھی، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟ ﴿۷۳﴾ اور انہوں نے اللہ کے علاوہ (اور) معبود بنا لیے ہیں کہ شاید ان کو مدد ملے ﴿۷۴﴾ وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان کے لیے ایک فریق (مخالف) ہو کر حاضر کیے جائیں گے ﴿۷۵﴾ پس آپ کے لیے ان کی باتیں دکھ کا باعث نہ بنیں بے شک ہم سب جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۶﴾ کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا فرمایا، پھر وہ اعلانیہ جھگڑنے لگا ﴿۷۷﴾ اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی تخلیق کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ ﴿۷۸﴾ فرما دیجیے ان کو وہ زندہ فرمائے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتے ہیں ﴿۷۹﴾ وہ ایسا (قادر) ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو ﴿۸۰﴾ اور جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں، اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا، علم والا ہے ﴿۸۱﴾ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس چیز کو فرما دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ﴿۸۲﴾ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم (سب) کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۸۳﴾

تفسیر و معارف

دعوتِ فکر:

فرمایا: وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِي الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں تو اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں تو کیا یہ نہیں سمجھتے؟ ان کے سامنے عبرت کا سامان بڑھاپا ہے۔ کیا یہ وہی انسان نہیں ہے جو بچپن سے جوانی تک اور پھر ڈھلتی عمر تک دوڑتا پھرتا کام کرتا تھا جب عمر بڑھتی ہے تو ہم اسے طبعی تخلیق (بچپنے کی حالت) میں لوٹا دیتے ہیں۔ انسان جوان ہوتا ہے تو بڑا دانشور ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں عقل، بچوں کی طرح ہو جاتی ہے۔ چشمِ بینا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ کان سننا بند کر دیتے ہیں۔ وہی وجود جو کبھی تومند تھا وہی خود اٹھ کر چل نہیں سکتا۔ اُسے سہارا چاہیے۔ جو بڑھاپے میں جاتا ہے اس کی ہر چیز کام چھوڑنا شروع کر دیتی ہے۔ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ برداشت رہتی ہے نہ وہ قوت۔ دیکھ سکتا ہے نہ صحیح سن سکتا ہے۔ کہنا کچھ اور چاہتا ہے منہ سے الفاظ کچھ اور نکلتے ہیں۔ سنتا کچھ ہے، سمجھ کچھ اور آتی ہے تو کیا تم ان تبدیلیوں سے بندے کی عاجزی اور اللہ کریم کی عظمت و بزرگی کو نہیں سمجھتے؟ کیا تم میں اتنی عقل بھی نہیں؟ تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن والدین نے، بزرگوں نے تمہیں کندھوں پر اٹھا کر، گودوں میں کھلا کر پالا، تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا آج وہ خود سہارے کے بغیر چل نہیں سکتے۔ صحیح طور بول سکتے ہیں نہ خود کھا پی سکتے ہیں۔ جو کبھی تمہیں چڑیا کے بچے کی طرح چوگا دیتے تھے اور غذا تمہارے منہ تک پہنچاتے تھے آج خود محتاج ہیں کہ تم اُن کو غذا کھلاؤ، وہ خود نہیں کھا سکتے۔ کیا زندگی کے بدلتے ادوار کے حقائق تمہیں دعوتِ فکر نہیں دیتے، کیا تم میں اتنی سمجھ بھی نہیں؟

یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب بات حقائق پر آتی ہے تو حق قبول کرنے کے بجائے کہتے ہیں کہ ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا کلام تو محض شاعری ہے۔ یہ خوب صورت کلام ہے عمدہ شاعری ہے۔ فرمایا: وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِيۡ لَهٗ ۔۔۔ اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے شایان شان بھی نہیں۔

ہم نے آپ کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ شاعری اس قابل ہے کہ آپ اسے سیکھیں۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان کے لائق ہی نہیں۔ شاعری کی خصوصیت ہے کہ اس میں تصوراتی زندگی ہوتی ہے۔ ایک شاعر، شاعری میں تلوار کا دھنی ہوتا ہے اگرچہ حقیقی زندگی میں اسے تلوار کا دستہ بھی پکڑنا نہ آتا ہو۔ بات کرتا ہے تو آسمان کے تارے توڑ لاتا ہے۔ شعر کہتا ہے تو چاند کی سیر کر رہا ہوتا ہے اور عملی زندگی میں خواہ ایک کمرے میں ہی پڑا رہتا ہو! قرآنِ حکیم میں شاعروں کے بارے آتا ہے: يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ (الشعرآ: 220) ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ یعنی

شاعری تو تَعَلِّی (دکھاوا) ہے، جھوٹ ہے، اضافہ اور بڑھاوا ہے، تصوراتی باتیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تو حقائق ارشاد فرماتے ہیں۔ شاعری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان کے لائق ہی نہیں۔ سارے شعر غیر حقیقی نہیں ہوتے۔ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: هُوَ كَلَامٌ وحُسنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيحُهٗ قَبِيحٌ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (مسند ابی یعلی الموصلی) شعر ایک کلام ہے، ایک بات ہے۔ اس میں اچھی بات کہی جائے تو اچھا شعر ہے اور برائی کی بات کہی جائے تو بُرا ہے۔ اس کا حُسن، حسن ہے اور اس کی برائی، برائی ہے۔ شعراء کا عمومی روّیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو عملاً کبھی کر نہیں پاتے شعر میں چونکہ جھوٹ کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے اور باتیں بھی غیر حقیقی ہوتی ہیں اس لیے یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائق نہیں۔

قرآن واضح نصیحت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اصدق الصادقین ہیں اور قرآن واضح نصیحت ہے۔ قرآن حکیم، زندگی کے راز بتانے والی اللہ کی پُر حکمت کتاب ہے۔ یہ زندگی کو آخرت سے جوڑ کر دنیوی عملی زندگی کے اخروی نتائج تک پہنچانے والی کتابِ الٰہی ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوا ہے۔ یہ صرف سچ ہے۔ نرا سچ ہے۔ اس کا ایک ایک حرف سچ ہے اس میں کوئی شاعرانہ تَعَلِّی نہیں ہے۔ فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴿۶۹﴾ یہ تو محض ایک نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے۔ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴿۷۰﴾ تاکہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔

قرآنِ حکیم نے بہت خوب صورت بات ارشاد فرمائی کہ قرآن سے فائدہ زندوں کو ہوتا ہے۔ مردے کیا عمل کریں گے؟ جو بندہ مر چکا ہو اُسے تلقین کرتے رہیں تو کیا وہ اُٹھ کر کچھ کر لے گا؟ نہیں۔ قرآن زندہ لوگوں سے باتیں کرتا ہے، مُردوں سے نہیں۔ جن کے دلوں میں نورِ ایمان ہے وہ زندہ ہیں۔ نورِ ایمان ہو تو قرآن سے راہ نمائی ملتی ہے۔ حقائق افشا ہوتے ہیں، بڑے بڑے راز کھلتے ہیں۔ قیامت کی، جنت کی، آخرت کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ وقتی زندگی کو دائمی زندگی کے ساتھ ملا کر بتاتا ہے اور نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ قرآن کن لوگوں کو آگاہ کرتا ہے؟ فرمایا: مَنْ كَانَ حَيًّا۔۔۔ ایسے لوگوں کو انجام سے باخبر کرتا ہے جن میں ابھی حیات کی رمق باقی ہو۔

قرآنِ حکیم کا کام زندوں کی راہنمائی کرنا ہے اور مُردوں پر گواہی دینا ہے۔ جن کی روحیں زندہ ہیں، قرآن ان کے لیے ہدایت کا سامان ہے اور جن کی روحیں مر چکی ہیں ان کے لیے حجت اور دلیل ہے۔ فرمایا: وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴿۷۰﴾ کافروں کے لیے حجت بن جاتا ہے۔ کافروں پر یہ حجت قائم ہو جاتی ہے کہ تمہارے پاس اللہ کا

کلام آیا لیکن تم نے پروانہ کی۔ ایمان کی استعداد کو بروئے کار لانے والوں کو اس سے ہدایت نصیب ہوجاتی ہے اور کافروں پر گواہی بن جاتی ہے کہ انہوں نے حیات آفرین کلام کو رڈ کر دیا۔

انسانی زندگی روح سے ہے۔ اللہ ہی روح کو بدن میں منتقل فرماتے ہیں۔ اللہ ہی اس کو قبض فرماتے ہیں۔ اسی لیے زندہ رہنے کا حق اللہ نے ہر ایک کو دیا ہے سوائے اس کے کہ اللہ کے حکم کے مطابق اُسے قتل کیا جائے۔ میں اور آپ کسی کو موت نہیں دے سکتے اس لیے کہ ہم کسی کو زندگی نہیں دے سکتے۔ زندگی اور موت جو دیتا ہے وہ صرف اللہ ہے اور زندگی لینے کا فیصلہ بھی اسی کا ہے۔

روح کی وجہ سے بدن تو زندہ رہتا ہے۔ کفر کی وجہ سے روح خود مرجاتی ہے۔ ایسے وجود روحوں کی قبریں ہوتی ہیں۔ فرمایا، جو اس حال کو پہنچ گیا اُسے قرآن کی آواز کہاں سنائی دے گی؟ مُردے کو وعظ کریں تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟

اللہ اتنے کریم ہیں کہ بندہ کتنا بھی کفر و شرک میں دب جائے جب کبھی دل سے یہ فیصلہ کرلے کہ مجھے اللہ کی عظمت کا اقرار کرنا ہے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ سچی توبہ نصیب ہو تو اپنی ولایت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

دعوتِ فکر:

فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴿۷۱﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے مواشی پیدا فرمائے پھر یہ ان کے مالک بن رہے ہیں۔

اللہ اتنے کریم ہیں کہ منکرین کو دارِ دنیا میں دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ غور کرو! کائنات میں جتنی مخلوق ہے سب اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے انہیں بنایا ہے۔ یہ بھی جتنے جاگتے وجود ہیں۔ ان کے اجسام میں بھی دل، پھیپھڑے، اور دیگر اعضا ہیں۔ یہ بھی تمہاری طرح بیمار ہوتے ہیں اور صحت مند بھی ہو جاتے ہیں۔ تم بھی میری مخلوق ہو اور حیوانات و مویشی بھی میری ہی مخلوق ہیں۔ یہ میرا تم پر احسان ہے کہ ان جانوروں کو تمہاری ملکیت میں دے دیا اور: وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ﴿۷۲﴾ اور ہم نے ان (مواشی) کو ان کا تابع بنا دیا۔ سو بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ﴿۷۳﴾ اور ان میں ان لوگوں کے لیے نفع بھی ہے اور پینے کی چیزیں بھی،

سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟

غور کرو یہ حقِ ملکیت تمہیں کس نے دیا؟ کیا یہ اللہ کا احسان نہیں؟ جانوروں کو پیداوہ کرتا ہے، مالک تم بن جاتے ہو۔ اللہ نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، تمہارے تابع کر دیا کہ بعض جانوروں کا گوشت کھاتے ہو اور بعض سے دودھ حاصل کرتے ہو۔ کسی کی اون استعمال کرتے ہو اور کسی کی کھال۔ بعض جانوروں پر سواری کرتے ہو اور بار برداری بھی کرتے ہو۔ تمہیں اللہ نے یہ حق دیا کہ تم انہیں بیچ کر نفع کماؤ اور ان سے دیگر فوائد حاصل کرو۔ جب اللہ نے تمہیں اتنی عظمت دی اور اپنی مخلوق کو تمہارے تابع کر دیا تو کیا تم اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتے؟ غور کرنا چاہیے کہ تمام جانور، چرند پرند اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ انسان کے استعمال میں آئیں۔ کوئی حلال جانور ذبح ہو گیا تو اپنا مقصدِ حیات پا گیا۔ اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا تو اپنی تخلیق کا مقصد پا گیا کہ بنا ہی انسان کی خدمت کے لیے تھا۔ انسان جب اللہ کی دوسری مخلوقات کو اس طرح استعمال کرتا ہے تو اُسے سوچنا چاہیے کہ اُس پر اللہ کا کتنا کرم ہے اور اسے اللہ کا کتنا شکر گزار ہونا چاہیے!

انسان کا مقصدِ حیات تو یہ تھا کہ اپنے کریم ربّ کو پہچانے، اس کی مرضیات کا طالب بنے، اس کی فرمانبرداری اور شکر گزاری میں زندگی بسر کرے لیکن منکرین نے اس طرف آنے کی کوئی کوشش ہی نہ کی۔ فرمایا: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ اور انہوں نے اللہ کے علاوہ (اور) معبود بنا لیے ہیں کہ شاید ان کو مدد ملے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے، کبھی عقل میں آ نہیں سکتی کہ اس قادر کریم کو چھوڑ کر لوگوں نے اور معبود بنا لیے جو خود مخلوق ہیں۔ جنہیں خود کسی نے پیدا کیا ہے جو اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے کسی کے محتاج ہیں۔ یہ گمراہ لوگ حقیقی معبود کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر دھکے کھاتے پھرتے ہیں حالانکہ انسانی شعور میں اللہ کریم نے یہ عظمت رکھی ہے کہ وہ سلامت ہو تو بندہ اپنے جیسے محتاجوں کی پوجا نہیں کرتا۔ پتھروں، جانوروں وغیرہ کی پوجا نہیں کرتا۔ ہاں! جن کا انسانی شعور ہی مسخ ہو جائے تو اور بات ہے! یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان واحد ولاشریک ربّ کو معبود بنانے کے بجائے دوسروں کو معبود بنا لے تو پھر وہ دَر دَر پر سجدہ ریز ہوتا ہے۔ کبھی کسی سے آسرا کبھی کسی پر بھروسہ۔ معبودِ حقیقی، ربّ کریم، اللہ جل شانہٗ کے سوا سب سہارے ٹوٹنے والے ہیں کہ سب ہی اللہ جل شانہٗ کے آسرے پر قائم ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ جو خود محتاج ہیں وہ کسی کی مدد کیا کریں گے؟ جو خود اپاہج ہے، اٹھ نہیں سکتا وہ کسی کی مدد کیا کرے گا؟ ہر مخلوق اللہ کی محتاج ہے۔ سانس لینے میں محتاج، پلک جھپکنے میں محتاج، کھانا چبانے میں، لقمہ نگلنے میں، ہضم کرنے میں محتاج ہے۔ اگر وہ قادرِ مطلق لقمہ چبانے کی یا نگلنے کی توفیق نہ دے تو کیا کر سکو گے؟ یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے جیسی مخلوق سے اُمید

باندھتے ہیں کہ وہ اُن کی مدد کریں گے۔ کیسا بودا خیال ہے! فرمایا: لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ وہ ان کی کچھ مدد کر ہی نہیں سکتے اور وہ ان کے لیے ایک فریق (مخالف) ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔

ان کی مدد کو تو کوئی کیا آئے گا ہاں! قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دینے کے لیے سب آ جائیں گے اور کہیں گے کہ یا اللہ! یہ تیری بجائے ہماری پوجا کرتے تھے۔ بُت پرستوں کے خلاف بتوں کا ایک لشکر گواہی دینے کے لیے آ موجود ہوگا۔ حق یہی ہے کہ جب بندہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو پھر ہر بات میں کسی نہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اِلٰہِ واحد اللہ کو چھوڑتا ہے تو اس کے بے شمار اِلٰہ بن جاتے ہیں۔ چپّے چپّے پر سجدے کرتا ہے۔ بندے بندے کی خوشامد کرتا ہے۔ ہر ایک سے امید لگا کے رکھتا ہے۔ شرک ایسی مصیبت ہے کہ جو ایک اللہ کے در کا سجدہ چھوڑتا ہے اُسے دَر دَر پر سجدہ دینا پڑتا ہے۔ یہی دَر دَر کے سجدے ان کے خلاف گواہی پیدا کر دیں گے۔ گواہوں کا ایک لشکر ہوگا۔ اُن میں سے ہر ایک کہے گا کہ یہ میری پوجا کرتا تھا۔

شانِ رحمۃ للعالمینؐ:

فرمایا: فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ پس آپ کے لیے ان کی باتیں دکھ کا باعث نہ بنیں بے شک ہم سب جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کس بات سے رنجیدہ ہوتے تھے؟ وہ جو کافر و مشرک ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات ہی نہیں سن رہا انکار کر رہا ہے، تمسخر اڑا رہا ہے۔ کبھی کہتا ہے آپ شاعر ہیں کبھی کہتا ہے جادوگر ہیں تو پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے لیے رنجیدہ کیوں ہیں؟ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعالمین ہیں۔ کائنات کے ہر ذرّے کے لیے اور انسانیت کے ہر فرد کے لیے اللہ کی رحمتِ مجسم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ دکھ ہوتا تھا کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ کفر کر کے جہنم میں کیوں جائے۔ اس پر اللہ کریم نے تسلی فرمائی کہ ان کی یہ باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ جو باتیں یہ چوری چھپے کرتے ہیں ہم وہ بھی جانتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔ جب ہمارے پاس آئیں گے تو سب کا حساب ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کے لیے بھی دکھ محسوس کرتے تھے کہ کاش! یہ اسلام قبول کر لیتے اور اخروی عذابوں سے بچ جاتے تو بندۂ مومن کا کام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دردِ دل کو آگے پہنچانا ہے۔ ہمارے دل میں بھی اُن کی خیر خواہی ہونی چاہیے جو بگڑ چکے ہیں۔ شفقت و محبت کے ساتھ کوشش ہو کہ انہیں اسلام میں لائیں نہ یہ کہ انہیں جہنم کے فتوے دیتے رہیں۔ یہ تو ہمارا کام نہیں ہے یہ تو شیطان کا کام

ہے۔ کسی کو جہنم بھیجنا کوئی کمال نہیں! کسی کو گمراہ کر کے جہنم بھیجنا شیطان کا کام ہے۔ آج لوگوں کے بارے کفر کے فتوے دے کر انہیں قتل کر دینا کیا ہے؟ اگر وہ واقعی واجب القتل ہے اور آپ نے اسے قتل کر دیا تو وہ کہاں جائے گا؟ دوزخ میں جائے گا۔ آپ نے اسے دوزخ پہنچا دیا تو آپ نے شیطان والا کام کیا۔ مخلوق کی خیر خواہی ہو، بندہ خود اپنی ذات پر محنت کرے تو اس کی عملی تبلیغ مؤثر ہوتی ہے اسے دیکھ کر لوگ خود اسلام میں داخل ہونا پسند کرتے ہیں۔ باقی کام ریاستِ اسلامی کا ہے کہ کون واجب القتل ہے اور اُسے اس کے اس عمل پر سزا دینے کے مجاز اسلامی ریاست کے ادارے ہیں۔

اگر کفار کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم رنجیدہ خاطر ہوتے تھے تو کبھی ہم نے سوچا کہ ہم کلمہ گو جب جھوٹ بولتے ہیں، بددیانتی کرتے ہیں، سود کھاتے ہیں، قتل و غارت کرتے ہیں تو ہمارے اس کردار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کتنے رنجیدہ خاطر ہوتے ہوں گے! ایک دشمن جب ہماری بات نہیں مانتا تو ہمیں اس بات کا دکھ ہوتا ہے اور جب کوئی اپنا بھائی، بیٹا یا دوست کہنا نہ مانے تو اس کا کتنا دکھ ہوتا ہے؟ ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں! اگر ہم گناہ کرتے ہوئے یہ خیال کر لیں کہ میرا یہ عمل میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو دکھی کر دے گا تو کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو رنجیدہ خاطر کرے!

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو تشفی دینے کے بعد انسان کو پھر دعوتِ فکر دی جا رہی ہے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۝ کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا فرمایا پھر وہ اعلانیہ جھگڑنے لگا۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ۔۔۔ اور ہمارے بارے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی تخلیق کو بھول گیا۔

کیا انسان یہ نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا اس ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں جن میں سے ایک سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔ کبھی اس نے سوچا کہ ہم نے اس کے ذرّاتِ خاکی کو کن مراحل سے گزارا۔ وہ ذرات کہاں کہاں سے ہو کر غذا میں ڈھلے۔ غذا کس طرح ہضم ہوئی۔ کیسے خون بنا پھر کس طرح اجزاء الگ ہو کر نطفہ بنے۔ کس کاریگری سے اللہ کریم نے نطفے سے بچہ بنایا۔ فرمایا، اس ایک قطرے سے ہم نے اسے پیدا کیا اور یہ اپنی تخلیق بھول گیا، اپنی حیثیت بھول گیا اور اللہ کی بارگاہ میں گستاخیاں کرنے کی جرأت کرنے لگا، میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور میرے کلام پر اعتراض کرنے لگا، بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے لگا کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط۔ بھلا تیری حیثیت ہی کیا ہے، تو کہاں سے آیا، کس شئے سے بنا؟ تیری تخلیق تو ایک قطرہ سے ہوئی، تُو اس بات پر غور کیوں نہیں کرتا؟ ہر شئے کی تخلیق قدرتِ باری کا کمال ہے۔ بڑی باریک باریک چیزوں سے ایک شئے بنتی ہے۔

وجودِ انسانی کو ہی دیکھیں تو قدرتِ باری کے ایسے ایسے مظاہر نظر آتے ہیں کہ عظمتِ الٰہی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ دیکھ تیری تخلیق کیسے ہوئی؟ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ذرات کو اللہ کریم نے ایک، ایک کر کے جمع فرمایا۔ ہر وجود کے مقسوم ذرات اس وجود تک پہنچائے۔ ہر وجود تخلیق سے پہلے اتنا بکھرا ہوا ہوتا ہے کہ مر کر اتنا بکھرنا ممکن نہیں۔ اے انسان! تیری حیثیت تو یہ ہے اور تُو میری باتوں پر جھگڑا کرتا ہے کہ: قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ﴿۷۸﴾ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کرے گا؟

ہر انسانی وجود ایک پورا جہان ہے۔ اس کے اپنے صبح وشام ہیں، اپنے موسم ہیں، اپنی آبادی و بربادی ہے تو ہڈیاں گل سڑ کر کہاں جائیں گی؟ واپس مادّے کی شکل میں چلی جائیں گی۔ وہ ایسا قادر ہے کہ مادّے کا خالق بھی وہی ہے۔ جب کچھ نہیں تھا مادّہ بھی نہیں تھا تو اس نے سب کچھ پیدا فرما دیا۔ مر کر وجود کے ذرّات بکھر جائیں گے لیکن مادّے کی کسی شکل میں ہی موجود رہیں گے۔ فرمایا: قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ ۙ‏ ﴿۷۹﴾ فرما دیجیے ان کو وہ زندہ فرمائے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتے ہیں۔

فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں سادہ سا جواب دے دیجیے کہ انہیں وہ ذات زندہ کرے گی جس نے انہیں پہلی مرتبہ بنایا تھا۔ جب کچھ نہیں تھا تو اس نے سب کچھ پیدا کر دیا اب اس مادّے کی شکل کو جسمِ انسانی کی شکل میں واپس لوٹانا اس ذات کے لیے کون سا مشکل کام ہے! وہ ہر طرح کی چیز کو پیدا کرنا جانتا ہے۔ پہلی مرتبہ پیدا کرنے میں اسے کسی نے مشورہ نہیں دیا، رائے نہیں دی، مدد نہیں کی۔ اس قادرِ مطلق نے باریک ترین ذرات کو ایک دوسرے سے پیوست کر کے، ایک خاص نسبت سے اُن کا تعلق پیدا کر کے تخلیق کی۔ یہ سب اُسی کی قدرتِ کاملہ ہے۔ تم کہتے ہو، ان بوسیدہ ہڈیوں سے دوبارہ انسان کیسے بنے گا۔ حالانکہ تم اس کی قدرت کے مظاہر دیکھتے رہتے ہو۔

فرمایا: الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ‏ ﴿۸۰﴾ وہ ایسا (قادر) ہے کہ (بعض) ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔

فرمایا، وہ ایسا قادر ہے کہ جس نے سبزے میں آگ کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ سبز شاخوں میں آگ بنا رکھی ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اُن کے اثرات ونتائج کا بھی وہی خالق ہے۔ جیسا چاہے ویسا کرتا ہے۔ انہی درختوں کی ٹہنیوں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلا لیتے ہو اور پتوں میں چھپی آگ سے پتے نہیں جلتے۔ جیسا حکم اللہ کریم دیتے ہیں، چیزیں ویسا ہی کرتی ہیں۔

قدیم عرب دو طرح کے درخت لگاتے تھے جن کی ٹہنیوں کو آپس میں رگڑیں تو آگ پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی سے آگ سلگاتے تھے۔ آگ اور سر سبز درختوں کا کوئی جوڑ تو نہیں۔ پھر کون ہے جس نے سبزے میں آگ رکھ دی؟ اب تو علمِ نباتات (Botony) والوں نے ریسرچ کر کے بتا دیا ہے کہ ہر پتے میں ایک بھٹی لگی ہوئی ہے۔ جڑیں زمین سے جو غذا لیتی ہیں وہ پتوں میں جاتی ہے، وہاں پکتی ہے پھر پودے کے ہر حصے کو تقسیم ہوتی ہے۔ بعض جنگلات میں ایسے درخت ہوتے ہیں کہ تیز ہوا کے باعث جب وہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو چنگاریاں نکلتی ہیں۔

آگ کا کام ہے ہر شئے کو جلا دینا تو کہاں سر سبز ٹہنیاں اور کہاں آگ! جو اُس قادر نے خود ان میں بھر دی ہے۔ اسی طرح بادلوں میں بجلی پوشیدہ ہے۔ کہیں گرتی ہے تو تباہی مچا دیتی ہے۔ کڑکتی ہے تو جہان کو روشن کر دیتی ہے لیکن بادلوں کے اندر سے گزرتے ہوائی جہازوں کو نہیں پتا چلتا کہ کہاں چھپا رکھی ہے۔ سردیوں میں پہاڑوں پر بادل بالکل نیچے آجاتے ہیں لیکن کسی کو بجلی کا جھٹکا لگتا ہے نہ پتا چلتا ہے کہ بجلی کہاں ہے؟

جس طرح سبز پتوں اور ٹہنیوں میں آگ پوشیدہ ہے اُسی طرح اللہ کریم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو حکم دیا تھا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا (الانبیا:69) اے آگ! ٹھنڈی ہو جا۔ آگ جلتی رہی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کے شعلے بادِ بہاری بن گئے۔

اللہ کریم کی ہر تخلیق اُس کی خلاقیت پر گواہ ہے۔ فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اور جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے۔

جس خالقِ حقیقی نے سبز پتوں میں آگ رکھ دی ہے وہی قادر ہے جس نے ساری زمینوں اور آسمانوں کو اور ان میں جو کچھ ہے، سارا بنایا ہے۔ اگر زمین کی خصوصیات پر ہی غور کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کتنے باریک ذرّات سے جڑ کر بنی ہے! اس کے باوجود ایک تنکے سے اکھیڑنا شروع کرو تو اکھڑنے لگ جاتی ہے۔ یہی زمین بڑے بڑے پہاڑ اور قلعے اٹھائے ہوئے ہے۔ اگر زمین و آسمان کی خصوصیات اور ان میں بسنے والی مخلوق پر غور کرو تو جس قادرِ مطلق نے ارض و سما بنا دیے وہ ان کو فنا کر کے دوبارہ بنانا چاہے تو کیا مشکل ہے! بے شک وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے۔ سب تخلیقات اُسی کی ہیں اور وہ ہر ایک سے ہمہ وقت واقف ہے۔

اُس کے ہاں تخلیق کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ دنیا میں کاریگر کام کرتے ہیں تو اشیاء اکٹھی کرتے ہیں۔ ایک ایک کر کے بناتے ہیں۔ اس کی بارگاہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ فرمایا: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس چیز کو فرما دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

اُس کا علم حضوری ہے۔ اس کی بارگاہ میں ہر چیز ہمہ وقت حاضر ہے۔ وہاں کوئی ماضی اور مستقبل نہیں۔ جس کا خارج میں وجود ہے وہ بھی ہے اور جس کا خارج میں وجود نہیں وہ بھی اس کے علم میں موجود ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے وجود نصیب ہونا ہو وہ اللہ کے علم میں نہ ہو۔ وہ اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ اُسے حکم دیا جاتا ہے کہ اب ''ہو جا'' تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اللہ کریم کو کوئی وقت نہیں لگتا۔ اُس نے تو کُن کہنا ہوتا ہے اور ہر چیز ہو جاتی ہے۔

فرمایا: فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم (سب) کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

وہ ذات پاک ہے۔ تمہارے شعور سوچ سے بالاتر ہے۔ وہ بڑی عظمت والا ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ جس کے دستِ قدرت میں ہر ذرّے تک کا پورا پورا اختیار ہے۔ حکمرانی صرف اسی کو سزاوار ہے۔ وہ ہر شئے کا مالک ہے اور ہر شئے اس کے دستِ قدرت میں ہے۔

جو کچھ اس نے بنایا ہے اُسے فنا بھی ہونا ہے اور واپس اس کی بارگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ ہر ایک کو اس کے حضور پیش ہونا ہے اور اس کی بارگاہ میں جوابدہی بھی ہوگی۔ اللہ کریم نے کس کس طرح اپنے کرم کا اظہار فرمایا۔ کس کس طرح اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کیں۔ کس طرح طرح انسان کو دعوتِ فکر دی۔ کس کس طرح سمجھایا کہ دارِ دنیا میں ہو تو غور کر لو اور حق کو پا لو کہ آخر سب کو اس کی بارگاہ میں ہی حاضر ہونا ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 1 آیات 1 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ
لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا
يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ
عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾
فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ
لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا
اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۖ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ
دَاخِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا
هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

قسم ہے صف باندھنے والوں کی پرا جما کر ﴿۱﴾ پھر ان (فرشتوں) ڈانٹ دینے
والوں کی جھڑک کر ﴿۲﴾ پھر ان کی جو ذکر (قرآن) کی تلاوت کرتے ہیں ﴿۳﴾
بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے ﴿۴﴾ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو
کچھ ان کے درمیان ہے اس کا ﴿۵﴾ اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا۔
بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمایا ﴿۶﴾ اور ہر سرکش
شیطان سے اس کی حفاظت فرمائی ﴿۷﴾ کہ عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور

ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں ﴿۸﴾ (وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا ﴿۹﴾ مگر جو (شیطان، فرشتوں کی) کسی چھوٹی سی بات کو جھپٹ لینا چاہتا ہے تو جلتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگتا ہے ﴿۱۰﴾ سو ان سے پوچھئے کیا ان کا پیدا کرنا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے پیدا فرمائی؟ بے شک ان لوگوں کو ہم نے چپکتے گارے سے پیدا فرمایا ہے ﴿۱۱﴾ بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں ﴿۱۲﴾ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں ﴿۱۳﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں ﴿۱۴﴾ اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے ﴿۱۵﴾ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کیے جائیں گے ﴿۱۶﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ﴿۱۷﴾ فرما دیجیے کہ ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے ﴿۱۸﴾ پس یہ تو ایک زوردار آواز ہوگی پھر یکدم یہ دیکھنے لگیں گے ﴿۱۹﴾ اور کہیں گے وائے ہماری بدبختی! یہ تو وہی روزِ جزا ہے ﴿۲۰﴾ (ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ﴿۲۱﴾

تفسیر ومعارف

سورۃ الصّٰفّٰت شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں احکام بھی ملتے ہیں لیکن زیادہ بحث عقائد پر ہوتی ہے۔ جو سورتیں بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں ان میں بھی عقائد زیر بحث آئے ہیں لیکن زیادہ بحث احکام پر ہے۔

اہلِ مکہ جہاں گرد لوگ تھے۔ تجارتی سفروں کے لیے دوسرے ممالک کے سفر کیا کرتے تھے۔ جہاں جاتے وہاں جو عقیدہ، نظریہ پسند آجاتا اُسے مکہ میں رائج کر دیتے۔ اس طرح اہل مکہ میں مختلف العقیدہ لوگ تھے۔ کفر اور شرک سب کرتے لیکن کفر اور شرک کی کئی اقسام رائج تھیں۔ کوئی سورج کی پوجا کرتا کوئی چاند اور ستاروں کی۔ کوئی فرشتوں کو پوجتا تو کوئی انہیں اللہ کی بیٹیاں بنا کر پرستش کرتا۔ بتوں کی پرستش ویسے ہی عام تھی۔ ان کے اس کفر کی اصلیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ قسم ہے صف باندھنے والوں کی پرا جما کر۔ یعنی جن فرشتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ ہمہ وقت صف باندھے، تعمیلِ ارشاد کے لیے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ یہاں اللہ کریم نے فرشتوں کی قسم دے کر ان کا بطورِ گواہ ذکر کیا ہے اور منکرین سے کہا ہے کہ تم فرشتوں کی پوجا

کے چکر میں ہو اور وہ بارگاہِ الٰہی میں صف بستہ کھڑے ہیں کہ ارشاد ہو تو تعمیل کریں۔

فرشتوں کی مختلف اقسام اور ان کے مختلف فرائض ارشاد فرمائے تاکہ انسانوں پر حقیقت واضح ہو اور وہ ہدایت پاسکیں۔ یہاں اللہ کریم نے فرشتوں کی قسم دے کر اُن کی سچائی ثابت کی کہ وہ تو اللہ کے حکم کو بجالاتے ہیں۔

فرمایا: فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ پھر ان (فرشتوں) ڈانٹ دینے والوں کی جھڑک کر۔ آسمانی دنیا میں ایسے فرشتے بھی ہیں کہ جو کفار کو، فساق وفجار کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ وہ آسمانی دنیا کو ہر طرح کی قباحت سے بچانے کی ڈیوٹی پر مامور ہیں شیاطین کو آسمانی خبروں کے لانے سے باز رکھتے ہیں۔ اور اپنا یہ کام کرتے رہتے ہیں۔

فرمایا: فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳ پھر ان کی جو ذکر (قرآن) کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ پھر اللہ نے ان فرشتوں کا ذکر فرمایا جو ہمہ وقت اللہ کا کلام دہراتے رہتے ہیں۔ اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور یہ سارے اس بات پر گواہ ہیں کہ: اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں صف بستہ حاضر فرشتے، حفاظت کرنے والے فرشتے اور ہمہ وقت تلاوت کرنے والے فرشتے سب اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی عبادت کی جائے سوائے اللہ جل شانہٗ کے۔

فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا، اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا۔

اُس کی عظمت یہ ہے کہ وہ آسمانوں، زمینوں کا ربّ ہے اور تمام مخلوقات کا بھی۔ ربّ کا معنی ہے وہ ہستی جو ہر ایک کی ہر ضرورت سے ہمہ وقت آگاہ ہو اور ہر حال میں ہر جگہ، ہر کسی کی ضرورت پوری کرنے پر قادر ہو اور پوری کرنے والا ہو۔ آسمانی دنیا کی ساری مخلوق کا ربّ بھی وہی ہے۔ ہمہ وقت ان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ وہی ان کے حال سے واقف ہے، اسی کے خزانہء قدرت میں ان کی غذا کا سامان ہے اور دوا کا بھی۔ روئے زمین کی بھی ساری مخلوق کی ساری ضروریات وہی بہم پہنچاتا ہے۔ اسی نے زمین اور زمین پر بسنے والی ساری مخلوق کو قائم رکھا ہوا ہے اور جس کو جو چیز جس وقت چاہے اپنی بارگاہ سے مہیا فرماتا ہے۔ آسمانی مخلوق ہو یا زمینی سب کا ربّ وہ اکیلا ہی ہے۔ سب کی ضرورتیں وہ اکیلا ہی پوری فرمارہا ہے۔ وہی مشارق کا بھی پروردگار ہے۔

مشارق جمع کا صیغہ ہے اور یہ اس لیے آیا ہے کہ سورج روز ایک جگہ سے طلوع نہیں ہوتا۔ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ اوقات بدلتے رہتے ہیں اور طلوع کی جگہ بھی بدلتی رہتی ہے۔ روئے زمین کے گرد اس کی گردش ایسی ہے کہ کہیں نہ کہیں طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ کہیں نہ کہیں غروب ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بے شمار مشارق ہیں۔ اس نظام کا

اکیلا مالک صرف اللہ جلّ شانہٗ ہے۔ سورج کس لمحے کس جگہ طلوع ہوگا۔ کتنی حرارت اور روشنی کس علاقے پر پہنچاتی ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس سارے نظام کا مالک وہ اکیلا ہے۔

فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿٦﴾ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمایا۔

آسمان کو اللہ کریم نے ستاروں سے سجا دیا ہے جو دور سے ایسے لگتے ہیں کہ سینۂ آسمان پہ ٹانکے ہوئے ہوں۔ یہ آسمان کی زینت ہیں، خوبصورتی ہیں اور حسن ہیں۔ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، کوئی نہیں جانتا۔ ایک کہکشاں میں کتنے ستارے ہیں یہ گننا بھی محال ہے تو کہکشائیں کتنی ہیں؟ کتنی دریافت ہو چکی ہیں، کتنی باقی ہیں، کوئی نہیں جانتا۔ یہ اُس کی وسیع کائنات ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے جہاں یہ آسمان کی زینت بنائے گئے ہیں وہاں ان سے حفاظت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

فرمایا: وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿٧﴾ اور ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت فرمائی۔ یہی ستارے ہر سرکش شیطان سے آسمانوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں، جب شیطان راندۂ درگاہ کر دیا گیا تو پھر اُس کا آسمانوں پر جانا بند ہو گیا لیکن اس کی اولاد، شیاطین اور بعض جنات آسمان کے قریب چلے جاتے وہاں انہوں نے اپنے بیٹھنے کی جگہیں بنائی ہوئی تھیں۔ احکامِ الٰہی آتے، فرشتے آپس میں باتیں کرتے تو اِن میں سے کوئی سن گن پا کر، ایک آدھ جملہ لے اڑتا، پھر زمین پر آ کر نجومیوں، کاہنوں، جادوگروں کو اور جو اُن کے پجاری تھے انہیں بتاتا۔ اوّل تو بتانے والا اس ایک آدھ جملے میں دس بیس جملے اپنے پاس سے گھڑ کر شامل کر دیتا پھر سننے والے اس سے کہانی بنا لیتے اور یوں جھوٹ گھڑ کر، ملا کر لوگوں کو بتاتا۔ لوگ اُن کی پوجا کرتے، سجدے کرتے اور بہت سامال و دولت بھی دیتے۔

بعثتِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شیاطین جنات کا بھی آسمان پر داخلہ بند کر دیا گیا۔ اور انہی ستاروں کی ذمہ داری شیاطین کو روکنے کی بھی لگا دی گئی۔ اس طرح وہ چوری چھپے جو سُن گُن پا لیتے تھے وہ ختم ہو گئی۔ انہی ستاروں سے جو آسمان کی زینت تھے، حفاظتی توپ خانے کا کام بھی لیا جانے لگا کہ جو شیطان وہاں بات سننے جاتا تو اس پر ایک شعلہ لپکتا اور اسے جلا کر رکھ دیتا۔ فرمایا: لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿٨﴾ کہ عالم بالا کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ اور: دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿٩﴾ (وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کو دائمی عذاب ہوگا۔

کوئی ذرا سا کان لگا کر سننے کی کوشش کرے تو ہر جانب سے شعلے لپکتے ہیں اور وہاں سے انہیں بھگا دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کے کان میں کوئی چھوٹی سی بات بھی پڑ جائے تو وہ زمین تک نہیں پہنچا سکتا اس پر

شہاب ثاقب لپکتا ہے اور جلا دیتا ہے۔

فرمایا: اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ مگر جو (شیطان، فرشتوں کی) کسی چھوٹی سی بات کو جھپٹ لینا چاہتا ہے تو جلتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگتا ہے۔ آسمانوں کی وسعتوں میں شہابِ ثاقب پہلے بھی تھے۔ بعثتِ عالی کے بعد ان سے یہ کام لیا جانے لگا۔ جنات کے اسلام لانے کا واقعہ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی کہ جنات میں یہ سوال پیدا ہوا کہ پہلے ہم آسمان کے قریب چلے جاتے تھے لیکن اب کوئی نزدیک بھی نہیں جانے دیتا۔ کیا تبدیلی آئی ہے کہ ہمیں روک دیا گیا ہے؟ تو وہ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے ہر طرف پھیل گئے۔ اُن میں سے کچھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو وہ قرآنِ کریم کی تلاوت سننے لگ گئے اور انہوں نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ ہمیں آسمانوں کے قریب بھی جانے سے روک دیا گیا ہے۔ وہ جنات ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں واپس جا کر باقی جنات میں بھی اسلام کی تبلیغ کی۔ مکہ مکرمہ میں اس جگہ پر جو مسجد ہے اُسے مسجدِ جّن کہتے ہیں۔

سیّدِ جّن:

ایک مرتبہ بات ہوئی تھی کہ فلاں جّن سید ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سیّد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد کو کہتے ہیں تو جنات میں سیّد کہاں آ گئے! بتایا گیا تھا کہ وہ جّن جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوتِ قرآن کریم سن کر ایمان لائے اور دین کی تبلیغ کی۔ اُن اوّل اسلام لانے والوں کی اولاد کو جّن سیّد کہتے ہیں۔

فرمایا: فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَهُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ سو ان سے پوچھیے کیا اُن کا پیدا کرنا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے پیدا فرمائی ہے؟ بے شک ان لوگوں کو ہم نے چپکتے گارے سے پیدا فرمایا ہے۔ ذرا ان سے پوچھیے کہ اتنی وسیع کائنات بنانا مشکل ہے یا تمہیں زندہ کرنا؟ انہیں تو ہم نے گارے سے پیدا کیا۔ مختلف مراحل میں مختلف شکلیں دیں، اُسے مادّے کی شکل دی پھر اسے انسان بنا دیا۔

دنیا میں سب سے واضح، اللہ کی واحدانیت ہے:

فرمایا: بَلۡ عَجِبۡتَ وَيَسۡخَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں اور یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کی عظمت پر دلائل پیش فرماتے تھے اور یہ منکرین آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مذاق اڑاتے تھے۔ فرمایا! آپ ان کی سوچ اور فکر پر تعجب کرتے ہیں۔ یہ عظمتِ باری سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں سب سے واضح، سب سے زیادہ روشن، ہر جگہ ظاہر، اللہ کی واحدانیت اور اس کی عظمت ہے۔ کائنات میں اس کی عظمت کی

نشانیاں ہر جگہ بکھری نظر آتی ہیں۔ پتا پتا، ڈالی، ڈالی عظمت باری پر گواہ ہے۔ کسی شئے کو بھی دیکھو تو اس کے بنانے والے کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ گھاس کے ایک تنکے میں بھی اللہ نے جو خصوصیات رکھ دی ہیں ان خصوصیات کا حامل کوئی نہیں بنا سکتا۔ ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، غرض کُل کائنات اس کی عظمت کی گواہ ہے۔ یعنی دنیا میں سب سے زیادہ واضح چیز عظمتِ الٰہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اس لیے تعجب فرماتے ہیں کہ اتنی واضح چیز کو یہ قبول نہیں کرتے؟ سورج نکلا، دن ہو گیا۔ اُسے مان لیتے ہیں۔ سورج کو کس نے بنایا، اس سے دن کیسے ہو گیا، اس کو تاریکی دور کرنے کی خصوصیت کس نے دی؟ اس میں اتنی تمازت کس نے رکھ دی کہ یہ سارے جہاں کو گرمائے رکھتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ دن کو مانتے ہو، سورج کو مانتے ہو اور اس کے بنانے والے کو نہیں مانتے؟ کائنات میں جا بجا عظمتِ الٰہی کی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ سب سے واضح حقیقت عظمتِ الٰہی کی یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ سب کا مالک، سب کا رازق ہے۔ اس بڑی حقیقت کو سمجھانے کے لیے اللہ نے انبیاؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ امام الانبیاؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرما کر اپنی نعمتیں تمام کر دیں پھر بھی منکرین کی سمجھ میں یہ واضح حقیقت نہیں آتی!

اس لیے کہ ان کی یہ حقیقت شناس آنکھ یعنی بصیرت تو بند ہے۔ یہ تو مادّی لذات میں ہی کھوئے ہوئے ہیں۔ صبح و شام میں ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ کھانے پینے، دولتِ دنیا، اقتدار کے چکر میں انہیں اور کچھ نظر ہی نہیں آ رہا۔

ظاہری آنکھ کی بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک کے دو، دو نظر آتے ہیں۔ آنکھوں کے دونوں طرف چند پٹھے ہوتے ہیں جو آنکھ کو دائیں بائیں گھماتے ہیں۔ ان میں کمزوری آ جائے، آنکھ کے ڈھیلے میں نقص پیدا ہو جائے تو دو نظر آتے ہیں۔ اسی طرح انسانی علم کے ذرائع جب بگڑتے ہیں تو اس کی معلومات بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ جب کفر کا، گناہوں کا پردہ پڑتا ہے تو پھر عظمتِ الٰہی نظر نہیں آتی۔ پھر صرف دنیا اور دنیوی فائدے نظر آتے ہیں۔ فرمایا: وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں۔

کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا مذاق اڑاتے تھے کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہے اور وہ ہر ایک کا خالق ہے، وہی سب کے کام کرتا ہے۔ کفار کی بدبختی کہ انہیں نصیحت کی جاتی، سمجھایا جاتا اور وہ نہیں سمجھتے۔ فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں نصیحت کرتے ہیں تو یہ آپ کی بات نہیں مانتے بلکہ جو ان کی ناقص عقل میں آتی ہے اور ان کے اس نفس میں آتی ہے جو کفر سے، گناہوں سے لتھڑ چکا ہے اس پر یقین کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پر یقین نہیں کرتے۔

ایک لطیف بات:

یہ بڑی لطیف بات ہے کہ اللہ کے نبیؑ کو جب نبیؑ مان لیا جائے تو پھر یہ بات ایمان کا حصّہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو فرمایا وہی سچ ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی بات کرے وہ غلط ہے۔ کوئی دانشور کرے، کوئی فلاسفر کرے۔ کوئی عقل مند، محقق یا سائنسدان کرے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے خلاف کہے وہ غلط ہے۔ کسی کی بات چھوڑو، ہماری اپنی عقل کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو عقل غلط ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احکامِ شرعی ہماری سمجھ میں نہ آئیں لیکن سمجھنا بعد کی بات ہے۔ پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر یقین کا آجانا ضروری ہے۔ دلی یقین، اعتماد اور بھروسہ ہی تو ایمان ہے۔ قرآنِ حکیم میں ایک جگہ آتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو لوگوں کو حکم دے دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کردو ہم تمہارا اسلام قبول کرلیں گے تو فرمایا، بہت تھوڑے لوگ ہوتے جو ایمان کی خاطر خود اپنے سینے میں خنجر گھونپ دیتے یا اپنی گردنیں کاٹ دیتے لیکن فائدے میں وہی رہتے جو گردنیں کاٹ دیتے۔ ہدایت انہی کو نصیب ہوتی۔ عقل اس فلسفے کو نہیں سمجھ سکتی۔ فرمایا، یہ میری مرضی جو حکم میں دے دیتا لیکن اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ دنیا کی کسی نعمت کو استعمال کرنے سے نہیں روکا ہاں! اس نعمت کے حصول اور اس کو استعمال کرنے کی ہدایات دی ہیں کہ شریعت کے مطابق کرو۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ جب نبیؑ پر ایمان لے آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے بعد کسی اور کی بات کی کوئی اہمیت نہ رہے۔

یہ کفر کا شیوہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پر یقین نہیں کرتے، نصیحت نہیں پکڑتے۔ اپنی عقل پر رہتے ہیں جبکہ ان کی عقلیں ماؤف ہوچکی ہیں۔ کفر و شرک کے سبب آلودہ ہوچکی ہیں۔ یہ آپ کے دلائل کا مذاق اڑاتے ہیں اور: وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں: وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے۔ یعنی جب ان کے سامنے بطور دلیل کسی معجزے کا اظہار ہوتا ہے تو مذاق اڑاتے ہیں، کہتے ہیں یہ تو شعبدہ بازی ہے، یہ تو جادوگری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات، ارشادات اور کلامِ الٰہی، اللہ کے قرآن کے بارے کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ تو بس جادو ہے۔

کہتے ہیں: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم (پھر) زندہ کیے جائیں گے۔ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟

وہ اللہ کی قدرت پر یقین نہیں رکھتے۔ انہیں یقینِ آخرت نہیں ہے اس لیے کہتے ہیں جب ایک بندہ مرگیا اس کا وجود گل سڑ گیا، ہڈیاں خاک میں مل گئیں تو کیسے دوبارہ زندہ ہوگا! کوئی وجود آگ میں جل گیا، کسی کو درندے کھا

گئے، کوئی سمندروں میں غرق ہو گیا تو پھر یہ کیسے زندہ ہوں گے اور ہمارے باپ دادا مر کھپ چکے وہ آج تک زندہ نہیں ہوئے تو مرنے کے بعد کسی کو کون زندہ کرے گا؟

اس کے بارے گزشتہ آیات میں دلائل گزر چکے ہیں۔ تخلیق اوّل اور دوبارہ تخلیق زیرِ بحث آ چکی ہے۔

یہاں اس کا جواب یوں دیا گیا: قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فرما دیجیے کہ ہاں! اور تم ذلیل بھی ہو گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا گیا کہ آپ انہیں بتا دیجیے کہ یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ صرف یہی نہیں کہ تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے بلکہ تم ذلیل بھی ہو گے۔ جب دوبارہ زندہ ہو گے تو کفر پر خاتمے اور شرک اور برائی پر خاتمے کی وجہ سے تم رسوا بھی ہو گے اور تمہیں ذلیل بھی کیا جائے گا۔

جب میدانِ حشر میں کھڑے ہوں گے تو پھر انہیں سمجھ آ جائے گی۔ فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ پس یہ تو ایک زوردار آواز ہو گی پھر یکدم دیکھنے لگیں گے: وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ اور کہیں گے وائے ہماری بدبختی! یہ تو وہی روزِ جزا ہے۔

جب دوبارہ زندہ ہوں گے، میدانِ حشر میں کھڑے ہوں گے، ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے۔ اپنے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہماری بدبختی، ہماری بدنصیبی کہ قیامت کا دن آ گیا۔ جب ہم دنیا میں تھے تو ہمارے پاس مہلت تھی۔ اس میں ہم ان کا مذاق اڑاتے رہے کہ یہ تو قصے کہانیاں ہیں لیکن یہ تو سچ ہو گیا اور ہم تباہ ہو گئے تو ارشاد ہو گا: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ (ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

کفار سے خطاب ہے۔ کفار نے ہر نصیحت کے جواب میں انکار ہی کیا اور اس انجام کو پہنچے۔ اللہ مسلمانوں کو اس انجام سے بچائے۔ قرآن ہمیں کفار و مشرکین کے حالات اور ان کے انجام سے آگاہ کرتا ہے تاکہ ہم اس راستے پر چلنے سے باز رہیں جس کا انجام ذلت و رسوائی ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ کبھی تو آدمی علی الاعلان انکار کر دیتا ہے یا اُسے جھٹلاتا ہے لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ بندے میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ سیدھا سیدھا انکار کر دے اس کا عمل اور کردار بتاتا ہے کہ اسے قیامت پر یقین نہیں۔ جب وہ کسی کا مال کھا لیتا ہے، رشوت لیتا ہے، بددیانتی کرتا ہے تو اسے قیامت پر یقین نہیں ہوتا ورنہ اس کے تو علم میں ہے کہ یہ مال حرام ہے۔ میں حرام کماؤں گا تو اس کا اثر مجھ پر ہو گا۔ اولاد کو حرام سے پالوں گا تو اُن کا کردار کیا بنے گا! میں قبر میں کیا جواب دوں گا؟ روزِ محشر مجھ سے پوچھا جائے گا تو اس ایک بات پر کتنے سوال بنیں گے کہ تُو نے دوسرے کا حق چھینا، اولاد کو حرام کھلا کر اُن کی عاقبت برباد کر دی، انہیں دین سے دور کر دیا؟ یوں بندے کا عمل یہ بتاتا ہے کہ اسے قیامت پر یقین نہیں۔

گناہ اس بندے سے بھی ہوسکتا ہے جس کو قیامت پر یقین ہو۔ غلطی ہو جانا انسانی کمزوری ہے لیکن جسے قیامت پر یقین ہو وہ فوراً رجوع الی اللہ کرتا ہے۔ غلطی ہو جائے تو توبہ کرتا ہے۔ اس کا کفارہ ادا کرتا ہے آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی غلطیوں کے لیے اللہ سے معافی کا طلبگار رہتا ہے۔

کافر تو خیر زبانی بھی انکار کرتا ہے اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائیں ہمارے کردار سے تو ایسا لگتا ہے کہ ہمیں بھی آخرت کا کوئی یقین نہیں۔ جب ہم گناہ کر کے اُن پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اتنے لوگوں سے دولت بٹور لی، اتنی Corruption کر لی اور کسی نے کیا بگاڑ لیا؟ کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ بھلے پولیس کو پتا نہ چلے، اداروں کو خبر نہ ہو لیکن جس نے حساب لینا ہے اُسے تو پتا ہے۔ اس سے تو تم چھپ نہیں سکتے۔

قرآن کو سننے پڑھنے والے صرف اس بات پر نہ رہیں کہ یہ کافر و مشرک کی بات ہی ہو رہی ہے جو زبانی انکار کرتے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے کہ اس روش سے بچو۔ فیصلے کے دن سب سے باز پُرس ہوگی۔ جس نے صاف انکار کیا اس سے بھی اور جس نے کلمہ پڑھ کر عملاً نافرمانی کی روش اپنا لی اور کبھی توبہ نہیں کی، اصلاحِ احوال نہیں کی، اس سے بھی ہوگی۔

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں، توبہ کی توفیق دیں، توبہ قبول فرمائیں، نیکی کی توفیق دیں۔ ہمیں گناہوں اور جرائم کے ارتکاب سے بچائیں اور خاتمہ بالایمان فرمائیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 2 آیات 22 تا 74

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا
تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ
تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا
طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا
غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾
وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ
مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ
مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ
لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ
الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ

الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ
اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ
لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾
اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ
شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ
اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ
مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾
ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾
فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾

جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو جمع کرلو اور ان کے ہم مشربوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے ﴿۲۲﴾ اللہ کے سوا۔ پھر ان کو جہنم کے رستے پہ چلا دو ﴿۲۳﴾ اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا ﴿۲۴﴾ کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ﴿۲۵﴾ بلکہ وہ سب کے سب اس روز سرافگندہ (کھڑے) ہوں گے ﴿۲۶﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے ﴿۲۷﴾ وہ بولیں گے یقیناً تم ہی ہمارے پاس دائیں طرف سے آیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ وہ کہیں گے بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے ﴿۲۹﴾ اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے ﴿۳۰﴾ سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی بے شک اب ہم (عذاب کا مزہ) چکھیں گے ﴿۳۱﴾ پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ

ہم خود بھی گمراہ تھے ﴿۳۲﴾ تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے ﴿۳۳﴾ بے شک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ یقیناً وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے ﴿۳۵﴾ اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعرِ دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ ﴿۳۶﴾ بلکہ (وہ تو) ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیغمبروں کی تصدیق فرماتے ہیں ﴿۳۷﴾ بلاشبہ تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا ﴿۳۸﴾ اور تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے تم کام کیا کرتے تھے ﴿۳۹﴾ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں ﴿۴۰﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے رزق مقرر ہے ﴿۴۱﴾ (یعنی) پھل، اور ان کا اعزاز کیا جائے گا ﴿۴۲﴾ نعمت کے باغوں میں ﴿۴۳﴾ تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) ہوں گے ﴿۴۴﴾ ان میں لطیف مشروب کا دور چل رہا ہوگا ﴿۴۵﴾ (جو) سفید رنگ کا (اور) پینے والوں کے لیے بہت مزیدار ہوگا ﴿۴۶﴾ نہ اس میں سر بھاری ہوگا اور نہ اس سے ان کی عقل میں فتور آئے گا ﴿۴۷﴾ اور ان کے پاس حوریں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی (اور) آنکھیں بڑی بڑی ﴿۴۸﴾ گویا وہ محفوظ انڈے ہیں ﴿۴۹﴾ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر پوچھیں گے ﴿۵۰﴾ ان میں سے ایک کہے گا (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا ﴿۵۱﴾ کہا کرتا تھا بھلا تم بھی ایسی باتوں کو ماننے والے ہو ﴿۵۲﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو بدلہ ملے گا؟ ﴿۵۳﴾ ارشاد ہوگا کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو ﴿۵۴﴾ سو وہ جھانکے گا تو اس کو جہنم کے درمیان دیکھے گا ﴿۵۵﴾ کہے گا اللہ کی قسم تُو تو مجھے تباہ ہی کرنے والا تھا ﴿۵۶﴾ اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا ﴿۵۷﴾ سو کیا یہ نہیں کہ ہم آئندہ کبھی مرنے کے نہیں ﴿۵۸﴾ ہاں جو پہلی بار مرنا تھا (سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہ ہوگا ﴿۵۹﴾ بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۶۰﴾ ایسی ہی

(کامیابی) کے لیے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے ﴿۶۱﴾ بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا تھوہر کا درخت ﴿۶۲﴾ بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے عذاب کا سبب بنایا ﴿۶۳﴾ یقیناً وہ ایک درخت ہے کہ قعرِ دوزخ سے نکلتا ہے ﴿۶۴﴾ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے کہ وہ شیطانوں کے سر ﴿۶۵﴾ سو یہ لوگ اس میں سے کھائیں گے پھر اُسی سے پیٹ بھریں گے ﴿۶۶﴾ پھر یقیناً اس کے ساتھ ان کو گرم پانی (پیپ) ملا کر دیا جائے گا ﴿۶۷﴾ پھر یقیناً ان کو دوزخ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا ﴿۶۸﴾ کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا ﴿۶۹﴾ پھر یہ ان ہی کے نقش قدم پر بڑی تیزی سے چلتے رہے ﴿۷۰﴾ اور یقیناً ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں ﴿۷۱﴾ اور بے شک ہم نے ان میں ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے ﴿۷۲﴾ تو دیکھ لیجیے جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا ﴿۷۳﴾ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے ﴿۷۴﴾

تفسیر ومعارف

میدانِ حشر کا تذکرہ جاری ہے۔ یہاں اس کے مختلف پہلو ارشاد ہوتے ہیں۔ جس رخ سے پردہ ہٹایا جا رہا ہے وہ یہ ہے۔ فرمایا: اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ وَمَا كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ﴿۲۲﴾ جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو جمع کر لو اور ان کے ہم مشربوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔۔۔اللہ کے سوا۔

تین طبقے:

یہاں تین طبقوں کا ذکر فرمایا گیا۔ پہلا طبقہ ان لوگوں کا جو اللہ کے بجائے دوسروں کو معبود مانتے تھے۔ کفر کرنے والے۔ شرک کرنے والے۔ دوسرا طبقہ اُن ظالموں کے ہم مشرب لوگوں کا ہے۔ یہاں اَزۡوَاجَهُمۡ کا ترجمہ ہم مشرب کیا جائے تو مناسب رہے گا یعنی وہ لوگ جو اُن کے رفیقِ کار تھے۔ تیسرا طبقہ ان معبودانِ باطلہ، بتوں وغیرہ کا جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ یہ تین طبقے جمع کیے جائیں گے۔

پہلا طبقہ ظلم کرنے والوں کا۔ کسی دوسرے سے زیادتی کرنا بھی ظلم کہلاتا ہے لیکن اپنے آپ پر زیادتی کرنا

بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ انہیں ظالم قرار دے رہے ہیں جنہوں نے کفر وشرک اختیار کیا۔ غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کیں، انبیا علیہم السلام پر ایمان نہ لائے اور زندگی اسی میں ضائع کر دی۔

دوسرا طبقہ پہلے طبقے کے ہم خیال لوگوں کا ہے۔ جو ان کے ساتھ میل جول رکھنے والے، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے، ان جیسا سوچنے والے، ان کے کردار اور عقائد ونظریات میں ان کے ساتھ شامل ہونے والے تھے۔ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ وہیں دوستی رکھتا ہے۔ وہ وہیں جانا پسند کرتا ہے۔ وہیں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ جہاں اس کی پسند کی بات ہوتی ہیں۔ جہاں اس کی منشا کے خلاف ہو رہا ہو، وہ وہاں جانا پسند نہیں کرتا۔ وہاں اس کا دوستی کا تعلق نہیں نبھتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جو کفار ومشرکین کے ہم مشرب تھے وہ بھی کفر وشرک اور برائی کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا اس میں ملوث تھے۔ اسی لیے ان کی اُن کے ساتھ دوستی تھی۔

تیسرا طبقہ معبودانِ باطلہ کا ہوگا۔ پتھروں کے بُت، آرزوؤں اور خواہشات کے بت، طرح طرح کے بت، سب کو جمع کیا جائے گا۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسے بھی تھا کہ فرشتوں کو پوجا جاتا تھا بعض نیک لوگوں کی عبادت بھی کی جاتی تھی جو اس دنیا سے گزر چکے تھے اور انبیاؑ کی پوجا کرنے والے بھی تھے۔ جیسے حضرت عزیز علیہ السلام کو یہودیوں نے اللہ کا بیٹا قرار دے دیا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اللہ کا بیٹا سمجھ رکھا تھا اور اُن انبیاؑ کی پرستش شروع کر دی تھی تو اُن کے بارے اللہ کریم نے قرآن میں دوسری جگہ فیصلہ دے دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔ اور جب اللہ فرمائیں گے، اے عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام)! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ دونوں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔

آپؑ عرض کریں گے کہ بارِالٰہا! قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ۔۔۔ آپ پاک ہیں مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں (لوگوں سے) ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں: اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔۔۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کی بات جانتے ہیں اور جو آپ کے جی (علم) میں ہے میں نہیں جانتا یقیناً آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں ان میں موجود رہا میں نے وہی کہا جس کا اے میرے ربّ آپ کی طرف

سے حکم ہوا۔ میرے بعد آپ ان پر شاہد عادل تھے۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے کیا کہا۔

اس طرح انبیاؑ اور جن نیک لوگوں کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے اُن کے بارے تو اللہ کریم نے فیصلہ فرما دیا۔ باقی رہ گئے بُت تو گویا اس آیہ ءکریمہ میں بیان کردہ تیسرا طبقہ اُن بتوں کا ہوگا جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔

ایک مشاہدہ:

استاذی المکرم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ہمارے ایک ساتھی نے عرض کی کہ حضرت میں کسی کام سے لاہور گیا۔ کام سے فارغ ہوا تو علی ہجویریؒ المعروف داتا صاحب کے مزار پر فاتحہ پیش کرنے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں۔ کوئی دیوار سے ماتھا رگڑ رہا ہے تو کوئی ایسا ہی کچھ کر رہا ہے۔ میں نے سلام پیش کیا۔ انہوں نے مجھ پر بڑی شفقت فرمائی۔ میں نے عرض کیا، آپ کے مزار پر لوگ شرک کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، اب یہ تمہارا کام ہے۔ ہم اس کام سے فارغ ہیں۔ اس ساتھی نے پوچھا، حضرت! مجھے اس کی سمجھ نہیں آئی۔ حضرت جیؒ مسکرائے اور فرمایا، انہوں نے صحیح فرمایا ہے۔ جب تک وہ دنیا میں تھے وہ دینِ حق کی تبلیغ کرتے رہے اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں۔ اب وہ مکلف نہیں ہیں۔ اب ہم مکلف ہیں جو دنیا میں موجود ہیں۔ انہیں روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہی بات اللہ کے سارے نیک بندوں پر صادق آتی ہے۔ وہ کبھی نہیں کہتے کہ ان کی پوجا کی جائے۔

فرمایا، جب ظالموں کے تینوں طبقے یکجا کر دیے جائیں گے تو حکم ہوگا: مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ پھر ان کو جہنم کے رستے پر چلا دو۔ چونکہ یہ سارے ایک ہی سوچ، خیال اور فکر کے لوگ تھے ان کا کردار بھی ایک جیسا تھا لہٰذا ان کے لیے حکم ہوگا کہ سب کو ان کے معبودوں سمیت جہنم میں لے جاؤ۔ جب فرشتے انہیں دوزخ کی طرف ہانکنے لگیں گے تو ارشادِ باری ہوگا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور اُن کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

پتھروں، آرزوں اور خواہشات کے بتوں کی پوجا کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم ان کی عبادت کرتے رہے۔ آج انہیں چاہیے کہ تمہیں اس مصیبت سے بچائیں۔ تمہاری مدد کریں، تمہارے کام آئیں۔ پھر تم کس بات کی عبادت کرتے رہے ہو! آج تو تم بھی رسوا ہو اور تمہارے معبود بھی دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ دنیا میں تو تم ان کی دوستی کے دعویدار تھے۔ یہ تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عزیز تھے۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ اللہ فرماتے ہیں ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا: بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ آج یہ سر جھکائے ایسے کھڑے ہوں گے جیسے ان کے جیسا تو کوئی فرماں بردار ہی نہیں لیکن اب عمل

کا وقت ختم ہو چکا۔ اب جزا کا دور شروع ہو گیا۔ اب مان کر کھڑے ہوں تو اس ماننے کا کیا فائدہ۔ پھر: وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔

بدعقیدہ اور بدکاروں کی دوستی تباہی کا راستہ ہے:

یہ بدعقیدہ اور بدکار جو دنیا میں ایک دوسرے کے دوست تھے آج ایک دوسرے پر طعن کر رہے ہوں گے۔ اُن کے پیشوا، لیڈر انہیں ملامت کریں گے اور پیروی کرنے والے اُن پیشواؤں کو بُرا بھلا کہیں گے۔ اسی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بدکاروں کی دوستی باتوں باتوں میں تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

اُن کے جو راہنما بنے ہوئے تھے اور انہیں ترغیب دیتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات نہ مانو کہ یہ تو ناممکن باتیں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جب فرماتے تھے کہ حق غالب ہوگا تو یہ منکرین اپنے پیروکاروں سے کہتے تھے کہ یہ ایک بندہ ہے جس کے ساتھ چند غریب غرباء ہیں اور یہ کہتے ہیں دین کا غلبہ ہوگا تو یہ پاگلوں والی بات ہے۔ اُس وقت کے ظاہری حالات یہی تھے کہ روم ایک سپر پاور موجود تھی اور ایران دوسری عالمی طور پر مانی ہوئی طاقت موجود تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین پر آبادی ہوئی تو پہلی بادشاہت کسریٰ ایران کی بنی اور تب سے لے کر بعثت عالی کے زمانے تک حکومت اسی خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ یہ آتش پرست تھے۔ جس جگہ ہزاروں سال مسلسل آگ جلتی رہے وہاں آگ میں ہی ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے جسے سمندر کہتے ہیں۔ یہ کیڑا کسریٰ کے آتشکدے میں تھا۔

جب بعثتِ عالی ہوئی، اس قدر وسائل، خزانے اور لشکر رکھنے والی یہ دونوں حکومتیں عالمی طاقتیں تھیں اور تمام روئے زمین پر کفر چھایا ہوا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمادیا کہ حق صرف اللہ کا دین ہے اور باقی سب باطل ہے۔ حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا لہٰذا دینِ حق ہی غالب آئے گا۔ اس پر منکرین کہتے رہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ناممکنات میں سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا انکار ہی کرتے رہے بالآخر جہنم جا پہنچے۔ وہاں پہنچ کر یہ مکالمہ ہوگا کہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔

فرمایا: قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۲۸﴾ وہ بولیں گے یقیناً تم ہی ہمارے پاس دائیں طرف سے آیا کرتے تھے یعنی عوام اپنے لیڈروں سے پوچھیں گے کہ تم تو کہتے تھے کہ دینِ حق پیش کرنے والے تو پاگل لوگ ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، وہ ناممکنات میں سے ہے۔ اب بتاؤ کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آج ہمیں کوئی مشورہ ہی دو، ہماری کچھ تو مدد کرو۔ وہ لیڈر کہیں گے: قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وہ کہیں گے بلکہ تم خود ہی ایمان

نہیں لائے تھے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ اور ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔

لیڈر کہیں گے کہ بنیادی طور پر تم خود ہی بے ایمان تھے۔ تمہارے اندر ایمان نہیں تھا، کفر ہی بھرا ہوا تھا۔ تمہیں ہماری باتیں پسند آتی تھیں۔ تمہارے اندر ایمان ہوتا تو تم ہمارے دھوکے میں کیوں آتے؟ دراصل تمہیں بھی یہی باتیں پسند تھیں۔ اندر سے تم بھی کھوٹے تھے۔ کھرے ہوتے تو ہماری بات کیوں سنتے؟ ہمارے پاس کوئی قوت تو نہیں تھی کہ ہم تمہیں پکڑ کر لے آتے۔ بنیادی طور پر تم سرکش لوگ تھے۔ معاشرے کے بگڑے ہوئے، بے دین، بدکردار، تم اپنی چاہت سے ہمارے پیچھے چلے کیونکہ تمہیں بھی ہمارا کفر یہ اندازِ زندگی ہی پسند تھا۔

علمائے حق فرماتے ہیں:

اس آیت کے تحت علمائے حق فرماتے ہیں کہ اپنا دینی راہنما، شیخ پیر بنانے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اُس کا اپنا عقیدہ صحیح ہو۔ ہم کسی بدعقیدہ کو اپنا مُرشد بنالیں تو اس کے پیچھے چل کر ہمارا عقیدہ بھی تباہ ہو جائے گا۔

ہمیں کسی بدعقیدہ کو اپنا سیاسی لیڈر بھی نہیں بنانا چاہیے۔ جس کا اپنا عقیدہ درست نہیں ہوگا وہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہی میں لے جائے گا۔ ہمارے ہاں دونوں شعبوں میں کوئی یہ نہیں دیکھتا۔ جو چادر اوڑھ کر بیٹھ جائے اسے لوگ پیر مان لیتے ہیں اور جو سٹیج پر کھڑا ہو کر دھواں دار تقریر کر لے، پیسے خرچ کرے، کھانا کھلا دے، وہی عوام کا لیڈر ہو جاتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ پیر بنانا ہو یا سیاسی راہنما دونوں کا عقیدہ درست ہونا ضروری ہے۔ کل بارگاہِ الوہیت میں اس انتخاب کی جوابدہی ہوگی۔ غلط اور بدعقیدہ لیڈر یہی کچھ کہیں گے۔ اللہ علیمٌ بذات الصدور آج بتا رہے ہیں کہ گمراہ لیڈر کل میدانِ حشر میں اپنے پیروکاروں کو کہیں گے کہ ہم نے تقریریں جھاڑ کر تمہیں دھوکہ دیا لیکن تم ہمارے دھوکے میں کیوں آئے؟ دراصل تم خود بے ایمان تھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بندہ بات بھی ویسی سنتا ہے جیسا اس کا مزاج ہوتا ہے۔ آج وطنِ عزیز کی سیاست میں ایک نیا رواج در آیا ہے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں اکٹھے کیے، اچھلنا، کودنا، ناچنا شروع کروادیا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن خواتین میں حیا ہے، جن مردوں میں غیرت ہے، انہیں زبردستی پکڑ کر ان جلسوں میں ناچنے کے لیے کوئی نہیں لے جاتا۔ وہی جاتے ہیں جو ناچنا کودنا پسند کرتے ہیں۔ وہی جاتے ہیں جو ناچ گانا دیکھنا اور سننا چاہتے ہیں۔ یہ بیماری بنیادی طور پر اُن کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ اسی بات کو یہی لیڈران میدان حشر میں دہرائیں گے کہ ہم تو تمہیں بے حیائی کی طرف بلانے کا سبب بن گئے لیکن اصل بیماری خود تمہارے اندر تھی ورنہ ہم تمہیں زبردستی پکڑ

کرتو اس راستے پر نہ لائے تھے۔

پھر کہیں گے، ہم تم سے الگ تو نہیں ہیں، ہم جنت نہیں جا رہے۔ اللہ کا قول ہم پر صادق آیا۔ اللہ نے ہمیں دنیا میں ہی بتا دیا تھا کہ برائی کا راستہ جہنم کو جاتا ہے۔ آج پروردگار کی بات سچ ہوگئی۔ آج ہمیں عذاب بھگتنا ہے۔ ہم نے تمہیں گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہ تھے۔ فرمایا: فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُونَ ﴿٣١﴾ سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی بے شک اب ہم (عذاب کا مزہ) چکھیں گے۔ فَأَغْوَيْنٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غٰوِينَ ﴿٣٢﴾ پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ ہم خود بھی گمراہ تھے۔

ہم خود گمراہ تھے۔ تم بتاؤ کہ تم گمراہوں کے پاس کیا لینے آئے تھے؟ جو خود کفر، شرک، برائی میں مبتلا ہو وہ تمہیں بھلا نیکی کہاں سے دے گا۔ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے۔ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ بے شک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے:

ابنِ آدم کو انسان بنا کر اللہ کریم نے عجیب مقام دے دیا ہے۔ یوں تو دنیا میں ہر شئے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے کو متاثر کرتی ہے۔ سورج کے طلوع و غروب سے فضا اور زمین پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سیاروں، ستاروں کے اپنے اثرات ہوتے ہیں لیکن سب سے مضبوط اثرات، کائنات پر انسان کے پڑتے ہیں۔ انسان کا کردار پوری کائنات کو متاثر کرتا ہے کیونکہ اسے اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ جب ہم کوئی نیک کام کرتے ہیں تو سارا ماحول اس کے نور سے متاثر ہوتا ہے۔ نیکی کی خوشبو ماحول میں پھیلتی ہے اگر ہم جھوٹ بولتے ہیں، برائی کرتے ہیں تو اس سے جو نحوست پیدا ہوتی ہے وہ پورے ماحول کو متاثر کرتی ہے۔ سارا ماحول آلودہ ہو جاتا ہے۔ غور کریں کہ جب طوفانِ نوحؑ آیا تو جانوروں پرندوں، حیوانوں نے تو کچھ نہیں کیا تھا پھر وہ ہلاک کیوں ہو گئے؟ صرف وہی باقی بچے جو کشتیٔ نوحؑ میں سوار کرائے گئے۔ اکثریت ہلاک ہوگئی ان کی ہلاکت کا سبب کیا تھا؟ اُن کی ہلاکت کا سبب انسانوں کی سرکشی تھی۔ انسان ہی ان کی تباہی کا سبب بن گیا۔ یہ اصول صرف اسی دور کے لیے نہیں تھا۔ یہی قانون آج بھی ہے۔ ہم جب گناہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی تکلیف کہاں کہاں تک پہنچے گی۔ حشر میں ہمیں اس کا جواب دینا پڑے گا تو کیا ہوگا؟ ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارے ایک گناہ کے اثرات جب کائنات میں پھیلے تو کیا کیا قیامت ٹوٹی، کس کس کو کیا کیا دکھ پہنچے۔ معاشرے میں یہ تمام اثرات پھیلے ہوئے ہیں۔ آج لوگ طرح

طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ہر دوسرا بندہ کسی نہ کسی طرح کی لوٹ مار میں مصروف ہے۔ بسوں، ٹرینوں حتیٰ کہ راہ چلتے لوگوں کو بم سے اڑا دیا جاتا ہے۔ ساری دنیا دہشت گردی کو روکنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ برائی کو کوئی نہیں روکتا۔ دہشت گردی تو برائی کا پھل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ برائی کا بیج بوئیں اور اس پر برائی کی فصل نہ آئے۔ جب معاشرے کی اقدار ہی بدل گئی ہیں تو اس کے نتائج دہشت گردی ہوگی، بیماریاں ہوں گی، افلاس ہوگا، چور بازاری ہوگی۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ وہ نتائج ہیں جو ہمارے گناہوں کی نحوست پر مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ہے اسے روکنے کی پہلی تدبیر تو یہ ہے۔ باقی ساری تدبیریں ضرور کریں لیکن بنیاد اصلاحِ معاشرہ پر رکھیں۔ اسباب ظاہری اختیار کیے جائیں لیکن دہشت گردی کو، ان وحشت ناک بیماریوں کو، اس حسرت زدہ ماحول کو بدلنے کے لیے کردار کی اصلاح بنیادی بات ہے۔

کفر و شرک پھیلانے والے لیڈر اور اُن کے پیچھے چلنے والوں کی گفتگو بیان کی گئی اور پھر ارشاد ہوا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ بے شک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ قدرت کا ایک نظام ہے۔ جو کانٹے بوتا ہے وہ کانٹے ہی کاٹتا ہے۔ جو برائی کا بیج بوتا ہے وہ دہشت گردی کی فصل ہی کاٹتا ہے۔ اور اللہ کریم کسی کے لیے اپنا نظام، اپنا طریقہ کار نہیں بدلتے۔ ان لوگوں نے کفر و شرک کے بیج بوئے، گناہ کی کھاد ڈالی، برائی کا پانی لگایا تو آج اس پر اس کا پھل آ گیا۔ وہ جہنم میں جا رہے ہیں۔

فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ یقیناً وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے: وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

جب انہیں کہا جاتا کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کا حق نہیں۔ جو اللہ کا دین بتائے صرف اسی کی بات مانی جائے گی۔ جو اللہ کے دین سے ہٹ کر کچھ بتائے اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ جب انہیں اللہ کی عبادت اور اطاعت کرنے کو کہا جاتا تھا تو یہ اکڑتے تھے اور کہتے تھے ہمارا فلاں بُت، فلاں بزرگ، فلاں حکمران ہی اس قابل ہے جس کی عبادت کی جائے۔ یہ لوگ توحیدِ باری کا انکار کرتے تھے اور اللہ کی عظمت کے منکر تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم اپنے باپ دادا کی رسومات اور صدیوں سے رائج طریقِ عبادت اس شاعر اور دیوانہ شخص کے کہنے پر چھوڑ دیں؟ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ کے چند مفلس اور غریب لوگ ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ قیصر و کسریٰ پر غالب آ جائیں گے۔ یہ تو شاعرانہ تعلّی ہے۔ کسی دیوانے کی بَڑ ہے!

ارشاد باری ہے: بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ بلکہ (وہ تو) ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیغمبروں کی تصدیق فرماتے ہیں۔

آخر حق ہی غالب ہوا۔ اللہ کے تمام رسولوں نے سچ کہا اور حق غالب ہوا۔ ہمیشہ سچا دین ہی غالب آیا۔ اللہ کے تمام رسولوں نے اپنے اپنے عہد میں جو دعویٰ کیا وہ ثابت ہوا۔ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ بلاشبہ تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا۔ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے تم کام کیا کرتے تھے۔

فرمایا، تم نے دنیا میں حق کی مخالفت کی۔ رسولوں کا انکار کرتے رہے۔ معبودانِ باطلہ سے وابستہ رہے۔ سچے دین کو جھٹلاتے رہے لہٰذا اب تمہیں دردناک عذاب بھگتنا ہوگا۔ عذاب تو ویسے ہی عذاب ہوتا ہے پھر اللہ نے مزید دردناک اور دکھ بھرا عذاب کا اضافہ فرما دیا۔ لیکن اس میں کوئی ان سے زیادتی نہیں کر رہا۔ انہیں وہی کچھ مل رہا ہے جو انہوں نے کمایا۔ یہ اُن کے اپنے کردار کا نتیجہ ہے جو سامنے آ گیا ہے۔

سیّد عبدالعزیز دباغؒ اپنے زمانے کے غوث تھے۔ 'اَلابریز' ان کی معروف کتاب ہے جس میں اُن کے ارشادات جمع کیے گئے ہیں جو اُن کے ایک شاگرد نے جمع کیے۔ وہ شاگرد خود بھی اپنے زمانے کے قطب تھے۔ اصل کتاب عربی میں ہے۔ اردو ترجمہ بھی ملتا ہے۔ اس میں آخری واقعہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شہر کے گورنر کو بادشاہ نے معزول کر دیا۔ میں اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ یہ گورنر بڑا ظالم تھا۔ اللہ نے لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائی۔ بادشاہ نے اسے معزول کر دیا ہے۔ شیخ نے تھوڑی دیر غور کیا اور فرمایا، میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لیے جہنم میں جو عذاب بن رہے ہیں اُن میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر یہ معزول ہو جاتا تو یہ عذاب رک جاتا لیکن اس کے لیے جو عذاب تیار ہو رہے ہیں، ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ تم کیسے کہتے ہو کہ وہ معزول ہو گیا۔ واقعہ کے آخر میں وہ بڑے دکھ سے لکھتے ہیں کہ دوسرے دن بادشاہ نے اسے بحال کر دیا۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ہم اپنے کردار سے ہی اپنی آخرت میں اپنے لیے آرام و آسائش کی جگہیں بنا رہے ہیں یا اپنے لیے عذاب اکٹھا کر رہے ہیں۔

اس آیہء مبارکہ میں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ جو کچھ تمہیں ملا ہے یہ تمہاری اپنی کمائی ہے۔ پھر انہیں سمجھ آئے گی کہ دنیا میں وہ برائی کے راستے پر چلنے کے لیے کتنی مشقتیں کاٹتے رہے۔ کیا ڈاکہ ڈالنا آسان کام ہے؟ کیا رشوت کوئی آرام سے دے دیتا ہے؟ کیا جھوٹی گواہیاں دینا آسان تھا؟ یقیناً ہر بُرا کام مشکل ہے۔ پولیس کا خوف۔ دن کا چین نہ رات کا سکون ہر لحہ خوف۔ اس دن اللہ کریم فرمائیں گے تم نے غلط طرف کوشش کی، اپنی قوتوں کو غلط طرف

صرف کیا اور اتنی مشقت اٹھا کر تم جہنم پہنچے۔ یہ تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مخلصین کا تذکرہ:

فرمایا: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں۔ یہ لوگ بھی اسی دنیا میں تھے۔ اسی فضا میں، اسی ماحول میں، انہی حکمرانوں کے ماتحت تھے۔ اسی دنیا میں تم بھی تھے، اسی میں یہ شب و روز گزارا کرتے تھے۔ یہ میرے مخلص بندے تھے۔ انہوں نے مجھ سے وفا کی، میری عظمت کا اقرار کیا، ان کے سجدے میری بارگاہ میں ہوتے تھے۔ وہ بھی تمہاری طرح رزق کھاتے تھے لیکن حلال کھاتے تھے، حرام نہیں کھاتے تھے۔ وہ اسی ماحول میں رہتے بستے تھے جس میں تم رہتے تھے۔ تم جھوٹ بول کر، خوشامد کر کے فائدے اٹھاتے تھے وہ دیانتداری سے کام کرتے تھے۔ تمہاری امیدیں غیر اللہ سے وابستہ تھیں، وہ اپنی اُمیدیں میری ذات سے وابستہ رکھتے تھے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے رزق مقرر ہے۔ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ (یعنی) پھل اور ان کا اعزاز کیا جائے گا نعمت کے باغوں میں۔

اُن کے لیے ہم نے ان کا بدلہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا رزق طے شدہ ہے یعنی طرح طرح کے پھل، ہر طرح کا آرام و آسائش، بہت پذیرائی اور اللہ کریم کی طرف سے عزت افزائی۔ انہوں نے دنیا میں اطاعت کی۔ اللہ کریم کے احکامات قبول کیے، خلوصِ دل سے عمل پیرا رہے۔ یہ لوگ وہیں تمہارے ساتھ تمہارے ماحول میں رہتے رہے۔ تم نے وہ کمایا، انہوں نے یہ کمایا۔

ان کا اعزاز یہ ہے: عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ ان میں لطیف مشروب کا دور چل رہا ہوگا۔ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ (جو) سفید رنگ کا (اور) پینے والوں کے لیے بہت مزیدار ہوگا۔ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ نہ اس سر بھاری ہوگا اور نہ اس سے ان کی عقل میں فتور آئے گا۔

ان لوگوں نے اللہ کی اطاعت کی، انبیاؑ کے فرمانبردار رہے، اللہ کے ساتھ وفا کی، اللہ کے دین کے ساتھ وفا کی۔ آج یہ آرام دہ رہائش گاہوں میں، بہترین باغات میں تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ پُرلطف مشروبات سے ان کی مہمانی کی جارہی ہے۔ یہ مشروب جنت کے مشروب ہیں جن سے حواس مختل نہیں ہوتے نہ صحت خراب ہوتی ہے۔ بے پناہ لذت کے حامل ہیں۔ سراسر مفید!

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ اور ان کے پاس حوریں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی (اور) آنکھیں بڑی بڑی۔ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔

حوریں:

حوریں جنت کی مخلوق ہیں جو اللہ کریم اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائے گا۔ یاد رہے! جو خواتین دنیا میں آئیں۔ جنہیں ایمان نصیب ہوا اور نیک اعمال کرتی رہیں وہ جنت جائیں گی تو اُن کے درجات حوروں سے کروڑوں درجہ زیادہ ہوں گے۔ حوریں ان کی کنیزیں ہوں گی۔ حور دنیا پر نہیں آئی، حور مکلف نہیں تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع نہیں کیا۔ وہ مخلوق ہی جنت کی ہیں۔ جو پاک نیک خواتین دنیا سے تکلیفیں سہہ کر اللہ کی عبادت واطاعت پر کاربند رہ کر جنت پہنچیں۔ اُن کا حسن حوروں سے کروڑوں گنا زیادہ ہوگا۔ وہ مالک ہوں گی اور حوریں ان کی کنیزیں ہوں گی۔

ایک واقعہ:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کا محاصرہ فرمایا ہوا تھا۔ اسی خیبر کے قلعے کا رہنے والا ایک حبشی کسی یہودی کا غلام تھا جو اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ روز وہ بکریاں لے کر قلعے سے باہر آتا اور شام کو واپس اندر چلا جاتا۔ اس نے دیکھا کہ قلعے کا محاصرہ ہو چکا ہے اور فوج سامانِ حرب کے ساتھ قلعے کے باہر موجود ہے۔ اس نے کسی مسلمان سے پوچھ لیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعوتِ حق دی ہے جس کا ان لوگوں نے انکار کر دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمن ہو چکے ہیں۔ اب مسلمانوں نے خیبر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اب جہاد ہوگا۔ اُس نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کیا فرماتے ہیں؟ بتایا گیا کہ اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ کی عبادت کرو، اللہ کی اطاعت کرو اللہ کو راضی کرو تو دنیا میں بھی عزت پاؤ گے، آخرت میں بھی انعامات پاؤ گے۔ اس شخص نے کہا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لے چلو۔ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ سیاہ فام، سادہ سا آدمی تھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کے بارے اس آدمی نے مجھے بتایا ہے اور تصدیق چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بندہ اللہ کی توحید کا قائل ہو، میری رسالت کو مانے، اللہ کی رضا کو پائے۔ اُس نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو اللہ مجھ سے بھی راضی ہوں گے، مجھے بھی انعامات عطا کریں گے؟ اور میں آپ کے مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کروں اور مارا جاؤں تو کیا میں بھی شہید ہوں گا؟ فرمایا کہ یقیناً تم بھی شہید ہوگے اور اللہ کے تمام انعامات اللہ کی رحمت سے پالو گے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور عرض کی کہ میرے پاس

یہ بکریاں ہیں جو یہودی کی امانت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تم بکریاں ہانک دو۔ اللہ کی شان! وہ ساری بکریاں قلعے کے دروازے پر اکٹھا ہو گئیں۔ پہرہ داروں نے دروازہ کھول کے اندر کر لیا۔ وہ نومسلم اسی روز جہاد میں شامل ہو گیا۔ جب شہدا کے جسد لائے گئے تو وہ بھی ان میں شامل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اسے دیکھنے کے لیے تشریف لائے لیکن پلٹ کر چلے گئے۔ عرض کی گئی کہ حضور! صلی اللہ علیہ وسلّم آپ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس کے پاس اس کی حور بیٹھی تھی تو میں حیا سے آگے نہیں گیا۔

حوریں یقیناً بہت حسین ہوں گی لیکن جو خواتین دنیا سے کامیاب اور سرخرو ہو کر جنت پہنچیں گی وہ زیادہ حسین اور بلند درجات والی ہوں گی۔

اللہ کے نیک بندے آپس میں باتیں کریں گے۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ ان میں سے ایک کہے گا (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا۔ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ کہا کرتا تھا بھلا تم بھی ایسی باتوں کو ماننے والے ہو۔ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو بدلہ ملے گا؟

اہلِ جنت آپس میں باتیں کریں گے۔ دنیا میں ملنے جلنے والوں کے بارے باتیں کریں گے۔ ایک کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ملاقاتی ہوتا تھا وہ مر کر جی اٹھنے پر حیرت کرتا تھا کہ گلی سڑی ہڈیوں سے دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا اور یہ کہ دنیا میں جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ وہ اس بات پر مجھ سے متفق نہیں ہوتا تھا کہ اللہ نے ہی انسان کو پہلے پیدا کیا وہ ایسا قادر ہے کہ مر کر مٹی میں مل جانے والوں کو بھی دوبارہ زندہ کرے گا اور ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ پانا ہوگا۔ وہ اپنے عقیدے پر رہا اور الحمدللہ میں اپنے عقیدے پر قائم رہا۔ ہم تو یہاں بہترین آسائشوں میں ہیں اور وہ پتا نہیں کہاں گیا؟

قَالَ ۔۔۔ اللہ کریم کا ارشاد ہوگا: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ سو وہ جھانکے گا تو اس کو جہنم کے درمیان دیکھے گا۔

بارگاہِ ایزدی سے ارشاد ہوگا کہ اُسے دیکھنا چاہتے ہو؟ وہ نگاہ اٹھائے گا تو اسے جہنم کے عین درمیان دیکھے گا یعنی وہاں نہ صرف اہلِ جنت کی نگاہ اتنی وسیع ہوگی کہ اہلِ جہنم کو دیکھ سکیں بلکہ اہلِ دوزخ بھی اہلِ جنت کو دیکھ سکیں گے۔ آخرت میں سب کی نگاہ تیز ہوگی۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ o (ق:22)

دوزخی اہلِ جنت کو دیکھیں گے تو اُن کے لیے یہ دیکھنا باعثِ حسرت ہوگا کہ دنیا میں ہم انہیں کم تر سمجھتے تھے

آج یہ یہاں مزے کر رہے ہیں اور اہلِ جنت کا دوزخیوں کو دیکھنا راحت کا سبب ہوگا کہ اللہ نے ہمیں دوزخ کی مصیبتوں سے بچالیا۔

کشف:

اگر دنیا میں یہ نگاہ نصیب ہو جائے تو اسے کشف کہتے ہیں۔ اخروی حیات کا یقین، کامل یقین بن جائے یا عالمِ غیب کی چیزیں نظر آجائیں تو کشف کہتے ہیں۔ کشف بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے کہ جو چیز چاہے بتادے اور جو نہ چاہے نہ بتائے۔

ہر بندے کا کشف حق نہیں ہوتا۔ نبیؑ کی شریعت کا محتاج ہوتا ہے۔ شریعت کے مطابق ہے تو درست، اس کے مطابق نہیں تو غلط ہے۔ شریعت درست ہے۔ اس بندے کا کشف غلط ہے۔ نبیؑ کے کشف کی مکلف پوری اُمت ہوتی ہے۔ ولی کا کشف صرف اس کی ذات کے لیے ہے۔ کسی دوسرے کے لیے حجت نہیں۔

فرمایا: قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ کہے گا اللہ کی قسم تُو تو مجھے تباہ کرنے والا تھا۔ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔

وہ جنتی جو اپنے ملاقاتی کو یاد کر رہا تھا جب اسے عین جہنم میں دیکھے گا تو بول اٹھے گا کہ اگر میں تیری بات سنتا تو آج میں بھی جہنم میں ہوتا۔ میں اگر جنت میں ہوں تو یہ بھی میری کوئی بہادری نہیں ہے بلکہ مجھ پر میرے ربّ کا احسان ہے۔ میرے ربّ کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی تیری طرح عذاب میں گرفتار لوگوں کے ساتھ ہوتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ سو کیا یہ نہیں کہ ہم آئندہ کبھی مرنے کے نہیں۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ ہاں جو پہلی بار مرنا تھا (سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہ ہوگا۔

جنتی کہیں گے اب ہم ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں کوئی دکھ نہیں ہے۔ سب سے بڑا ڈر تو موت ہوتی ہے۔ ہم جنت میں آگئے یہاں کوئی موت نہیں ہے۔ وہی موت تھی جس سے گزر کر ہم یہاں پہنچ گئے۔ جنت کے داخلے کے بعد نہ کسی عذاب کا ڈر رہا نہ کوئی بیماری اور دکھ۔ نہ اللہ کی ناراضگی، نہ کوئی پریشانی۔ لطف ہی لطف، مزا ہی مزا۔

بڑی کامیابی:

فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ایسی ہی (کامیابی) کے لیے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

یقیناً یہ کسی انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس دارِ دنیا سے، ان آلائشوں سے، اس جھاڑ جھنکار سے اس طرح دامن بچا کر نکل جائے۔ دُنیا پر ہی مرمٹ جانے والے اُسے بڑا خوش قسمت کہتے ہیں جو دولت لوٹ لوٹ کر جمع کرلے۔ اُسے بڑا عقلمند کہتے ہیں جو جائز ناجائز کی پروا کیے بغیر خزانے بھر لے۔ دراصل عقلمندی، دانش اور ہمت یہ ہے کہ بندہ اس دنیا کے خارزار سے دامن بچا کے نکل جائے۔ اللہ کی اطاعت میں جان دے، اللہ کے دین پر مر جائے، اللہ اُسے قبول کرلے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

لوگو! تمہیں دنیا میں رہتے ہوئے سارے بشری تقاضے پورے کرنا ہیں۔ انسانی ضرورتیں سب کی ایک سی ہیں۔ روزی کمانا، کھانا کھانا، گھر بنانا، بچے پالنا، منکرین یہی سارا کچھ کر کے جہنم جا پہنچے اور اللہ کے فرمانبردار یہی کام کر کے جنت میں داخل ہو گئے۔ منکرین اللہ کی اطاعت سے باہر نکل کر کرتے رہے اور سچے لوگ یہی کام حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر کرتے رہے۔ زندگی تو سب کی انسانی ہی تھی۔ کاش منکرین بھی اُسی طرح کر لیتے جیسا نیکوں نے کیا۔ حلال کما لیتے، سچ کہتے ضروریاتِ زندگی جائز ذرائع سے حاصل کرتے۔ اے لوگو! تمہیں عمل تو کرنا ہے، کام تو کرنے ہیں۔ اس طرح کام کرو جس کا نتیجہ اعلیٰ ہو۔

اہلِ جنت کے حالات اور اُن پر اللہ کے انعامات بیان فرما کر اب تقابل فرمایا کہ جنت کی نعمتیں، عزت و شرف، اللہ کا کرم، احسان اور یہ بہترین مہمانداری ہے یا کانٹوں بھرا درخت؟ فرمایا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا تھوہر کا درخت۔ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے عذاب کا سبب بنایا۔

دنیا کا تھوہر ایک عجیب شجر ہے۔ اس کے پتوں پر کانٹے ہوتے ہیں اس پر جو پھول آتے ہیں اس کی پتیوں پر بھی کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ درخت دوزخ کی نشانی ہے۔ یہ دنیا کے تھوہر کا حال ہے۔ اس آیت میں اللہ کریم آخرت کی سزا اور جہنم کی بات کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ یقیناً وہ ایک درخت ہے کہ قعرِ دوزخ سے نکلتا ہے۔ یہ جہنم کی تہہ سے اُگتا ہے اور اس کی شکل عجیب و غریب اور ڈراؤنی ہوتی ہے۔ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے کہ وہ شیطانوں کے سر یعنی اس کے خوشے اور شگوفے ایسے ہیں گویا شیاطین کے چہرے۔ شیاطین کی شکلیں ہیبتناک درندوں اور جانوروں کی طرح اور انتہائی قبیح ہوتی ہیں۔

ایک واقعہ:

کچھ عرصہ پہلے مجھے کسی نے حرم سے ایک تصویر بھیجی۔ اس نے لکھا کہ وہ حرم سے باہر آ کر دوسری چھت کے برآمدے میں تھا اور طواف کرنے والوں کی تصویر اتارنے لگا تو اس کے کیمرے پر چندھیا جانے والی روشنی پڑی۔ اس نے سمجھا شاید کیمرہ خراب ہو گیا لیکن تصویر آ گئی کہ کوئی مخلوق اونچائی پر اڑ رہی تھی اس کے پر تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید کوئی فرشتہ تھا۔ میں نے تصویر دیکھی تو اُسے لکھا کہ اس کا چہرہ بڑا ہیبتناک اور درندوں جیسا ڈراؤنا ہے۔ یہ شیطان ہے۔ فرشتوں کے چہرے مکروہ اور ڈراؤنے نہیں ہوتے۔ حیرت ہوئی کہ مطاف کے اندر شیطان کہاں اڑتا پھرتا ہے! پھر سمجھ آئی کہ اللہ کریم نے حرم میں کافروں کا داخلہ بند کیا تھا تاکہ شیطان بھی داخل نہ ہو سکے لیکن اب چونکہ قادیانی بھی جاتے ہیں دیگر کافر بھی حیلے بہانوں سے چلے جاتے ہیں تو شیطان بھی چلا جاتا ہے۔

فرمایا: فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ سو یہ لوگ اس میں سے کھائیں گے پھر اسی سے پیٹ بھریں گے۔

اتنا تکلیف دہ کھانا وہ کیوں کھائیں گے؟ انہیں کھانا پڑے گا۔ انہیں سزا کے طور پر کھانا پڑے گا۔ وہ کھانے پر مجبور ہوں گے۔ انہیں اس کے کانٹے چبھیں گے۔ زبان پر زخم آئیں گے، منہ کے اندر زخم ہوں گے، یہ ان کے حلق کو چیرتا ہوا جائے گا، معدہ اور آنتوں کو زخمی کرے گا لیکن وہ کھائیں گے اسی سے پیٹ بھریں گے۔ اس سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ جہنم کے تھوہر کی کڑواہٹ اور تلخی بھی بے پناہ ہوگی تو انہیں پانی پینا ہوگا۔ فرمایا: ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ پھر یقیناً اس کے ساتھ ان کو گرم پانی (پیپ) ملا کر دیا جائے گا۔

پیٹ بھر کر تھوہر کھانے کے بعد پھر انہیں کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا مفسرین اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ جہنمیوں کو جو تیز گرم پانی پینے کو دیا جائے گا اتنا کھولتا ہوا ہوگا کہ جیسے ہی قریب کریں گے تو ان کے چہرے کا گوشت اور کھال جھلس کر اس میں گر جائے گا لیکن ان کو وہی پینا پڑے گا۔ جہنم میں جو اعضا گل کر گر جائیں گے ان کی جگہ مزید پیدا ہو جائیں گے اور سزا جاری رہے گی۔ دوزخیوں کے زخموں کا خون اور پیپ ملا کھولتا ہوا پانی ہی دیا جائے گا۔ یہی ان کا کھانا، یہی پینا اور یہی ٹھکانہ ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ پھر یقیناً ان کو دوزخ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں دین کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ دین کی جگہ خانہ پُری کر لی۔ دین کی ضرورت اللہ نے انسانی

فطرت میں رکھی ہے۔ کوئی بندہ دنیا میں ایسا نہیں آتا جسے دین کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ غیر آباد جنگلات میں رہنے والے قبائل جنہیں لباس کا، گھر بنانے کا شعور نہ ہو جو غاروں میں پڑے ہوں، جنگلی اور وحشی ہوں لیکن انہوں نے بھی مذہب کے نام پر کچھ رسوم ایجاد کر رکھی ہوں گی یعنی مذہب مزاج میں ہے۔ پڑھے لکھے اور شہروں میں رہنے والوں کے ہاں بھی مذہب کی کوئی نہ کوئی شکل ہے جسے انہوں نے اپنا رکھا ہے۔ جو انبیاؑ کو نہیں مانتے ان کا بھی کوئی مذہب ہے۔ جو اللہ کو نہیں مانتے تو اللہ کو نہ ماننا بھی ایک نظریہ ہے ایک مذہب ہی ہے۔ جب مذہب مزاج میں ہے تو پھر لوگ گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں؟ انسان دنیا میں آ کر دنیا میں اتنا کھو جاتا ہے کہ دنیا، دنیا کرتا ہی مر جاتا ہے، آخرت کی اسے فکر ہی نہیں رہتی۔ جو مذہب مل گیا۔ رسماً، رواجاً مل گیا، برادری، والدین یا پہلوں سے مل گیا اسی سے خانہ پُری کر لی اور بے فکر ہو گیا۔ ایسا صرف دین کے لیے ہوتا ہے ورنہ دنیا کے معاملے میں ہر کوئی سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ باپ کلرک ہو تو بیٹا افسر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ باپ مزدور ہو تو بیٹا کوشش کرتا ہے کاریگر بن جائے۔ باپ کاروبار میں ہو تو بیٹا اس کاروبار کو ترقی دینا چاہتا ہے۔ دین کے معاملے میں سادہ بن جاتے ہیں۔ دنیوی مفادات میں ایسے کھو جاتے ہیں کہ اللہ کی یاد کی، نماز کی فرصت ہی نہیں، وقت ہی نہیں ملتا، سمجھتے ہیں یہ نظام وہی چلا رہے ہیں کہ انہیں سجدہ کرنے کی فرصت نہیں۔ کوئی پوچھے کہ کیا کائنات تم چلا رہے ہو، سورج کو تم طلوع کرتے ہو، ہوائیں تم چلاتے ہو، بارشیں تم برسا رہے ہو؟ ساری دنیا کا نظام چل رہا ہے اور چلتا بھی رہے گا۔ تم نہیں تھے سب بھی چل رہا تھا اور تم نہیں ہو گے یہ چلتا رہے گا۔ اپنے دائمی گھر کے لیے، اپنے نیک انجام کے لیے فکر کرو۔

یہ ایسے لوگ تھے کہ انہوں نے فکر کرنے کا تکلف ہی نہیں کیا۔ اپنے پہلوں کے پیچھے ہی چلنے پر اکتفا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا۔ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ پھر یہ ان ہی کے نقشِ قدم پر بڑی تیزی سے چلتے رہے یعنی مذہب کی خانہ پری کی اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔ یہ نہ دیکھا کہ ان کے باپ دادا تو گمراہ تھے۔ انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ اس پیروی کا انجام کیا ہو گا! انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ اس کائنات کا مالک کون ہے، کس کی اطاعت کی جائے، کس کی عبادت کی جائے۔ وہ کون سی ہستی ہے جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔ انہیں جو رسومات باپ دادا سے ملیں ان پر ہی مطمئن رہے۔

آج ہم الحمدللہ! مسلمان ہیں۔ مسلمان والدین کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ دنیا میں وارد ہوئے تو کان میں پہلی آواز اذان کی پڑی۔ گھروں میں نماز، روزہ دیکھا محلے میں مساجد میں دین دیکھا لیکن آج ہمارے رواج اللہ کے احکام پر غالب ہیں۔ مسلمان گھرانوں میں شادی کا موقع ہو یا موت کا۔ سُنت کی پروا نہیں ہوتی۔ رواجوں کی پابندی ہوتی ہے۔ یہ حال تو مسلمانوں کا ہے۔

وہ جو سرے سے کافر تھے وہ رسومات کو کتنا عزیز رکھتے تھے کہ اپنی آخرت سے ہی بے فکر ہو گئے۔ فرمایا: وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٧١ اور یقیناً ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ یعنی یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی اس سے پہلے بھی بڑی قومیں گمراہ ہوئیں تو کیا انسان کی گمراہی کائنات کا کچھ بگاڑ لیتی ہے؟ نہیں۔ جتنا کوئی گمراہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ اپنے آپ کو ہی برباد کرتا ہے۔

اللہ تو ایسے کریم ہیں کہ اُن جہنمیوں کے پہلوں نے بھی کفر اختیار کیا، گمراہی پسند کی، اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک مانا پھر بھی اللہ نے مزید انبیا و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے جنہوں نے انہیں کفر و شرک کے انجامِ بد سے بروقت آگاہ فرمایا۔ دنیا جو دارِ عمل ہے، جہاں فرصت اور وقت ہے، جہاں عمل کیا جا سکتا ہے وہاں بتا دیا کہ تم غلط کر رہے ہو۔ اس کا انجام جہنم ہوگا۔ اس میں ایسی دردناک سزائیں ہوں گی۔ توبہ کر لو، رجوع الی اللہ کر لو!

فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝٧٢ اور بے شک ہم نے ان میں ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٧٣ تو دیکھ لیجیے جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔

جب انہوں نے پیغمبروں کی بات بھی نہ سنی، رسوم و رواج کو بھی نہ چھوڑا تو پھر دیکھ لیجیے کہ ان کا انجام کیا ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں بروقت متنبہ کر دیا گیا تھا۔ یہ جس انجام سے آخرت میں دوچار ہوئے اس کی خبر انہیں دنیا میں اللہ کے پیغمبروںؑ نے دے دی تھی۔ یہ بے خبری میں یہاں نہیں آئے۔ یہ جان بوجھ کر یہاں آئے ہیں۔

یہ بتانے سے مراد یہ ہے کہ لوگو! تم سے پہلے جن قوموں نے انبیاؑ کا اتباع نہ کیا ان کا انجام دیکھ لو پھر اپنا فیصلہ کرو کہ کس طرف جانا چاہتے ہو۔

فرمایا: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٧٤ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے۔ ہاں! اللہ کے جو مخلص بندے تھے جنہوں نے انبیاؑ کا اتباع کیا۔ عقیدے اور کردار کی اصلاح کی۔ دل گہرائیوں کے ساتھ عظمتِ الٰہی کو مانا، صداقتِ پیغمبرؑ کو تسلیم کیا اور ساری زندگی اطاعت کی کوشش میں لگے رہے۔ وہ بھی تو آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ وہ بھی اسی دنیا میں رہے۔ ان کی بھی وہی ضرورتیں تھیں۔ ان کے بھی کاروبار تھے۔ انہوں نے بھی گھر بار چلائے، اولادیں پالیں، والدین کی خدمت کی، قوم و ملک کی خدمت کی لیکن سب کام اللہ کی اطاعت کی حدود کے اندر رہ کر کیے۔ وہ بھی دنیا سے برزخ میں آئے، برزخ سے میدانِ حشر میں پہنچے۔ اللہ کی فرمانبرداری کرنے کے باعث وہ دنیا میں بھی سکون سے رہے، انہیں برزخ میں کوئی دکھ نہ پہنچا اور نہ انہیں قیامت کے دن کوئی تکلیف ہوگی۔ وہ آرام سے جنت چلے جائیں گے۔

سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 3 آیات 75 تا 114

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ
لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا
تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾
فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ
عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا
تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ
فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ
اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا

الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ
وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا
عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١١٤﴾

اور ہم کو نوح (علیہ السلام) نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں ﴿۷۵﴾ اور ہم نے ان کو اور ان کے پیروکاروں کو بھاری غم سے نجات دی ﴿۷۶﴾ اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے دیا ﴿۷۷﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان (کے ذکرِ جمیل) کو چھوڑا ﴿۷۸﴾ کہ نوح (علیہ السلام) پر سلام ہو سارے جہان والوں میں ﴿۷۹﴾ نیکوکاروں کو یقیناً ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۸۰﴾ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا ﴿۸۲﴾ اور بے شک ان کے بعد والے گروہ میں ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے ﴿۸۳﴾ جبکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لائے ﴿۸۴﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ ﴿۸۵﴾ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو ﴿۸۶﴾ بھلا پروردگارِ عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ﴿۸۷﴾ سو انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے ستاروں کو نگاہ بھر کر دیکھا ﴿۸۸﴾ پھر فرمادیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں ﴿۸۹﴾ تب وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے ﴿۹۰﴾ تو وہ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے سو فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ ﴿۹۱﴾ تم کو کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں؟ ﴿۹۲﴾ پھر ان کو (اپنے) داہنے ہاتھ (قوت) سے توڑنا شروع کر دیا ﴿۹۳﴾ تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے ﴿۹۴﴾ انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو

پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو ﴿۹۵﴾ اور تم کو اور جو تم بناتے ہو (اس کو) اللہ نے پیدا فرمایا ہے ﴿۹۶﴾ وہ کہنے لگے ان کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو ﴿۹۷﴾ سو انہوں نے ان کے ساتھ چال چلنا چاہی تو ہم نے ان کو ہی نیچا دکھا دیا ﴿۹۸﴾ اور وہ فرمانے لگے بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا ﴿۹۹﴾ اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما ﴿۱۰۰﴾ سو ہم نے ان کو ایک نرم دل بیٹے کی خوشخبری دی ﴿۱۰۱﴾ سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو دیکھ لو تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ بولے اے میرے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ﴿۱۰۲﴾ غرض جب دونوں نے (اللہ کا حکم) تسلیم کر لیا اور اس (بیٹے) کو کروٹ پر لٹایا ﴿۱۰۳﴾ اور ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) ﴿۱۰۴﴾ بے شک آپ نے خواب کو سچا کر دکھایا یقیناً ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ بلاشبہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی ﴿۱۰۶﴾ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دے دیا ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان (ابراہیم علیہ السلام کے ذکر خیر) کو رہنے دیا ﴿۱۰۸﴾ ابراہیم (علیہ السلام) پر سلامتی ہو ﴿۱۰۹﴾ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۱۰﴾ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے ان کو اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت دی کہ نبی نیکو کاروں میں سے ہوں گے ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے ان پر اور اسحٰق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی نسل میں سے کچھ اچھے ہیں اور کچھ اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۱۳﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان فرمایا ﴿۱۱۴﴾

تفسیر ومعارف

نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

اللہ کریم کے کرم اور انسانوں کی ناشکری کی مثالیں قرآنِ حکیم میں جا بجا موجود ہیں تا کہ لوگ دیکھ لیں کہ گزشتہ اقوام میں سے جن لوگوں نے ناشکری کی وہ کس انجام سے دوچار ہوئے اور جن لوگوں نے انبیاؑ کا دامانِ رحمت تھاما وہ کتنے بامراد ہوئے۔

یہاں نوح علیہ السلام کی اولوالعزمی کا بیان ہے۔ آپؑ ساڑھے نو سو سال مسلسل تبلیغ کرتے رہے۔ دین پہنچانے کے لیے محنت ومجاہدہ کرتے رہے۔ آپؑ کے عہد کے لوگوں کی عمریں طویل تھیں لیکن آپؑ کی عمر مبارک زیادہ طویل تھی۔ آپؑ نے دینِ حق کی تبلیغ میں بہت اذیتیں برداشت کیں۔لوگ آپؑ کو اتنی تکلیف پہنچاتے کہ مار مار کر بیہوش کر دیتے پھر کہیں پھینک دیتے۔ آپؑ کا تمسخر اڑاتے، مذاق اڑاتے لیکن آپؑ ثابت قدمی سے مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے۔ آپؑ کے سامنے کئی نسلیں گزر گئیں لیکن وہ ایسے لوگ تھے کہ مان کر نہ دیا۔تب آپؑ نے اپنے ربّ کو پکارا۔فرمایا: وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴿۷۵﴾ اور ہم کو نوح (علیہ السلام) نے پکارا سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

فرمایا، ہم جیسا فریاد سننے والا کون ہے! ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔ ہم نے اپنی نبیؑ کی فریاد سنی۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴿۷۶﴾ اور ہم نے ان کو اور ان کے پیروکاروں کو بھاری غم سے نجات دی۔اور ہم نے نوح علیہ السلام اور اُن کے اہل کو اس عظیم عذاب سے بچالیا۔ کفار کو ہم نے ایسے تباہ کیا کہ کسی کافر کا دنیا میں نشان باقی نہ رہا۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴿۷۷﴾ اور ہم نے ان ہی کو اولاد کو باقی رہنے دیا۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴿۷۸﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان (کے ذکرِ جمیل) کو چھوڑا۔

آل اور اھل دو ایسے الفاظ ہیں جن میں ہم خیال، متبعین، سب آ جاتے ہیں۔طوفانِ نوحؑ میں جتنے کفار تھے سب تباہ ہو گئے۔تباہ ہونے والوں میں آپؑ کی ایک اہلیہ طوفان کی نذر ہو گئی۔اُن کا ایک بیٹا طوفان میں غرق ہو گیا اس بیٹے کے لیے آپؑ نے دعا بھی فرمائی کہ بارِ الٰہا آپ جلّ شانہٗ نے فرمایا تھا کہ تمہارے اہل کو میں سلامت رکھوں گا تو وحیٔ الٰہی سے جواب آیا تھا: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۔۔۔وہ آپؑ کے اہل میں نہیں ہے۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ھود:46) اس کا کردار غیر صالح ہے لہٰذا وہ آپؑ کی اہل میں نہیں ہے۔ سگے بیٹے نے نبیؑ کی پیروی سے انکار

کیا تو وہ اہل سے خارج، اہل میں شامل نہیں اور غیروں میں سے جن افراد نے اتباع کیا، ایمان لائے، اطاعت کی وہ اہل میں شامل ہیں۔طوفان کے بعد دنیا صرف نوح علیہ السلام کی اولاد سے آباد ہوئی۔ وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ۔۔۔ آپؑ اوران کے پیروکاروں کونجات دی۔اہل میں پیروکار بھی تھے اور آل اولاد میں سے آپؑ کی پیروی کرنے والے بھی یعنی آپؑ کے بیٹے، بہوئیں اور خاندان کے لوگ۔اس طرح لفظ آل یا اھل میں ہم خیال، ہم مشرب یا ہم مسلک لوگ آ جاتے ہیں۔ ساڑھے نو سو سال کی پیہم محنتِ شاقہ کے بعد نجات پا جانے والے لوگوں کی تعداد اسّی، بیاسی تھی۔خاندان کے افراد کو ملا کر بعض حضرات نے تعداد اسّی لکھی ہے بعض نے بیاسی۔ یہ وہ مرد وخواتین تھے جو کشتی میں سوار ہوئے۔ان میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے نسل چلی۔اسی لیے آپؑ کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد آنے والوں میں ان کا ذکرِ خیر جاری کر دیا، آپؑ کے ذکر کو دوام بخش دیا۔ قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر آپؑ کا ذکرِ خیر آیا ہے۔قرآنِ کریم قیامت تک رہے گا تو اس میں موجود ذکرِ خیر بھی قیامت تک رہے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام جب تک قرآن پڑھتے رہیں گے آپؑ کا ذکرِ خیر بیان ہوتا رہے گا۔

فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۷۹﴾ کہ نوح (علیہ السلام) پر سلام ہو سارے جہان والوں میں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴿۸۰﴾ نیکوکاروں کو یقیناً ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۸۱﴾ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔

محسن کون ہوتا ہے؟ جو خلوصِ دل سے اطاعت کرتا ہے۔ جو دکھاوے کے لیے نہیں کرتا۔ سوداگری نہیں کرتا، رسماً نہیں کرتا، صدقِ دل سے اطاعت کرتا ہے کہ اللہ کی ذات ہی ایسی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ جو خلوصِ دل سے اطاعت کرتے ہیں، ہم انہیں ایسے ہی نوازا کرتے ہیں، اسی طرح کے انعامات بخشا کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ وہ ہمارے ایماندار بندے تھے۔یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خلوصِ دل سے اطاعت کی جائے۔ایمان کے ہم معنی الفاظ ہیں: اعتبار، یقین، بات مان لینا۔ جب ان سب کا ایک ہی معنی ہے تو لفظ ایمان، عقیدے سے مختص کیوں ہے؟ اس لیے کہ ایمان کا معنی ہے کسی بات کو اس طرح مانا جائے کہ زندگی اس کے مطابق ڈھل جائے۔

ہم بہت سی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں لیکن وہ ایمان نہیں بنتیں۔ جیسے کسی نے کوئی واقعہ بتایا۔ بات پر اعتبار کیا کہ سچ بتایا ہوگا لیکن ایمان وہ ہوگا کہ ہماری زندگی اس یقین کے مطابق ڈھل جائے۔ یہ صرف انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت ہے کہ وہ اللہ جلّ شانہ کے بارے، آخرت کے بارے حقائق ارشاد فرماتے ہیں۔ جب ان کو مانا جاتا ہے تو وہ محض اعتبار نہیں رہتا، وہ صرف ماننا نہیں رہتا بلکہ وہ یقین واعتبار کا اعلیٰ ترین درجہ یعنی ایمان بن جاتا ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ

ہے کہ عمل اس کے مطابق ڈھل جائے۔ فرمایا: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ نوح علیہ السلام کو ارشاداتِ باری پر وہ کامل یقین تھا کہ زندگی کا ہر لمحہ اس میں ڈھل گیا۔

لفظ شیعہ کا یہاں استعمال:

ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اور بے شک ان کے بعد والے گروہ ہیں ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔

لفظ شیعہ قرآن میں غالباً آٹھ مرتبہ آیا ہے۔ شیعہ کا لفظی معنی گروہ، جماعت، ساتھ چلنے والے ہیں۔ یہ لفظ مشایعت سے ہے یعنی احتراماً کسی کے ساتھ چلنا۔ گویا ہم خیال لوگ، ساتھ چلنے والے۔ قرآنِ حکیم میں جہاں بھی یہ استعمال ہوا ہے، گمراہ فرقوں کے لیے ہی ہوا ہے۔ خصوصاً اُن گمراہ فرقوں پر جو کافر تھے گمراہ تھے لیکن خود کو حق پر سمجھنے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ جیسے: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ (القصص:4) بے شک فرعون ملک (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا۔ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا ۔۔۔ اور وہاں کے رہنے والوں کو گروہ گروہ کر رکھا تھا۔ فرعون کے عہد میں دونوں طرف باطل تھا۔ اگر قبطی مسلمان نہیں تھے تو اسرائیلی بھی مسلمان نہیں تھے۔ دینِ حق کسی کے پاس نہیں تھا۔ فرعون نے لوگوں کو شیعہ بنا دیا تھا یعنی طبقوں میں بانٹ دیا تھا، باطل عقائد میں بانٹ دیا تھا۔

اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا (مریم:69) پھر ہر گروہ سے ضرور ایسے لوگوں کو الگ کرلیں گے جو رحمٰن سے سخت سرکشی کرتے تھے۔ یہاں بھی اُن لوگوں کو شیعہ کہا گیا ہے جو اللہ کریم کے مقابلے پر رہتے تھے۔

اسی طرح قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ان گروہوں پر استعمال ہوا ہے جو باطل تھے، کافر تھے لیکن ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حق پر ہیں۔

یہاں اس لفظ کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جب لوگ بگڑے، گمراہ ہو گئے تو ان کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ وہ حق پر ہیں۔ مشرکینِ مکہ اور کفارِ مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں۔ یہود بھی دینِ ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور نصاریٰ کا دعویٰ بھی یہی تھا۔

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اور بے شک ان کے بعد والے گروہ میں ابراہیم (علیہ السلام) تھے۔

اللہ کریم نے کیسا خوبصورت جواب دیا کہ ابراہیم علیہ السلام، حنیف، راست باز، توحید پرست اور اللہ جل شانہٗ

کی واحدانیت پر قائم تھے۔تم توشرک کرتے ہو،تم دینِ ابراہیمی پر کیسے ہو؟

اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ پیغمبرؑ کی پیروی کا دعویٰ رکھنے والے گمراہ گروہوں میں ہم نے ابراہیم علیہ الاسلام کو پیدا کر دیا۔جن میں آپؑ پیدا ہوئے، پہلا مقابلہ ہی والد سے تھا۔والد بیٹے کی پہلی پناہ گاہ ہوتا ہے لیکن والد، نہ صرف بت گر تھا، بت پرست بھی تھا اور بت خانے کا انچارج بھی تھا۔امیر تھا،شاہی دربار میں نمایاں مقام بھی رکھتا تھا۔

آپ علیہ السلام کو پہلے گھر سے مخالفت ملی پھر قوم سے ٹکراؤ ہوا پھر حکومتِ وقت سے ٹکراؤ ہوا۔گھر سے لے کر شاہی محل تک سارا کفر وشرک چھایا ہوا تھا۔اللہ کریم ایسے قادر ہیں کہ ان میں ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔اگلی آیت میں تعریف فرمائی کہ آپؑ کے اردگرد، کفر وشرک تھا، برائی تھی، گھر، علاقہ،شہر،قوم، ملک اور حکومت تک ہر کوئی بتوں کی پوجا میں مشغول تھا اور آپؑ، میرے ایسے بندے تھے کہ سلامت دل لے کر میرے پاس آئے۔ایسا سلامت دل جو ہر طرح کے عیب سے پاک صاف اور محفوظ تھا۔فرمایا:اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ جبکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس صاف دل لائے۔کفر وشرک کی غلاظتوں اور تاریکیوں سے پاک صاف سلامت دل لے کر اللہ کی بارگاہ میں آئے۔

گمراہ گروہوں میں سے ہر گروہ مختلف طرح کی گمراہی میں مبتلا تھا۔عقلِ انسانی بھی کیا تماشا کرتی ہے نمرود خود کو خدا کہلواتا تھا اور خود بتوں کی پوجا بھی کرتا تھا۔اسی طرح فرعون خدائی کا دعویدار تھا اور بتوں کی پوجا بھی کرتا تھا۔قوم میں بتوں کے پجاری بھی تھے، ستاروں کی پرستش کرنے والے بھی تھے اور بت پرستی تو عام تھی۔ابراہیم علیہ السلام نے جب بادشاہِ وقت سے کہا کہ میرا ربّ تو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔تو اس نے کہا: اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ (البقرہ:258) اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔پھر اس نے دو قیدی بلوائے۔ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو قتل کرا دیا۔کہنے لگا، میں بھی زندگی اور موت دینے پر قادر ہوں تو قَالَ اِبْرٰهٖمُ ---علیہ السلام نے فرمایا: فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ---یقیناً اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے پس تو اس کو مغرب سے لے آ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ (البقرہ:258) تو اس پر کافر متحیر رہ گیا۔ان گمراہ گروہوں میں ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔آپؑ کا واقعہ سنیے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیسی بات ہے کہ لکڑی، پتھر اور کوئی سی چیز لے کر

تم اسے تراشنا شروع کر دیتے ہو۔ اس پر پاؤں رکھ کر اوزاروں کے ساتھ اسے کاٹتے، چیرتے اور تراشتے ہو۔ جیسا تمہارا دل چاہے ویسا بنا دیتے ہو۔ انسانی شکل بنا دو یا کسی جانور کی۔ جس شکل میں چاہو ڈھالتے ہو۔ وہ پتھر ہے، پٹتا رہتا ہے، ٹوٹتا رہتا ہے پھر ایک شکل بن جاتا ہے اسے پھر خدا مان لیتے ہو۔ وہ پتھر کوئی احتجاج نہیں کرتا۔ وہ جو خود اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا کہ چاہو تو رہائش گاہ کی دیوار میں چن دو یا غسل خانے کے فرش پر لگا دو۔ تم اُن پتھروں کے بارے یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ ساری طاقتیں ان میں ہیں اور یہ کائنات کو چلا رہے ہیں! کبھی تم نے سوچا کہ پتھر اور لکڑی جسے تم تراشتے ہو، اس پر آرے چلاتے ہو، اسے کاٹتے ہو، تیشے چلاتے ہو اور یہ ذرا سا بھی احتجاج نہیں کرتی۔ اتنی بے بس ہے۔ وہ تمہارا پروردگار کیسے بن گئی؟ تم تو اللہ کے علاوہ جھوٹے معبود بنا کر ان کی پوجا کرنا چاہتے ہو حالانکہ معبودِ برحق صرف ایک ہے۔ وہ واحد اور لاشریک ہے۔

فرمایا: فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ﴿٨٧﴾ بھلا پروردگارِ عالم کے بارے تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر مٹی پتھر کے یہ بت خدا ہیں تو جو ساری کائنات کو چلا رہا ہے، وہ کون ہے؟ اس کے بارے کیا خیال ہے؟ جس نے پتھر بنائے اسے پتھر کی خصوصیات دیں۔ جس نے زمین سے پودا پیدا کر کے اسے بڑا درخت بنایا، جسے تم کاٹ کر لائے اور اس لکڑی سے یہ بت بنائے تو اس پودے کو کس نے اُگایا، کس نے پودے سے درخت بنایا، اس میں لکڑی کی خصوصیات رکھیں۔ وہ، وہی ہے جو کائنات کو چلا رہا ہے۔ جس نے ہر ذرّے میں حیات رکھی ہے، جو ہر ذرّے کو فنا کر رہا ہے، جو نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے اس کے بارے تمہارا کیا خیال ہے؟

اس گمراہ قوم کا ایک تہوار آ گیا جسے وہ عید کی طرح مناتے تھے۔ ان کا رواج تھا کہ طرح طرح کے کھانے بناتے۔ بت خانے میں ہر طبقے اور ہر قبیلے کے اپنے اپنے بت رکھے ہوتے تھے۔ وہ اپنا خوان سجا کر بتوں کے آگے رکھ دیتے اور خود میدان میں چلے جاتے۔ دین کے نام پر جو خود ساختہ رسمیں بنا رکھی تھیں وہ ادا کرتے۔ واپس بت خانے آتے متبرک سمجھ کر اس کھانے کو اٹھا کر لے جاتے۔ وہ اُن کی عید ہوتی۔ انہوں نے اس تہوار پر ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ آئیں۔ ہمارے مذہب کا کمال دیکھیں!

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو لوگ رسومات کے اسیر ہیں وہ بڑی محنت کر کے انہیں پورا کرتے ہیں۔ اپنے معاشرے کو دیکھیں کہ رسومات پر پیسہ بھی خرچ کرتے ہیں، وقت بھی دیتے ہیں اور جب دینی فرائض کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو مصروفیت کے بہانے بناتے ہیں، بیماری کے بہانے بناتے ہیں۔

چونکہ وہ قوم نجوم پر بہت یقین رکھتی تھی تو ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ ارشاد ہوتا

ہے: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ پھر فرمادیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں۔قوم نے سمجھا کہ شاید علم نجوم کا حساب لگا کر کہہ رہے ہیں۔واقعی ایسا ہوگا۔ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ تب وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔وہ لوگ تو چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانے میں گئے۔ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ تو وہ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے سو فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہارے سامنے بہترین پکوان تھالوں میں سجا رکھے ہیں، تم کھاؤ، کیوں نہیں کھاتے ہو؟ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ تم کو کیا ہوا تم تو بولتے بھی نہیں ہو؟نطق کا معنی ہے بولنے کی قوت۔ آپؑ کہنے لگے،تم میں تو بات کرنے کی استعداد ہی نہیں۔کھانا کیا کھانا،تم سن سکتے ہو نہ بول سکتے ہو۔جب تم کھا نہیں سکتے، بات نہیں سن سکتے، جواب نہیں دے سکتے تو تمہاری پوجا یہ لوگ کیسے کررہے ہیں؟ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ پھر ان کو (اپنے) داہنے ہاتھ (قوت) سے توڑنا شروع کردیا۔ آپؑ نے ایک کلہاڑا لے کر ان بتوں پر خوب چوٹیں لگائیں۔اپنے داہنے ہاتھ سے اس زور کی ضربیں لگائیں کہ بت توڑ کر رکھ دیے۔قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ آپؑ نے سب بت توڑ دیے سوائے بڑے بت کے اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قوم جب واپس آئی۔انہیں پتا چلا تو تڑپ اٹھے اور پوچھا کہ ہمارے خداؤں کا یہ حشر کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ابراہیم نام کا ایک نوجوان ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔انہیں بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ہمارے بتوں کا یہ حشر کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا یہ جو کلہاڑا لے کر کھڑا ہے اس سے پوچھو۔باقی سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں اور یہ بڑا کلہاڑے سمیت کھڑا ہے۔اس سے پوچھو! وہ لوگ پریشان ہوگئے کہنے لگے،تمہیں تو پتا ہے کہ یہ بات نہیں کرسکتے۔ آپؑ نے فرمایا، پھر تُف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جو یہ بتا نہیں سکتے کہ انہیں کس نے توڑا ہے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ اور تم کو اور جو تم بناتے ہو (اس کو) اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان بتوں کو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو پھر انہیں عبادت کے لائق سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ ان میں ساری طاقتیں آجاتی ہیں لیکن یہ بڑا بت تمہارے سامنے بھی نہیں بولا تو جس نے اُسے توڑا ہے اس کے سامنے بھی اس بڑے بت نے احتجاج نہیں کیا۔تمہارے عقیدے کے مطابق تو اس میں خدائی طاقتیں تھیں۔یہ اپنا دفاع تو کر لیتا۔یہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکا،تمہارے کس کام آئے گا؟ حق یہ ہے کہ تمہیں بھی اور تمہارے کام کرنے کی استعداد کو بھی اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔وہ واحد ولاشریک ہے۔وہی کائنات کا خالق و مالک ہے جس نے تمہیں قوتِ کار دی ہے۔ان سارے دلائل کے بعد وہ لوگ لاجواب ہوگئے۔بادشاہ سے بھی مناظرہ ہوا، بادشاہ بھی

لاجواب ہو گیا۔ جس کے پاس دلیل نہ ہو وہ لڑائی کو تیار ہو جاتا ہے۔ جب دلیلیں ختم ہو جاتی ہیں پھر جنگ رہ جاتی ہے۔ وہ قوم اور بادشاہ بھی جب لاجواب ہو گئے تو فیصلہ کیا گیا۔ قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ وہ کہنے لگے ان کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ ایسے شخص کی یہی سزا ہے کہ اس نے ہمارے بتوں کی توہین کی ہے۔ چنانچہ کفار نے آگ کا ایسا بڑا الاؤ جلایا جس کی تپش میلوں تک جاتی تھی۔ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ سو انہوں نے ان کے ساتھ چال چلنا چاہی تو ہم نے ان کو ہی نیچا دکھایا۔ کفار نے تو بڑی تدبیر کی کہ ابراہیم علیہ السلام سے جان چھوٹ جائے۔ انہیں جلا کر بھسم کر دیں اور ان کا نشان مٹ جائے لیکن اللہ کریم نے انہیں نیچا دکھا دیا۔ ان کی یہ تجویز بھی بے کار رہی۔

قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کریم نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آج تو ٹھنڈی ہو جا۔ تیری لپٹیں میرے خلیل کو بادِ بہاری محسوس ہوں۔ فرمایا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔۔۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (کا سبب) بن جا۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ٥ (الانبیآ:69,70) اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا تھا پھر ہم نے ان ہی کو نقصان میں ڈال دیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں اپنے اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔ ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں میں یکسوئی سے اللہ کی عبادت کروں گا۔ وہی میری راہنمائی فرمائے گا مجھے ایسی جگہ لے جائے گا۔ فرمایا: وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ اور وہ فرمانے لگے بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ چنانچہ آپؑ نے اپنی اہلیہ حضرت سارہ اور بھانجے حضرت لوط علیہ السلام جو آپ کے ساتھ آ گئے، ہجرت فرمائی۔ آگ کے الاؤ میں سے نکل کر عافیت سے دوسری جگہ تشریف لے گئے۔ جب آپؑ وہاں سے نکل گئے تو قوم پر عذاب آ گیا اور وہ تباہ ہو گئی۔ بادشاہ بھی ذلیل ہو کر مر گیا۔

جب انبیا علیہم السلام تھک ہار کر کسی قوم سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو وہ قوم عذاب سے نہیں بچا کرتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو اہلِ مکہ کے برے دن آ گئے۔ وہ بدر میں ذلیل ہوئے، ان کے چوٹی کے سردار قتل ہوئے۔ اُحد میں شکست کھائی اور مارے گئے میدان چھوڑ کر بھاگے۔ بالآخر مکہ فتح ہو گیا، شہر بھی اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا۔ صرف وہی لوگ بچے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جنہوں نے نہیں قبول کیا وہ حدودِ حرم سے بھی نکل گئے۔ انبیاؑ کا الگ ہو جانا باقی رہ جانے والوں کے لیے یا جو تنگ کر کے الگ کرتے ہیں ان کے لیے تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

اسی لیے قاعدہ یہ ہے کہ بستیوں میں اہل اللہ اور نیک لوگ بھی ہونے چاہئیں یہ مصیبتوں کے مداوا کا سبب ہوتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔ عمر مبارک گزرتی رہی آپؑ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر آپؑ نے دعا فرمائی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما۔

یہاں سے تعلیم ملتی ہے کہ حصولِ اولاد کی دعا ضرور مانگنی چاہیے لیکن یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ کریم، نیک اولاد عطا فرما۔ اولاد کے لیے جب رشتے تلاش کرنے ہوں بہوئیں لانی ہوں تو نری دولت ہی نہ دیکھی جائے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ بچی میں دین کتنا ہے، دین پر عمل کتنا ہے، شرم وحیا کیسی ہے اور بچیوں کے لیے رشتہ تلاش کرتے ہوئے تنخواہ کا اندازہ کیا جاتا ہے، مال جائیداد دیکھی جاتی ہے۔ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کے دین سے واقف ہیں، اس پر کتنا عمل کرتے ہیں۔ صالح ہونا ضروری ہے ورنہ غربت اور امارت آتی جاتی ہیں۔ دنیا کے اسباب بھی ضرور دیکھنے چاہئیں لیکن دین بنیادی چیز ہے اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ اگر دین نہ ہو تو دنیا فساد ہے۔ محض دنیا دیکھ کر رشتے قائم کرنے سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کسی بھی تعلق، رشتہ، دوستی سب کے لیے دین بنیاد ہے۔ دین کی خصوصیت یہ ہے کہ دین ہمیشہ غالب ہو کر رہتا ہے۔ جہاں دین پر دنیا غالب آگئی وہاں دین نہیں رہتا، صرف رسومات رہ جاتی ہیں۔

اب دین اتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے کہ ایک شخص کی مجھے ای میل آئی کہ مجھے ہر وقت موت یاد آتی رہتی ہے، وہ سمجھ رہا تھا اُسے کوئی بیماری لگ گئی ہے اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے۔ میں نے اسے لکھا تم تو بڑے خوش قسمت ہو کہ ہمہ وقت موت یاد رکھنا انبیاؑ کا خاصہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی ہے۔ جسے موت یاد رہتی ہے وہ بڑا خوش قسمت انسان ہے اگر تمہیں موت یاد آتی ہے تو پھر موت کی تیاری کرو۔ اب اسے بیماری سمجھ لیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ موت کا تو خیال ہی نہ آئے تو کیا یاد نہ کرنے سے موت نہیں آئے گی۔

ابراہیم علیہ السلام نے نیک، صالح فرزند کی دعا کی تو فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

سو ہم نے ان کو ایک نرم دل بیٹے کی خوشخبری دی۔ اللہ کریم نے آپؑ کو نرم خو، نرم دل بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ جب آپؑ نے ہجرت فرمائی تو آپؑ کی اہلیہ حضرت سارہ اور آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام آپؑ کے ساتھ تھے اور یہی دو افراد آپؑ پر ایمان لائے تھے۔ سفرِ ہجرت کے دوران مصر کے حکمران فرعون سے واسطہ پڑا جو ایک طویل قصہ ہے۔ بہر حال مصر کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کی اہلیہ حضرت سارہؓ کو بہت عزت سے رخصت کیا اور اپنی بیٹی حاجرہ کو حضرت سارہؓ کے حوالے کیا۔ بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

حضرت حاجرہؓ سے نکاح کیا۔ آپؑ کی دعا کے نتیجے میں آپؑ کو اللہ کریم نے حضرت حاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ عطا فرمائے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چھوٹے سے بچے ہی تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بچے اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی جگہ پر چھوڑ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جہاں بیت اللہ کا نشان تھا وہاں چھوڑ آئے۔ حضرت حاجرہؓ جو آپؑ کی رفیقہ ءحیات تھیں، جنہوں نے آپؑ کے ساتھ ہجرت فرمائی نے پوچھا کہ آپ ہمیں اس بے آب وگیاہ ویرانے میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے حکم پر اللہ کے بھروسے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ حضرت حاجرہؓ اس پائے کی عظیم خاتون تھیں کہ فرمایا، پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور تن تنہا معصوم جگر گوشے کے ساتھ حرم کی جگہ پر قیام پذیر ہوگئیں۔ بعد کے واقعات یعنی ننھے اسمٰعیل علیہ السلام کا پیاس سے بلکنا، مائی صاحبہ کا صفا، مروہ پر بیتابی سے دوڑنا، آبِ زمزم کا نکلنا، گزر چکے ہیں۔ حضرت حاجرہؓ جس بیتابی سے صفا، مروہ پر چڑھیں اور دوڑیں، ان کا یہ عمل بارگاہ الٰہی میں اتنا مقبول ہوا کہ صفا، مروہ پر سعی عمرہ اور حج کرنے والے پر واجب ہے۔ حتیٰ کہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہاں سعی فرمائی اور اللہ جن کو توفیق دے گا وہ وہاں سعی کرتے رہیں گے۔

ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا اور حکم کی تعمیل کی۔ فرمانِ الٰہی ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۔۔۔ سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو انہوں نے فرمایا! اے میرے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں سو دیکھ لو تمہارا کیا خیال ہے؟

قرآنِ حکیم نے سالوں کی تعین نہیں فرمائی صرف یہ بتایا ہے کہ جب بچہ ساتھ چلنے لگا تو بیٹے کو باہر لے گئے۔ مٹی لے جا کر بات کی۔ خواب سنایا اور کہا کہ اب آپ بتائیں؟ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وہ بولے اے میرے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کیجیے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

وحی کا سننا منصبِ نبوت اور۔۔۔

وحی کو وصول کرنا انبیاؑ کی شان ہے اور وحی کا مفہوم بیان کرنا بھی انبیاؑ کا منصب ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ آپؑ نے مشورہ نہیں کیا۔ مشورہ کرنا ہوتا تو اپنی رفیقہ ءحیات حضرت حاجرہ رضی اللہ عنہا سے کرتے لیکن وہ نبیہ نہیں تھیں۔ آپؑ نے براہِ راست بات ننھے اسمٰعیل علیہ السلام سے

کی اور پوچھا تو جواب دیکھیے، فرماتے ہیں، جو حکم آپؑ کو دیا گیا ہے اس پر عمل کریں۔ نبیؑ کا خواب بھی وحیٔ الٰہی ہوتا ہے۔ اباجان! آپؑ کا خواب بھی وحی الٰہی ہے۔ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں۔ آپ حکم پورا کر گزریں۔ آپ نے مجھ سے پوچھا تو میرا خیال ہے، اللہ کریم نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ اس وحی میں آپؑ کو مجھے ذبح کرنے کا حکم ہے تو میرے لیے ذبح ہونے کا حکم موجود ہے۔ آپ تعمیلِ ارشاد کریں میں بھی صبر و شکر کے ساتھ قبول کروں گا۔

یہاں سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وحیِ الٰہی دو طرح ہے۔ وحی مَتْلُوٌّ اور وحیٔ غیر مَتْلُوٌّ۔ قرآن حکیم وحی مَتْلُوٌّ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ جو احکام قرآن میں نہیں ہیں اور جو ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قرآن کی وضاحت اور مفہوم بیان کرنے میں ہیں وہ وحیٔ غیر مَتْلُوٌّ ہے۔

اسی طرح یہ حکم کہ اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کریں۔ یہ حکم کسی صحیفہ میں نہیں اترا۔ ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم ہوا۔ اور اسمٰعیل علیہ السلام نے خواب سن کر عرض کی کہ آپؑ تعمیلِ حکم کریں ثابت ہوا کہ انبیاؑ ارشادِ باری کی جو شرح فرماتے ہیں وہ بھی وحیِ الٰہی ہوتی ہے لیکن غیر مَتْلُوٌّ وحی اس کی تلاوت نہیں ہوتی۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیثِ مبارکہ وحیٔ الٰہی ہے، اس کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسا قرآن کا انکار کفر ہے۔ ہاں حدیث کی تحقیق کرنا ضروری ہے کہ حدیث درست اور مستند ہے تاکہ حدیث کے نام پر کوئی خرافات نہ بیان کرتا رہے۔ قرآن کو سمجھنا اور بیان کرنا شانِ نبوت ہے اور قرآن کا وہی مفہوم لینا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ کو سمجھایا، صحابہؓ نے سمجھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اس پر عمل کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے قبول فرمایا کہ اس کا یہی مفہوم درست ہے۔

اس آیہء مبارکہ سے یہ نکتہ بھی سمجھایا جارہا ہے کہ جسے جتنا قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے وہ اتنا ہی اللہ کا اطاعت گزار بن جاتا ہے۔ ہمارے ہاں معاملہ الٹ گیا ہے۔ جو چند دن نمازیں پڑھ لے وہ سمجھتا ہے کہ اب دنیا کا نظام ویسے چلنا چاہیے جیسے وہ کہے۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہم ذکر بھی کرتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں، نمازیں بھی پوری پڑھتے ہیں مگر دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ اب ان کی مرضی سے کائنات کا نظام چلے۔ دعا تو اس کا نام رکھا ہوا ہوتا ہے، لگتا ایسے ہے جیسے اللہ کو حکم دے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ!) حقیقت میں دعا تو ایک عاجزانہ درخواست ہے پھر اس کے قبول نہ ہونے کا شکوہ کیسا؟

اس واقعے میں والد اللہ کے نبیؑ ہیں اور بیٹا بھی اللہ کا نبیؑ۔ بیٹا بھی وہ جو بڑھاپے میں عطا ہوا اور وہ فرزند ارجمند جن کی پیشانی میں نورِ نبوت رقصاں تھا۔ اور انوارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی موجود تھے۔ کیا

خوبصورت بیٹا، جس کا معصومانہ بچپن تو اُسے اللہ کے حکم پر ذبح کرنا، یقیناً بہت بڑا کام تھا! اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ آپ ان شاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے۔ یہ کمال درجے کی اطاعت ہے، یہ نبوت کی شان ہے کہ نبیؑ اللہ سے منواتے نہیں، اللہ کی مانتے ہیں۔ ولایت بھی یہی ہے کہ اللہ کی رضا قبول کی جائے، اللہ کی مانی جائے نہ کہ اللہ کو مشورے دیے جائیں۔ بھلا ہم کیا جانتے ہیں، ہمارا علم کیا ہے، ہمارے جاننے کی حیثیت کیا ہے!

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ غرض جب دونوں نے (اللہ کا حکم) تسلیم کرلیا اور اس (بیٹے) کو کروٹ پر لٹایا جب باپ بیٹے میں بات طے ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔ مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ آپؑ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اسمٰعیل علیہ السلام کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھی کہ کہیں باپ کو دیکھ کر بیٹا نہ تڑپ اٹھے اور کہیں بیٹے کو دیکھ کر اپنا ہاتھ نہ لرز جائے۔ آپؑ نے بیٹے کو لٹایا اور بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر چھری چلادی۔ گردن کٹ گئی، خون بہہ نکلا۔ جب آپؑ نے اپنی آنکھوں پر سے پٹی کھولی تو دیکھا وہاں دنبہ کٹا پڑا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام پاس کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اور ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ بے شک آپ نے خواب کو سچا کردکھایا یقیناً ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ بلاشبہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دے دیا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پکار کر فرمایا کہ آپؑ نے اپنے خواب کے مطابق عمل کیا۔ آپؑ نے اسمٰعیل علیہ السلام ہی کو ذبح کردیا اور حکمِ الٰہی پورا کیا۔ یہ ہماری قدرتِ کاملہ تھی کہ ہم نے جنت سے دنبہ بھیج دیا اور آپؑ کی چھری کے نیچے سے اسمٰعیل علیہ السلام کو نکال کر کھڑا کردیا۔ یہ ہمارا کرم تھا۔ جو خلوصِ دل سے ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ان پر ہم ایسے ہی احسان فرماتے ہیں۔ ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اسی طرح احسانات فرمائے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہم نے اس کے بدلے جنت سے خاص دنبہ عظیم قربانی بھیج دی جو آپؑ کے ہاتھوں ذبح ہوا۔

قربانی، مستقل عبادت:

فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان (ابراہیم علیہ السلام کے ذکرِ خیر) کو رہنے دیا۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ ابراہیم (علیہ السلام) پر سلامتی ہو۔ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

اللہ کریم نے آپؑ کی یہ یادگار بعد میں آنے والوں میں بھی قائم رکھی کہ لوگوں کو پتا چلتا رہے کہ تعمیلِ ارشادِ باری کا معیار کیا ہے۔ کس طرح اطاعتِ الٰہی کرنا چاہیے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اطاعتِ الٰہی کا حق کیسے ادا ہوتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد کے زمانوں میں لوگ مشرک ہو گئے، کفار ہو گئے، دین سے دور ہو گئے لیکن عجیب بات ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت تک مشرکینِ مکہ بھی قربانی کرتے تھے۔ دین کی کچھ یادگار باقی تھی اُن میں قربانی بھی تھی۔ رسوم بن چکی تھیں لیکن قربانی کی یاد ختم نہیں ہوئی تھی۔ مشرکینِ عرب بھی قربانی کرتے تھے۔ بعثتِ عالی کے بعد یہ یادگار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت بن کر جاری کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت کو زندہ فرمایا اور مسلمان، اسلام کے مطابق قیامت تک قربانی کرتے رہیں گے۔

آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کے حصول کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلوصِ دل سے اطاعت کر کے آخرت کما لیں، آخرت سنوار لیں۔ اللہ کریم کی طرف سے تاکید ہے کہ جو خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان پر ایسے ہی احسانات فرمائے جاتے ہیں۔ جو دل کی رضامندی سے، دل کی گہرائی سے، صدقِ دل سے ہماری اطاعت کرتے ہیں ہم ان کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔

ہمیں تو دنیا کی ہوس ہی نہیں چھوڑتی۔ دنیا مانگتے، مانگتے عمر بیت جاتی ہے حالانکہ دنیا کی نعمتیں ہر ایک کو تقسیم ہو چکی ہیں۔ جس کا جو مقدر ہے وہ اسے ہر حال میں ملنا ہے۔ کوئی اپنا حصہ لیے بغیر، رزق کھائے بغیر نہیں جاتا۔ حاصل کرنے والی چیز آخرت ہے۔ اللہ تو جانتے ہیں کہ کس کا کیا انجام ہوگا۔ ہمیں معلوم نہیں لیکن ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی خلوصِ دل سے کر کے آخرت کما لیں۔ ہماری توجہ اس طرف کم ہوتی ہے تو یہاں توجہ دلائی جا رہی ہے۔

ایمان:

ایمان، یقین کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ اعتبار و اعتماد کا جو سب سے بلند درجہ ہے اسے ایمان کہتے ہیں۔ جب کسی بات کا پختہ یقین ہو تو کہا جاتا ہے: میرا ایمان ہے۔ 'I believe' یعنی یقین کا جو آخری درجہ ہے وہ ایمان کہلاتا ہے۔

فرمایا: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۱﴾ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ انبیائے کرام کا ایمان ویقین مثالی ہوتا ہے۔ اعلیٰ ترین ہوتا ہے۔ اس کے باوجود الگ سے ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر فرمایا۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے ان کو اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت دی کہ نبی نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ اور ہم نے ان پر اور اسحٰق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی نسل میں سے کچھ اچھے ہیں اور کچھ اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی۔ جو ان کی اہلیہ حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور ہم نے آپؑ پر اور آپؑ کے صاحبزادے اسحٰق علیہ السلام پر برکات نازل فرمائیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام وہ خوش نصیب نبیؑ ہیں کہ آپؑ سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سارے نبیؑ آپؑ کی اولاد ہیں، آپؑ کی نسل میں ہوئے۔

چونکہ دنیا میں یہ فیصلہ، اللہ نے بندوں کے اختیار میں دے دیا ہے کہ: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان:3) بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھادی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو۔ یعنی اس کے سامنے راستے واضح کر دیے ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے تو ہدایت اختیار کر لے، چاہتا ہے تو ناشکری کا راستہ اپنا لے۔ سیدھا راستہ چنتا ہے یا غلط، یہ فیصلہ انسان کا ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ اتنی عظیم ہستی کی نسل جس میں صدیوں نبوت جاری رہی۔ اس بہترین نسل میں ایسے لوگ بھی گزرے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں مسلسل انبیاؑ مبعوث ہوتے رہے اور آپؑ ہی کی نسل میں اللہ کے نافرمان اور نبیوںؑ کے دشمن بھی ہوئے۔ جس نے نافرمانی کی اس نے کسی کا کچھ نہ بگاڑا اپنے آپ پر ہی ظلم کیا۔

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر بھی احسان فرمایا۔

اللہ کریم کا سب سے بڑا احسان نبوت ہے۔ اس کے علاوہ دنیوی طور پر بھی اللہ کریم نے ان دونوں پاک ہستیوں پر اپنے احسانات فرمائے اور انؑ کے ذریعے ان کی قوم پر احسان فرمایا۔ کہاں فرعون اور کہاں بنی اسرائیل! فرعون تو بادشاہ تھا، اس کی قوم بھی بنی اسرائیل کے لیے بادشاہ بنی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کی تو کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ ایک عام قبطی ان پر ایسے حکم چلاتا جیسے فرعون کا حکم چلتا تھا۔ انہیں مار دینا جرم نہیں تھا۔ بھوکا پیاسا رکھیں، سارا دن مشقت لیں، اجرت نہ دیں، ان کا کوئی مطالبہ نہ تھا نہ ان کی کوئی ملکیت تھی۔ اللہ کریم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذریعے بنی اسرائیل پر بہت سے احسانات کیے۔

سورۃ الصّٰفّٰت رکوع 4 آیات 115 تا 138

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿١١٥﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَاِنَّ
لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ
مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَبِالَّيْلِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے دکھ سے نجات بخشی ﴿۱۱۵﴾ اور ہم
نے ان سب کی مدد کی، سو وہی لوگ غالب آئے ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے ان دونوں کو
واضح کتاب عطا فرمائی ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے پر قائم
رکھا ﴿۱۱۸﴾ اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں (ان کا ذکرِ خیر)

باقی چھوڑا ﴿۱۱۹﴾ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلامتی ہو ﴿۱۲۰﴾ بے شک ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۲۱﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ﴿۱۲۲﴾ اور یقیناً الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۲۳﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم (اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۲۴﴾ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو؟ ﴿۱۲۵﴾ اللہ جو تمہارے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کے پروردگار ہیں ﴿۱۲۶﴾ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، سو وہ پکڑے جائیں گے ﴿۱۲۷﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ﴿۱۲۸﴾ اور ہم نے ان (الیاس علیہ السلام) کے پیچھے آنے والوں میں ان (کے ذکرِ خیر) کو رہنے دیا ﴿۱۲۹﴾ الیاسین پر سلامتی ہو ﴿۱۳۰﴾ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۳۱﴾ بلاشبہ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے ﴿۱۳۲﴾ اور بے شک لُوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۳۳﴾ جب ہم نے ان کو اور ان کے سب متعلقین کو نجات بخشی ﴿۱۳۴﴾ سوائے اس بڑھیا (ان کی بیوی) کے کہ وہ رہنے والوں میں رہ گئی ﴿۱۳۵﴾ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا ﴿۱۳۶﴾ اور بے شک تم صبح کو بھی ان (بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو ﴿۱۳۷﴾ اور رات کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿۱۳۸﴾

تفسیر و معارف

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ہم نے ان سب کی مدد کی، سو وہی لوگ غالب آئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون اور قبطیوں کے ہاتھوں وارد ہونے والی بڑی مصیبت سے نجات دے دی۔ فرعون اور قبطیوں کو ان کے

لشکروں سمیت غرق کر کے سلطنت، حکومت، محلات اور خزانے بنی اسرائیل کے حوالے کر دیئے۔ ہم نے ان کی مدد کی تو وہ غالب آئے۔

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ دین ہوگا تو آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔ آخرت سنور رہی ہوگی تو عزت واحترام ہوگا۔ محبت وسکون ملے گا یعنی دنیا کی نعمتیں چاہییں، عزت وسربلندی چاہیے، حکومت واقتدار چاہیے تو اللہ کی اطاعت کرو اللہ سے آخرت مانگو۔ یہ ملے گی، آخرت بناؤ گے تو دنیا کی عزت وسربلندی پاؤ گے۔ اور اگر اللہ کی اطاعت نہیں کرو گے تو خواہ حکمران بن جاؤ، ٹکے کی عزت اور احترام نہیں ملے گا۔ ہر فرد برا بھلا کہہ رہا ہوگا۔ سکون کا لمحہ نہیں پاؤ گے، چین کی نیند نہیں ملے گی۔

جب اللہ کریم نے مدد کی تو بنی اسرائیل غالب آگئے۔ وہ جو دَم نہیں مار سکتے تھے وہ غالب آگئے، ملک ان کا ہوگیا، حکومت ان کے ہاتھ آئی اور وہ خزانوں کے مالک بن گئے لیکن سب سے بڑا انعام اللہ کا کلام ہے۔ فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب عطا فرمائی۔ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے پر قائم رکھا۔

نزولِ تورات، ایک الگ احسان شمار کیا جا رہا ہے۔ اللہ کریم نے ان دونوں نبیوں علیہما السلام کو تورات عطا فرمائی جس میں واضح احکامات درج تھے اور حق وباطل کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ گویا اللہ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان، کتابِ الٰہی کا مل جانا ہے۔ فرمایا، ہم نے ہی انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا۔ اللہ کریم اس توفیق کو اپنا احسان ارشاد فرما رہے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ ہم نے اسے اُلٹ دیا ہے۔ ہم جب نیکی کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے احسان کیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں، میں نیکی پر قائم رکھتا ہوں۔

بندے کے پاس فیصلے کا اختیار ہے کہ اسے نیکی کرنی ہے یا بدی لیکن نیکی کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں کو توفیق دینا، دماغ کو شعور دینا، بات کی سمجھ دینا، رکوع وسجود کی طاقت دینا، یہ سب کام اللہ کے ہیں۔ بندہ تو صرف انتخاب کر سکتا ہے۔ توفیق اللہ کی عطا ہے۔ اگر کسی کے پاس دولت ہے تو کس نے دی ہے؟ صحت ہے، عقل وشعور ہے، اعضا و جوارح ہیں یا قوت ہے تو کس کی عطا ہے؟

فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں (ان کا ذکرِ خیر) باقی چھوڑا۔ قیامت تک آپ علیہما السلام کی باتیں ہوتی رہیں گی۔ انؑ کی اطاعت کی نظیریں پیش کی جاتی رہیں گی۔ اُنؑ کے معجزات بیان ہوتے رہیں گے۔

'علیہ السلام' صرف انبیا کے لیے:

فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلامتی ہو۔ قرآن میں انبیا پر جو سلام کہا گیا ہے اس لیے یہ لفظ نبیوںؑ کے لیے خاص ہو گیا ہے۔ جس کے نام کے ساتھ علیہ السلام لگا دیں تو سمجھ آجاتی ہے کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔ علما نے فرمایا ہے کہ اللہ نے صرف نبیوںؑ پر سلام بھیجا ہے لہٰذا کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لگائیں تو اس کا مطلب ہے آپ اُسی ہستی کو نبی مانتے ہیں۔

انبیاؑ کے بعد صحابہ کرام کے لیے اللہ کریم نے فرمایا ہے: رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ:100) اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔ اللہ کریم اُنؓ سے راضی ہوئے۔ اللہ کریم نے اُنؓ پر اتنے انعامات کیے کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے شریعت کی اصطلاح میں صحابہؓ وصحابیاتؓ کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہا جاتا ہے۔ جس ہستی کے لیے رضی اللہ عنہ بولا جائے گا تو یہ دلیل ہوگی کہ یہ بندہ صحابیؓ ہے۔ اُنؓ کے بعد اُمت کے اولیاء اللہ، علماء، صالحین جو دنیا سے گزر گئے، کے لیے رحمۃ اللہ علیہ استعمال ہوتا ہے یعنی ان پر اللہ کی رحمت ہو۔ اس طرح رتبے کے حساب سے القابات میں درجہ بندی ہے۔

فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ بے شک ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ خلوص سے اطاعت کرنے والوں کو ہم ایسے ہی نوازا کرتے ہیں۔ اُن کے مقابلے پر فرعون بھی ہو تو تباہ ہو جاتا ہے۔ قوم غلام ہو تو آزاد ہو جاتی ہے۔ وہ محکوم ہوں تو حاکم بن جاتے ہیں۔ مفلس ہوں تو غنی ہو جاتے ہیں یعنی جو دین کو فوقیت دیتا ہے اُسے دین کے ساتھ دنیا بھی مل جاتی ہے اور جو صرف دنیا چاہتا ہے وہ دین بھی کھو بیٹھتا ہے اور دنیا میں بھی سکون چین یا عزت نہیں پاتا۔ اللہ کریم نے پہلے کی طرح یہاں بھی دونوں نبیوں علیہما السلام کی توقیر فرمائی ہے کہ یہ دونوں ایمان والے لوگ تھے ایمان و یقین کا اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔

الیاس علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اور یقیناً الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم (اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو؟

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے۔ ان کے بارے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپؑ زندہ ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر اسرائیلیات پر مبنی ہے۔ بنی اسرائیل کی پھیلائی ہوئی باتوں کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ اسی طرح لوگ حضرت خضرؑ کو بھی زندہ خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ حقیقت اور بے غبار بات یہ ہے کہ بعض ارواحِ مقدسہ، انبیاء کی ہوں، صحابہ کرامؓ کی ہوں یا اولیاء اللہؒ کی جب وہ دنیا سے برزخ میں منتقل ہوتی ہیں، انہیں تکوینی امور انجام دینے پر لگا دیا جاتا ہے۔ جس طرح دنیا و مافیھا میں اصل حکومت اللہ کریم کی ہے اور اللہ کے فرشتے اللہ کے حکم سے دنیا کے سارے امور انجام دیتے ہیں۔ ہواؤں کا چلنا، بادل کا بننا، بارش کا برسنا، اس کے ایک ایک قطرے کو اس کی معیّن جگہ پہنچانا یہ سب فرشتوں کے ذریعے سرانجام پاتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک فرد کے ساتھ بے شمار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے بدن کے نظام کو چلائے رکھتے ہیں۔ ان مقدس ارواح سے بھی فرشتوں کے سے کام لیے جاتے ہیں۔ جیسے خضرؑ اللہ کے ولی تھے۔ بنی اسرائیل میں تھے۔ اپنے وقت کے قطب مدار تھے۔ بعد از وفات ان کی روح کو بھی تکوینی امور پر لگا دیا گیا اور تا حال جس عہد میں جو ہستی قطب مدار ہو اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی تکوینی امور پر لگا دیا ہو تو وہ الگ بات ہے لیکن آپؑ اپنے عہد میں دنیا پر تھے۔ اپنے وقت پر وصال فرما گئے۔ انبیاءؑ میں صرف عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ آپؑ کی وفات نہیں ہوئی۔ آپؑ کو زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ آپؑ آسمانوں پر زندہ ہیں۔ اپنے مقررہ وقت پر دنیا میں تشریف لائیں گے، دنیا میں رہیں گے، شادی کریں گے، وصال ہوگا اور روضہ اطہر میں دفن ہوں گے۔ یہ ساری بات وحی غیر مَتْلُوٌّ یعنی حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے۔

الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہی پیغام دیا کہ کیا تمہیں اللہ سے حیا نہیں آتی؟ جو تعلق محبت و خلوص کا ہو پھر اس میں کمی آنے کا خطرہ ہو، اس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو، اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ آپؑ نے قوم سے فرمایا کہ تمہارا خالق، مالک، رازق سب کچھ وہی ہے تو اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں، تمہیں حیا نہیں آتی کہ نافرمانی کرنے سے اللہ ناراض ہوں گے۔ کیا تمہیں اس تعلق کی پروا نہیں کہ تم بعل بت کو پوجتے ہو؟ اور اللہ تو سب سے بہترین خالق ہے۔ لفظ خالق کا اطلاق صرف اللہ پر ہوتا ہے۔ خالق کا معنی ہے عدم سے وجود تخلیق کرنے والا۔ کچھ بھی نہیں تھا اور اس نے وجود تخلیق کیے۔ عدم سے وجود دینے والا خالق ہے۔ جو مادّہ اللہ نے پیدا کر دیا اس کی مختلف صورتیں جوڑ کر اللہ کی دی ہوئی عقل استعمال کر کے کچھ بنا لیا تو وہ بنانے والا خالق نہیں بلکہ موجد ہے لہٰذا اللہ کے علاوہ خالق کوئی نہیں۔ کسی انسان کا خود کو خالق کہلوانا یا دوسروں کا اُسے خالق کہنا کسی طرح جائز نہیں۔ خالق صرف اللہ واحد ولاشریک ہے اور اللہ کے

نبیؑ یہی فرما رہے ہیں کہ اللہ بہترین خالق ہے۔ فرمایا گیا: اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ بیٹھے ہو؟ اگر اور بھی بہت سے خالق ہوتے تو پھر یہاں لفظ الہٰ، یا اللہ آتا چونکہ خالق ہونے پر ہی جھگڑا تھا کہ ہر بندہ خود کو خالق سمجھتا۔ اسی لیے لفظ خالق فرمایا گیا کہ اس جیسا کوئی خالق نہیں۔ کوئی خالق نہیں بجز اللہ کے۔ اور فرمایا: اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ اللہ جو تمہارے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کے پروردگار ہیں۔

ربّ اس ہستی کو کہتے ہیں جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت سے ہر لمحہ آگاہ ہو اور ہر وقت، ہر جگہ، ہر ضرورت پوری کرنے پر قادر ہو اور کر رہا ہو۔ آپؑ نے فرمایا تمہارا ربّ بھی اللہ ہے اور تمہارے پہلوں کا ربّ بھی اللہ۔ تم نے اللہ کو چھوڑ دیا اور بعل بت کو معبود بنالیا۔ اتنا سمجھانے کے بعد بھی وہ نہ مانے۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، سو وہ پکڑے جائیں گے۔ ان لوگوں نے الیاس علیہ السلام کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مجرموں کی طرح پکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے۔ مجرموں کی حیثیت میں انہیں حضورِ حق میں جوابدہی کے لیے لایا جائے گا۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ ہاں! اس گرفتاری سے اللہ کے مخلص بندے ہی بچیں گے۔ میدانِ حشر میں جہاں منکرین ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر مجرموں کی طرح جواب طلبی کے لیے لائے جائیں گے وہاں عزت سے حضورِ حق میں پیش ہونے والے اللہ کے وہ بندے ہوں گے جو خلوص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ اور ہم نے ان (الیاس علیہ السلام) کے پیچھے آنے والوں میں ان (کے ذکرِ خیر) کو رہنے دیا۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ الیاسین پر سلامتی ہو۔

یہ منصب انبیاؑ کا ہے۔ اللہ نے انہیں پیدا ہونے سے پہلے پیدا ہونے کے بعد دنیا میں، میدانِ حشر میں، قیامت میں ہر جگہ سلامتی کا پیغام دیا ہے۔ اور یہ شانِ انبیاء ہے کہ انہیں زندگی میں سلامتی کا پیغام دیا گیا۔

صحابہ کرامؓ میں سے بعض ہستیاں ایسی ہیں، ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشۃ الصدیقہؓ کے بارے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل امین آئے ہیں اور اللہ کریم کی طرف سے آپؓ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ یہ ورنہ یہ شانِ انبیاؑ ہے۔ اور فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ بے شک ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ کر دیا کرتے ہیں۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ بلاشبہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

نوازے جانے کے لیے صرف اطاعت نہیں، خلوصِ دل سے اطاعت شرط ہے۔ رسم نبھانا شرط نہیں کہ حج کر

لیا، حاجی کہلوانے کے لیے۔ قبولیت کے لیے صدقِ دل چاہیے، خلوصِ دل چاہیے۔ نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا، سخاوت کرنا، یہ سب اس لیے نہیں کہ صوفی کہلائیں یا نیک کہلوائیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر عمل پورے خلوص سے اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور اس طرح کیا جائے جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تعلیم فرماتے ہیں۔ ہر کام تب قبول ہوتا ہے جب حکم اللہ کا ہو، طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہو اور خلوصِ دل سے اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

اپنے نبیوںؑ کے بارے یہ فرما کر کہ وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے، اُمتیوں کے لیے تاکید فرمائی ہے کہ اس طرح مانو جس طرح انبیاؑ نے مانا اور صدقِ دل سے اور خلوص سے اطاعت کی۔ انبیاؑ کا خلوص اپنے ارفع مقام کے مطابق ہوتا ہے اور امت کا اپنی حیثیت کے مطابق لیکن اصول واضح ہے، طے ہے کہ انبیاؑ کی پیروی ضروری ہے۔ اور صدقِ دل سے اطاعت شرط ہے۔

لوط علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ اللہ کریم یکے بعد دیگرے اپنے محبوب بندوں کا ذکرِ خیر کس محبت سے فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں لوط علیہ السلام بھی ہمارے رسولوںؑ میں سے ایک رسولؑ تھے اور یقیناً اللہ کے مقرب، اللہ کے نبی علیہ السلام تھے۔ آپؑ قوم کو اللہ کی فرمانبرداری کی تبلیغ فرماتے رہے۔ برائیوں کے انجام بد سے خبردار کرتے رہے لیکن قوم نے سخت نافرمانی کی، بڑے شدید گناہ کیے۔ آپؑ کی بات نہ مانی اور آپؑ کو ایذائیں دینے لگے تو اللہ جلّ شانہٗ کے عذاب نے ان منکرین کو گھیر لیا۔ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ جب ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین کو نجات بخشی۔ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ سوائے اس بڑھیا (ان کی بیوی) کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں رہ گئی۔ اللہ جلّ شانہٗ نے نبیؑ کے ماننے والوں کو اپنے نبیؑ کی معیت میں نجات دی۔ یہاں بھی لفظ اھل کی وضاحت ہوگئی کہ جو آپؑ کے اطاعت گزار تھے اُن سب کو اللہ کریم نے نجات دی لیکن اُن کی اہلیہ کو جو عمر رسیدہ تھیں جنہوں نے اللہ کے نبیؑ کے ساتھ ایک عمر بسر کی لیکن وہ دل سے کفار کے ساتھ تھی تو اس کا انجام بھی کفار کے ساتھ ہوا۔ آپؑ کی اہلیہ ہو کر بھی آپؑ کے اھل میں شامل نہیں کی گئی۔ جس طرح نوح علیہ السلام کا بیٹا اولاد ہو کر اہل میں شامل نہ ہو سکا کیونکہ وہ غیر صالح تھا۔ اھل وہی شمار ہوتے ہیں جن کا عقیدہ اللہ کے نبیؑ کے ارشاد کے مطابق ہو اور ان کا کردار بھی صالح ہو۔ جو خلوصِ دل سے نبیؑ کی اطاعت کریں۔ جو لوگ اطاعت گزار تھے وہ بچا لیے گئے اور: ثُمَّ

دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ﴿۱۳۶﴾ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں: وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ﴿۱۳۷﴾ اور بے شک تم صبح کو بھی ان (بستیوں کے پاس سے گزرتے رہتے ہو۔ وَبِالَّيۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴿۱۳۸﴾ اور رات کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے اہل عرب! تم تو رات، دن اپنے اسفار میں وہاں سے گزرتے ہو جہاں ان کے برباد شدہ گھر اور ٹھکانے، سڑکیں اور راستے ویران پڑے ہیں۔ یہ تباہ حال بستیاں تمہارے تجارتی سفر کے راستے میں نظر آتی ہیں، تمہیں احساس نہیں ہوتا، تم عبرت حاصل نہیں کرتے۔ کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کہ ان لوگوں کا انجام دیکھو جنہوں نے اللہ اور اللہ کے نبیوںؑ کی نافرمانی کی تو دنیا میں ان کا انجام کیا ہوا؟ ان کا یہی انجام ان کی آخرت کی تباہی پر دلیل بن جاتا ہے۔ جن پر دنیا میں عذاب آئے وہ آخرت میں کیسے بچیں گے؟ کیا یہ سب کچھ دیکھ کر بھی تمہیں عقل نہیں آتی؟

سورة الصّٰفّٰت رکوع 5 آیات 139 تا 182

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ
فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ
مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ
وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ
اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ
الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ
اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ اَصْطَفَى
الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾
اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ
مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ
كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا
لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۳۹﴾ جب
بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے ﴿۱۴۰﴾ پھر (اس وقت) قُرعہ ڈالا گیا تو
یہی ملزم ٹھہرے ﴿۱۴۱﴾ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے کو ملامت کر رہے
تھے ﴿۱۴۲﴾ پھر اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ
ہوتے ﴿۱۴۳﴾ تو اس روز تک کہ (مردے) دوبارہ زندہ کیے جائیں
گے اسی کے پیٹ میں رہتے ﴿۱۴۴﴾ پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال
دیا اور اس وقت وہ بیمار تھے ﴿۱۴۵﴾ اور ہم نے ان پر ایک بیل دار پودا بھی
اگا دیا ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف
(پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا ﴿۱۴۷﴾ پھر وہ ایمان لائے تو ہم نے ایک زمانہ تک
ان کو فائدہ دیا ﴿۱۴۸﴾ پس آپ ان سے پوچھیئے کہ کیا آپ کے پروردگار کے
لیے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے (ہیں) ﴿۱۴۹﴾ یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں
بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے ﴿۱۵۰﴾ دیکھو! یہ اپنی جھوٹ بنائی ہوئی
بات کہتے ہیں ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ صاحبِ اولاد ہیں اور یقیناً یہ جھوٹے
ہیں ﴿۱۵۲﴾ کیا اس (اللہ) نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند
فرمائیں؟ ﴿۱۵۳﴾ تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟ ﴿۱۵۴﴾
بھلا کیا تم غور نہیں کرتے؟ ﴿۱۵۵﴾ ہاں، کیا تمہارے پاس کوئی صاف دلیل
ہے ﴿۱۵۶﴾ اگر تم سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو ﴿۱۵۷﴾ اور انہوں نے

اس (اللہ) میں اور جنّوں میں رشتہ داری قرار دی ہے حالانکہ جنّات جانتے ہیں کہ یقیناً وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے ﴿۱۵۸﴾ اللہ ان باتوں سے پاک ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ مگر اللہ کے خالص بندے (وہ عذاب میں نہ ہوں گے) ﴿۱۶۰﴾ سو تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۱۶۱﴾ تم اس (اللہ) کے خلاف بہکا نہیں سکتے ﴿۱۶۲﴾ سوائے اس کے جو (علمِ الٰہی میں) جہنم میں جانے والا ہے ﴿۱۶۳﴾ اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے ﴿۱۶۴﴾ اور بے شک ہم صف بستہ رہتے ہیں ﴿۱۶۵﴾ اور بے شک ہم (اللہ کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں ﴿۱۶۶﴾ اور یہ لوگ کہا کرتے تھے ﴿۱۶۷﴾ کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی ﴿۱۶۸﴾ تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے ﴿۱۶۹﴾ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے پس جلد ہی جان لیں گے ﴿۱۷۰﴾ اور یقیناً ہمارے (خاص) بندوں یعنی پیغمبروں کے لیے ہمارا یہ قول پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے ﴿۱۷۱﴾ کہ بے شک ان ہی کی مدد فرمائی جائے گی ﴿۱۷۲﴾ اور یقیناً ہمارے لشکر ہی غالب رہیں گے ﴿۱۷۳﴾ پس تھوڑے عرصے تک ان سے درگزر (اعراض) کیے رہیے ﴿۱۷۴﴾ اور ان کو دیکھتے رہیے عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ﴿۱۷۵﴾ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں ﴿۱۷۶﴾ پھر جب وہ ان کے روبرو آنازل ہوگا تو جن کو ڈرایا جا چکا ان کے لیے بہت برا دن ہوگا ﴿۱۷۷﴾ اور آپ تھوڑے عرصہ تک ان کا خیال نہ کیجیے ﴿۱۷۸﴾ اور دیکھتے رہیے۔ سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ﴿۱۷۹﴾ آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۸۰﴾ اور پیغمبروں پر سلام ہو ﴿۱۸۱﴾ اور تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۸۲﴾

تفسیر و معارف

یونس علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اور بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ اللہ نے آپؑ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ آپؑ نے قوم کے ساتھ بڑا عرصہ محنت کی لیکن لوگوں نے مان کر نہ دیا۔ حتیٰ کہ ایسا وقت آ گیا کہ اللہ جل شانہٗ نے آپؑ کو خبر دے دی کہ ان منکرین پر اب من جانب اللہ عذاب واقع ہوگا۔ آپؑ نے وہ خبر قوم کو سنا دی اور پیش گوئی کر دی کہ اگر تم باز نہ آئے تو تباہ کر دیے جاؤ گے۔ قوم سے خفا ہو کر ان کے کردار سے نا اُمید ہو کر آپؑ علاقہ چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ سارا عرصہ آپ نے قوم میں گزارا۔ ساری محنت اور عمر بھر کے مجاہدے کا حاصل کوئی ایک بندہ بھی ساتھ نہیں تھا۔ آپؑ اکیلے تھے۔

اگلے دن قوم نے آپؑ کے ارشاد کو سچ ہوتے دیکھا۔ عذاب کے آثار نظر آئے تو آپؑ کو تلاش کیا۔ جب پتا چلا کہ آپؑ قوم میں موجود نہیں تو گھبرا گئے۔ وہ لوگ پہلی قوموں کے حالات بھی جانتے سنتے تھے کہ جب اُن قوموں کے انبیاءؑ اُن سے الگ ہو گئے تو قومیں تباہ ہو گئیں۔ تب قوم کے اکابر جمع ہوئے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ توبہ کر لینی چاہیے ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے اور یہ کہ اللہ کا کرم ہے کہ ابھی عذاب ظاہر نہیں ہوا۔ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ عذاب ظاہر ہو جائے تو پھر توبہ کی قبولیت کا وقت گزر جاتا ہے پھر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسے فرعون نے بھی توبہ کی تھی لیکن تب کی تھی جب اس پر برزخ کھل گیا تھا۔ ارشادِ باری ہوا تھا کہ جب توبہ کا وقت تھا، تمہارے پاس فرصت اور مہلت تھی اس وقت تم اکڑتے تھے، کفر پر مُصر رہے تھے۔ چونکہ ایمان بالغیب مطلوب ہے اور وہ دارِ دنیا میں نصیب ہوتا ہے۔ تم نے تب نہ مانا، اب وہ وقت گزر چکا۔

ایمان بالغیب ایمان لانے کے لیے شرط ہے یعنی نبیؐ کے ارشاد پر، نبیؐ کے بتا دینے پر ایمان لایا جائے۔ اپنی عقل پر نہیں، اپنے تجربے پر نہیں۔ خود دیکھ کر ماننا قبول نہیں کہ جب دیکھ لیا تو مانے گا نہیں تو اور کیا کرے گا؟ ایمان بالغیب شرط ہے۔ اگر ہماری عقل اس بات کو نہ مانے، ہماری سمجھ میں نہ آئے، ہمارے شعور میں نہ بیٹھتی ہو لیکن نبیؐ نے فرما دی تو اس کو ماننا ہی ایمان ہے۔ سائنس کے تجربات اور مشاہدات، علم نجوم یا دیگر علوم کچھ بھی کہیں جو بات نبی علیہ السلام سے ثابت ہو جائے، اللہ کے رسول علیہ السلام کا ارشاد ہو تو اس کا ماننا ہی ایمان ہے، باقی سب کو ٹھکرا دینا ہی ایمان ہے۔ ایمان بالغیب کے لیے بندہ صرف نبیؐ کی صداقت پر، نبیؐ کی گواہی پر یقین رکھتا ہو۔

آپؑ کی قوم کو خیال آ گیا، انہوں نے نبیؑ کی گواہی پر یقین کر لیا۔ ساری قوم کے لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ اللہ کریم سے آہ وزاری کی۔ اللہ کریم نے توبہ قبول فرما کر اُن پر عذاب کو ٹال دیا۔

ارشاد ہوتا ہے: اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ جب آپ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اِدھر یونسؑ قوم سے الگ ہو کر کنارِ دریا پہنچے، کشتی سواریوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپؑ بھی سوار ہو گئے۔ اس سے زیادہ قرآن نے بیان نہیں کیا کہ کہاں جانا چاہتے تھے۔ یہی لکھا ہے کہ قوم کے مسلسل انکار اور نافرمانی اور ان کے کردار سے نا اُمید ہو کر تشریف لے گئے۔ آپؑ کا یہ سفر اپنے اجتہاد کی بناء پر تھا۔ وحی سے ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا یعنی یہ حضرتؑ کا اپنا اجتہاد تھا کہ قوم سے اب الگ ہو جانا چاہیے۔ جب آپؑ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی بوجھل ہو گئی۔ کشتی چلانے والے نے کہا یہ ڈوب جائے گی۔ کسی ایک شخص کو اتار دیا جائے تو باقی بچ جائیں گے۔ یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اتار دو۔ کشتی والے نے کہا کہ کشتی میں سوار سب لوگوں کے نام قرعہ ڈالتے ہیں۔ جس کے نام قرعہ نکل آیا وہ اتر جائے۔ انہوں نے قرعہ ڈالا، وہ حضرتؑ کے نام کا ہی نکلا۔ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ پھر (اس وقت) قرعہ ڈالا گیا تو یہی ملزم ٹھہرے۔ آپؑ نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ پھر اُن کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ اللہ کی شان کہ ایک بہت بڑی مچھلی نے انہیں سالم نگل لیا۔ تب آپؑ کو افسوس ہوا کہ میں اجتہاد کر کے چلا آیا۔ جب تک وحیِ الٰہی سے حکم نہ آ جاتا مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔ تب تک مجھے وہاں رہنا چاہیے تھا۔

اصول یہ ہے کہ کسی مجتہد سے اجتہادی غلطی ہو جائے تو اسے اس پر بھی اجر ملتا ہے اور اجتہاد درست ہو تو دُہرا اجر ملتا ہے۔ اجتہاد میں غلطی پر دنیوی تکلیف آ سکتی ہے۔ یونس علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ اللہ کے مقرب تھے۔ اجتہاداً آپؑ کا فیصلہ درست ثابت نہ ہوا تو تکلیف آ گئی۔ مچھلی نے نگل لیا۔ آپؑ کو ادراک ہو گیا کہ مجھ سے درست فیصلہ نہیں ہوا۔ آپؑ کو یہ احساس ہوا تو آپؑ نے تسبیح شروع کر دی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیا: 87) آپ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں آپ پاک ہیں بے شک میں قصورواروں میں سے ہوں۔

آیۂ کریمہ کے فضائل:

مفسرین نے اس آیۂ کریمہ کے بہت سے فضائل احادیثِ مبارکہ سے نقل فرمائے ہیں۔ اسے مشکلات، بیماری اور تکالیف میں بطورِ وظیفہ پڑھنا اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کی اور بہت سی فضیلتیں بھی

بیان ہوئی ہیں۔ ہر بیماری تکلیف اور مشکل کا علاج قرآن مجید ہی ہے۔ اس میں مخلوق کے لیے شفا ہے۔ بہت سی سورتوں کے فضائل احادیثِ مبارکہ میں آئے ہیں۔ کسی کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ سونے سے پہلے پڑھ لیں تو رات امن سے گزرے گی۔ شیطان شرارت نہیں کر سکے گا۔ بعض کے دیگر فضائل آئے ہیں۔ ہماری خرابی یہاں ہوتی ہے جب ہم ان فضائل کے لیے سورتیں یا آیات پڑھتے ہیں لیکن پھر قرآن کی تلاوت ترتیب سے کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن مسلسل ہونی چاہیے۔ وظائف سے الگ ہونی چاہیے۔ کوئی سورت یا آیت بطور وظیفہ پڑھنا چاہیں تو ضرور پڑھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیہء کریمہ اور مخصوص سورتیں ہی پڑھتے رہیں اور باقی قرآن چھوڑ دیں۔ قرآن کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا مقصدِ حیات ہے۔ اگر کسی کو معنی نہ بھی آتے ہوں، وہ تلاوت کرتا رہے تو بھی دل میں نیکی کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ برائی سے بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ تلاوت کا فائدہ ضرور ہوتا ہے لہٰذا یاد رکھیں! قرآن کو روز پڑھیے، ضرور پڑھیے۔ چند آیات ہی پڑھ لیں لیکن رات اور دن قرآن سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔

حیاتِ انبیاؑ:

فرمایا: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ پھر اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ تو اس روز تک کہ (مردے) دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے۔

یہاں سے بھی حیاتِ انبیاؑ کی خبر ملتی ہے کہ اگر آپؑ کا دنیوی عرصہء حیات پورا ہو جاتا۔ مچھلی کے پیٹ میں ہی وصال ہو جاتا تو بھی آپؑ کا وجودِ عالی سلامت رہتا۔ نہ صرف آپؑ کا وجودِ عالی سلامت رہتا بلکہ مچھلی کا وجود بھی سلامت رہتا۔ خواہ مچھلی بھی مر جاتی لیکن اس کا وجود سلامت ہی رہتا۔

انبیا علیھم السلام پر بھی موت آتی ہے لیکن انبیاؑ کی موت عام انسان کی طرح نہیں ہوتی کہ روح الگ ہو جائے اور بدن الگ ہو جائے۔ انبیاؑ کی موت عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ تشریف لے جانا ہے۔ علما نے یہی فرمایا ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ انبیاؑ کا وصال یہ ہے کہ بدن کا جو تعلق امورِ دنیا سے ہوتا ہے یعنی گرمی سردی، بھوک پیاس، سونا جاگنا، یہ تعلق عالمِ دنیا سے موڑ کر عالمِ برزخ کی طرف کر دیا جاتا ہے۔

جس طرح کوئی مسافر وطنِ عزیز سے امریکہ کا سفر کرے تو وہاں جا کر وقت بدل جاتا ہے، سورج کا طلوع و غروب بدل جاتا ہے۔ رات دن بدل جاتے ہیں، موسم بدل جاتا ہے لیکن ضروریاتِ بدن اور امورِ دنیا وہی رہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اس اہم عقیدہ کے بارے احتیاط نہیں کی جاتی۔ جب کوئی کلامِ الٰہی پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اس کا ثواب روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش رہا ہوں۔ یہ جہالت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں۔ نبیوںؑ کے سردار ہیں، خاتم النبیین ہیں، ختم المرسلین ہیں۔ اگر یہ عقیدہ رکھا کہ وصال پر روح الگ ہو گئی اور جسم اطہر الگ ہے تو پھر ان دونوں میں سے نبیؐ کون ہے؟ اگر روحِ مبارک الگ ہے اور نبوت روح اطہر کے پاس ہے تو پھر کلمہ طیبہ یہ ہوگا: روحِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اگر نبوت بدنِ مبارک کے پاس ہے تو پھر کلمہ کیا ہوگا؟ کلمہ تو یہ ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ ہم کلمہ تو اللہ کی الوہیت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پڑھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم روح مع الجسد کا نام ہے۔ جسم اور روح دونوں کے ملنے کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے لہٰذا حیاتِ انبیاؑ کے بارے صحیح عقیدہ رکھا جائے اور اپنے ایمان کی حفاظت کی جائے۔

ایصال ہدیہ کے آداب:

ایصالِ ہدیہ ضرور کیا جائے لیکن آدابِ بارگاہ رسالت ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے۔ جو کلام پڑھا جائے بارگاہِ نبوت میں بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا جائے اور اسے بطور ہدیہ پیش کیا جائے۔

یہ آیۂ مبارکہ بتا رہی ہے کہ اگر آپؑ تسبیح نہ کرتے اور اللہ کریم قبول فرما کر آپؑ کو واپس باہر نہ لے آتے، آپؑ کا وصال مچھلی کے پیٹ میں ہو جاتا تو بھی قیامت تک وجودِ مبارک بھی رہتا اور مچھلی بھی قیامت تک باقی رہتی۔ نہ صرف وجودِ عالی کو دوام ہوتا بلکہ وہ مچھلی آپؑ کے وجود مبارک کا گھر بن کر قیامت تک باقی رہتی۔ شہید جو انبیاؑ کی اطاعت میں جان دے دیتے ہیں اُن کے بارے قرآن کہتا ہے کہ شہید کے بارے یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مر گیا۔ وہ زندہ ہے۔ جب نبیؑ کے اتباع میں شہادت پانے والا زندہ ہے تو خود نبیؑ کی حیات کا کیا عالم ہوگا۔

آپؑ کا ذکرِ خیر جاری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور اس وقت وہ بیمار تھے۔ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے ان پر ایک بیل دار پودا بھی اُگا دیا۔

آپؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے تو جسم کمزور ہو چکا تھا۔ کھال نرم ہو گئی تھی اللہ کریم مسبب الاسباب ہیں۔ دنیا کے لیے چونکہ اسباب ضروری ہیں اس لیے اللہ کریم نے آپؑ پر ایک بیل اُگا دی۔ بیل کے پتے چوڑے اور سایہ دار ہوتے ہیں۔ نرم ہونے کے باعث درمیان میں خلا ہوتا ہے جو دھوپ سے بچاتا اور ہوا کی تندی سے محفوظ رکھتا ہے۔ آپؑ پر جو بیل اُگائی اس سے ایسا سایہ ہوا کہ دھوپ کی غیر ضروری گرمی سے بچاؤ ہوا اور ہوا کا گزر بھی ہوتا رہا۔

قوم جب تائب ہوگئی۔ لوگ توبہ کر کے مسلمان ہو گئے۔ ان پر سے عذاب ٹل گیا تو وہ اپنے نبیؑ کی تلاش میں نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے۔ آپؑ کو پا کر بہت خوش ہوئے۔ اپنے ساتھ واپس لے گئے۔ آپؑ نے پھر وہاں عمر بسر فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تھا۔ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ پھر وہ ایمان لائے تو ہم نے ایک زمانہ تک ان کو فائدہ دیا۔

توبہ، بڑا علاج ہے:

اس قوم کی توبہ نے اُن پر سے عذاب ٹال دیا۔ اس میں ہمارے لیے بھی سبق ہے کہ مصیبتوں، تکلیفوں کا بڑا علاج توبہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے توبہ کو ایسا علاج قرار دیا ہے جو شافی و کافی علاج ہے۔ یہ نسخہ ہر وقت زیر استعمال رہنا چاہیے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ پھر (ان سے کہا) اپنے پروردگار (اللہ) سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (نوح:10,11) وہ تم پر آسمان سے لگاتار بارشیں برسائے گا۔

توبہ کرنا، نادم ہونا، اصلاح احوال کرنا اور استغفار پڑھنا۔ یہ وہ کام ہے کہ جہاں مصیبتیں ٹلتی ہیں وہاں دنیوی نعمتیں بھی ملتی ہیں۔ ہر آن، ہر لمحے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ کون سا لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے استغفار پڑھتے رہنا چاہیے۔ درود شریف کو حرزِ جاں کر لینا چاہیے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت روزانہ کی جانی چاہیے۔ جہاں ہم دنیوی اسباب پورے کرتے ہیں۔ طبیب اور ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں۔ مختلف کاموں کے لیے مختلف حیلے کرتے ہیں وہاں رجوع الی اللہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر احساسِ ندامت کو زندہ رکھیں۔ توبہ کرتے ہیں، استغفار، درود شریف، تلاوت کو باقاعدہ کریں تو سارے دنیوی حیلوں میں سے سب سے زیادہ فائدہ اس کا ہے۔ توبہ، قرآن حکیم کا ارشاد کردہ نسخہ ہے۔

اللہ کریم نے آپؑ کی قوم میں آپؑ کو واپس بھیج کر اس قوم کو اُن کے ایمان لانے کے باعث عرصہ دراز تک فوائد سے بہرہ مند فرمائے رکھا۔ مرورِ زمانہ سے ان میں نافرمانی در آئی اور بت پرستی کے کئی مظاہر رواج پا گئے۔ اسی طرح کئی عجیب و غریب قسم کے مشرکانہ اور کافرانہ عقائد مکہ میں جمع ہو گئے۔ کوئی سورج کی پوجا کرتا تو کوئی ستاروں کی۔ کوئی فرضی خداؤں کو پوجتا اور کوئی کاہنوں، جوگیوں کو۔ جو فرشتوں کے پجاری تھے وہ کہتے، فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ!) یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اتنے کریم ہیں کہ گئی گزری قوم جسے اللہ کے نبیؑ بھی چھوڑ کر

چلے گئے، انھوں نے توبہ کی تو اللہ کریم نے قبول فرمالی تو یہ بدبخت توبہ کیوں نہیں کرتے؟ ان سے پوچھیے:
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ پس آپ ان سے پوچھیے کہ کیا آپ کے پروردگار
کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے (ہیں) اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ یا ہم نے
فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے۔

عربوں کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو سخت مایوس ہو جاتے۔ قتل کر دیتے، زندہ گاڑ دیتے۔ اُن کے اس رویے کی بناء پر فرمایا کہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ یہاں کوئی مغالطے میں نہ آئے۔ اولاد یکساں عزیز ہوتی ہے۔ اولاد اللہ کی عطا ہے۔ بیٹیاں ہوں یا بیٹے۔ اس آیہء کریمہ میں کفار کا رویہ بیان ہو رہا ہے۔ اس نسبت سے بات کی جا رہی ہے۔ اللہ کریم نے یہاں اپنی ذات کے لیے صفاتی نام ربّ استعمال فرمایا ہے کہ جو ساری کائنات کو پال رہا ہے جو ہر شئے کا بنانے والا ہے اس کے لیے تم اولاد مان رہے ہو۔ یہ شرک ہے اور ربّ، شرک سے پاک ہے۔

فرمایا، تم کہتے ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، جب ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تو کیا تم وہاں موجود تھے۔ آدمیت کا تو نام ہی نہیں تھا۔ جب آدم علیہ السلام ہی نہیں تھے تو ابنِ آدم کہاں سے آ گئے۔ تخلیقِ آدم علیہ السلام سے بہت پہلے اللہ کریم نے فرشتے تخلیق فرما دیے تھے تو تمہیں کہاں سے پتا چلا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ!)

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ دیکھو! یہ اپنی جھوٹ بنائی ہوئی بات کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہیں اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔

یہ اللہ کی اولاد ثابت کرنا چاہتے ہیں، یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی اولاد مانی جائے۔ اولاد باپ کی جنس سے ہوتی ہے۔ شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے۔ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے۔ گدا گر ہو یا بادشاہ لیکن انسان ہونے میں دونوں مشترک ہیں۔ اگر اللہ کی بھی اولاد ہوتی تو اس میں الوہیت کی خصوصیت ہوتی پھر کئی الٰہ ہوتے۔ اس کی توحید کیسے قائم ہوتی؟

اللہ، واحد ہے لاشریک ہے۔ احد ایسی اکائی ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ہم ایک انگلی کو واحد کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں کئی اجزاء ہیں۔ رگیں، پٹھے، کھال۔ بہت سی چیزوں سے مل کر واحد بنا ہوا ہے۔ احد وہ ہے جسے تقسیم نہ کیا جا سکے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اخلاص: 1) کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ احد ہے۔ اس کی کوئی مثال نہیں، نظیر نہیں۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کیا اس (اللہ) نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند فرمائیں؟ مَا لَكُمْ ۖ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ بھلا کیا تم غور نہیں کرتے۔

دنیوی اعتبار سے بھی تمہارے فیصلوں میں بودا پن ہے۔ کیسے فیصلے کرتے ہو کہ جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اُسے اللہ کی اولاد بناتے ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں تمہاری یہ ساری باتیں جھوٹ ہیں۔ غلط ہیں۔ کیا تم اپنی ان خرافات پر کبھی غور نہیں کرتے، کبھی سوچتے نہیں ہو؟ کفر و شرک کا ہر انداز جاہلانہ ہے۔ کبھی بیٹھ کر غور تو کرو، سوچو تو سہی!

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ ہاں، کیا تمہارے پاس کوئی صاف دلیل ہے؟ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ اگر تم سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو۔

دلائل، تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل نقلی دلائل یعنی کسی آسمانی کتاب میں وہ بات آئی ہو یا اس کی تشریح میں کسی نے لکھی ہو یا کسی محقق نے تحقیق کر کے بیان کی ہو۔ نقلی دلیل کے لیے ثابت ہو کہ کس نے یہ بات بیان کی، کون اس کا ذمہ دار ہے، کون اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ بات کہاں سے نقل ہو کر آئی۔ دوسری دلیل عقلی دلیل ہوتی ہے کہ انسانی عقل کیا کہتی ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے، ایسا ہونا ممکن ہے؟ تیسری دلیل مشاہدہ ہے جہاں عقل کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ وہ چیز خود دیکھ لی، ذاتی طور پر مشاہدہ ہو گیا۔ فرمایا، ان تین طرح کے دلائل میں سے تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کسی کتاب میں پہلے یہ بات نقل ہوئی ہو کہ اللہ کی اولاد ہے۔ اگر تم سچے ہو تو وہ کتاب پیش کرو جس میں یہ بات ہے۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اور انہوں نے اس (اللہ) میں اور جنوں میں رشتہ داری قرار دی ہے حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ یقیناً وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اللہ ان باتوں سے پاک ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جن اللہ کے رشتہ دار، عزیز ہیں۔ یہ ایسے جھوٹے ہیں کہ اپنی کسی بات پر قائم نہیں رہتے۔ اس لیے کہ ان کے پاس کسی بات کی کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ بس بڑ ہانکتے ہیں۔ کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کچھ۔ اسی لیے دیکھا جا سکتا ہے کہ جتنے لوگ عقیدۂ توحید سے بھٹکے، ان میں کبھی دو لوگوں کا بھی عقیدہ ایک نہیں ہوتا۔ ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی کسی کو دیکھ لیں۔ ہر فرد کا عقیدہ دوسرے سے فرق ہوتا ہے۔ چونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ان کی ذاتی عقل ہے تو شعور سب کا اپنا اپنا ہے۔ ہاں! ایک بات پر سب متفق ہیں وہ ہے شرک و کفر۔

اللہ فرماتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنوں اور اللہ میں رشتہ داری بناتے ہیں حالانکہ جنات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کے لیے انہیں اللہ

کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، اللہ ان سے پاک ہے۔ اس کی عظمت اعلیٰ وارفع اور اس کی شان بہت بلند ہے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾ مگر اللہ کے خالص بندے (وہ عذاب میں نہ ہوں گے) جب اللہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی تو اس کے عذاب کی گرفت سے بچنے والے صرف اللہ کے وہ بندے ہوں گے جو نہایت خلوص کے ساتھ اس کی عظمت کو مانتے ہیں۔ جو صدقِ دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی توحید کے قائل ہیں جو اُس کے نبیوں؊ کو پیغمبرِ حق مانتے ہیں، اس کی کتابوں کو کلامِ الٰہی مانتے ہیں اور اس سب کے وہ خلوصِ دل سے قائل ہیں، نتائج، دلی کیفیات یہ مرتب ہوتے ہیں۔ نیتوں اور ارادوں پر مرتب ہوتے ہیں جو دل کا کام ہے۔ فرمایا، سوائے ان لوگوں کے جو خلوص کے ساتھ اللہ کے بندے ہیں، باقی سب مبتلائے عذاب ہوں گے۔ فرمایا: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ سو تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو نہ صرف تم مبتلائے عذاب ہو گے بلکہ وہ بھی مبتلائے عذاب ہوں گے جن کی تم پوجا کرتے تھے اور وہ اس پوجا پر راضی بھی رہے۔

دو طرح کی ہستیوں کو پوجا جاتا ہے۔ ایک وہ جو ساری عمر توحید کا درس دیتے رہے اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے، آخرت کی خبر دیتے رہے لیکن بعد والوں نے انہیں اللہ کا شریک بنا دیا جیسے یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر پوجنا شروع کر دیا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر پرستش شروع کی۔ اس میں ان ہستیوں پر کوئی الزام نہیں آتا۔ ان پوجنے والوں کو دہرا عذاب ہوگا۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر عذاب اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر تہمت لگا کر ان کی توہین کرنے پر عذاب۔

دوسرے وہ معبودانِ باطلہ جیسے شیاطین اور جنات جو لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بھی ان کفار و مشرکین کے ساتھ جہنم میں جل رہے ہوں گے اور پتا چل جائے گا ان کے معبودانِ باطلہ کی طاقت کتنی ہے۔ تب یہ اور ان کے جھوٹے معبود اکٹھے اللہ کا عذاب بھگت رہے ہوں گے۔ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ تم اس (اللہ) کے خلاف بہکا نہیں سکتے۔ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ سوائے اس کے جو (علمِ الٰہی میں) جہنم میں جانے والا ہے۔ یعنی کوئی بہانہ کر کے، کہیں چھپ کر، کوئی ذریعہ اختیار کر کے اللہ کے عذاب سے جان بچا نہ سکیں گے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ کوئی کسی کو بہکا کر غلط راہ پر لے جا نہیں سکتا۔ یہ باتیں محض مفروضے ہیں کہ شیطان نے بہکا دیا یا نفس نے بھٹکا دیا۔ جس کا خود اپنا مزاج ایسا ہو، جہنم میں جانے والا ہو۔ اُسے اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس سے جہنم میں جانا ہے، اس کا مزاج ہی ایسا ہے۔ اس کے سوا دوسرا نہیں بہکتا۔ بہکانے والے بہکاتے رہتے ہیں لیکن گمراہ وہی ہوتا ہے جس کے اپنے اندر بیماری ہو، جس کی نیت میں فتور ہو۔ اگر اپنے اندر بیماری نہ ہو تو بہکانے والے کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

آج کل تو مسلمانوں نے بھی ایسے بہانے بنا لیے ہیں۔ کہتے ہیں، زمانہ ہی ایسا ہے، حالات ہی ایسے ہیں۔ آج بھی اللہ کے ایسے بندے ہیں جو انہی حالات میں حق پر قائم ہیں۔ اسی زمانے میں رہتے ہیں اور اللہ کی اطاعت پر کاربند ہیں۔ حرام سے بچتے ہیں۔ جھوٹ سے بچتے ہیں۔ اسلام کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ کیا یہ زمانہ ان کے لیے نہیں ہے؟ یہی عدالتیں، یہی حکومتیں ہیں، انہیں کوئی شئے اللہ کی عبادت اور اللہ کی اطاعت سے، اللہ کی یاد سے نہیں روکتی۔

اصل بیماری، اصل کمزوری اپنے اندر ہوتی ہے۔ دوسرے بھی ساتھ سبب بن جاتے ہیں اور بندہ الزام ان پر لگاتا رہتا ہے۔ وہ لوگ جن کا مزاج ہی ایسا ہو گیا کہ انہیں دوزخ ہی جانا ہے، انہوں نے دنیا میں ہر حال اللہ کی نافرمانی ہی کرنی ہے تو ان کو کوئی کیا بہکائے گا جو اندر سے خود بہکے ہوئے ہیں۔ کوئی کسی کو زبردستی بہکا نہیں سکتا۔ یہ آدمی کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔

فرشتے:

فرشتوں کا تو یہ عالم ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقرر شدہ مقام ہے جہاں ہم ہر وقت اللہ کی اطاعت میں کمربستہ رہتے ہیں۔ ہمارا کام حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ فرمایا: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ اور بے شک ہم صف بستہ رہتے ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ اور بے شک ہم (اللہ کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

فرشتے تخلیق سے لے کر قیامت تک اطاعتِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم:6) جو اللہ کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

اس کے باوجود فرشتوں کی ترقی نہیں ہوتی۔ اُن کے لیے ایک مقامِ معلوم ہے۔ ایک مقرر شدہ مقام ہے۔ ترقی کیوں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ انہیں اطاعتِ الٰہی میں کوئی شئے مانع نہیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ صف بستہ رہ کر ہمہ وقت اطاعت کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔ اور جس پاکیزہ مقام پر اللہ نے انہیں رکھا ہے وہیں رہتے ہیں۔ وہ حکم کے پابند ہیں۔

ترقیٔ درجات انسان کے لیے ہے۔ انسان وہ خوش نصیب مخلوق ہے جس کے لیے اللہ نے اپنے قرب کے دروازے کھول دیے ہیں کہ جہاں تک چاہو ترقی کرتے چلے جاؤ۔ فرشتے ساری زندگی اطاعت کر کے اسی مقام پر

رہتے ہیں جو اللہ کریم نے اُن کے لیے مقرر کر دیا ہے اور انسان وہ خوش قسمت ہے کہ جتنی وہ اطاعت کرتا ہے اتنی ترقی پاتا ہے اور ایک ایک سجدے میں اللہ کی رحمتیں سمیٹتا ہے۔ اور ساری زندگی ترقی کرتا رہے تو قربِ الٰہی کی منزلیں ختم نہیں ہوتیں۔ ترقی ءدرجات نصیب ہوتی رہتی ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ پھر انسان اطاعتِ الٰہی، عبادتِ الٰہی میں سستی کرے یا اتنی عظیم نعمت کو چھوڑ کر کفر و شرک اور گناہوں کی ذلت اور ذلالت قبول کرے!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی کے درمیان کم و بیش پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔ چونکہ اس دوران کوئی اور نبی نہیں آئے۔ جو پہلے انبیاؑ کی کتابیں تھیں جیسے تورات، وہ سلامت رہی نہ انجیل سلامت رہی اور نہ ہی زبور۔ ان لوگوں نے اللہ کی کتابوں میں اپنی باتیں داخل کر دی تھیں۔ خود گمراہ ہو گئے تھے کسی دوسرے کو کیا ہدایت ملتی۔ تب یہی لوگ تھے، آج جن کی طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ﴿۱۶۷﴾ تب یہ کہا کرتے تھے۔ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴿۱۶۸﴾ کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴿۱۶۹﴾ تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے۔ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴿۱۷۰﴾ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے پس جلد ہی جان لیں گے۔

یہی لوگ جو آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ کاش! ہمارے پاس پہلی قوموں کی طرح کوئی رسول آتا، کوئی کتاب آتی تو پھر دیکھتے کہ ہم کس طرح اس کتاب کو مانتے، اس رسولؐ کی اطاعت کرتے، احکام مانتے اور کتنے عبادت گزار ہوتے لیکن ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا اور جن قوموں کے پاس آئے تھے ان کی کتابیں تبدیل ہو گئیں، وہ گمراہ ہو گئے تو ہمیں ہدایت کہاں سے ملے؟

فرمایا، یہ کیسے عجیب لوگ ہیں، جب نبی نہیں آئے تھے تو کہتے تھے ہمارے پاس کوئی نبیؐ ہوتا تو ہم پہلوں سے زیادہ مانتے اور اب، جب اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اللہ کی کتاب، قرآنِ حکیم نازل ہو گیا تو یہ کفر پر کمربستہ ہو گئے۔ کفر کر کے دیکھ لیں انہیں پتا چل جائے گا کہ کفر کا نتیجہ کیا ہے۔ بہت جلد سمجھ آ جائے گی۔ دنیا کی آنکھ بند ہو گی تو آخرت کو دیکھنے والی آنکھ کھل جائے گی۔ دنیا کی زندگی ختم ہو گی تو برزخ سامنے آئے گا۔ پتا چل جائے گا کہ دنیا سے کیا خریدا، کیا پایا اور کیا کھویا۔

گروہِ انبیاؑ ہمیشہ فتح مند رہیں گے:

فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴿۱۷۱﴾ اور یقیناً ہمارے (خاص) بندوں یعنی

پیغمبروں کے لیے ہمارا یہ قول پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے۔ اِنَّھُمۡ لَھُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ۝ کہ بے شک ان ہی کی مدد فرمائی جائے گی۔ وَاِنَّ جُنۡدَنَا لَھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ۝ اور یقیناً ہمارے لشکر ہی غالب رہیں گے۔

یہ فیصلہ ازل سے ہو چکا ہے۔ یہ بات طے ہو چکی کہ کامیابی ہمیشہ نبیوںؑ اور رسولوںؑ کو ہی ہوگی۔ دین کو ہوگی، نیکی کو ہوگی۔ برائی اپنی موت مرتی رہے گی۔ کفر اپنی تباہی کا اہتمام خود کرتا رہے گا۔ نافرمان، نافرمانیوں ہی کے بوجھ سے دب کر ہلاک ہوتے رہیں گے۔ ہمارے کلمات صادر ہو چکے ہیں، یہ فیصلہ ہو چکا کہ ہمارے پیغمبروں کا گروہ ہمیشہ کامیاب اور فاتح رہے گا یہی فتح مند رہیں گے۔ اللہ کے لشکر ہی غالب رہیں گے۔ وہی بندہ کامیاب ہوگا جو اللہ کی فوج میں شامل ہوگا۔

اور یہ لوگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی اطاعت نہیں کرتے۔ آپ کا دین قبول نہیں کرتے، تھوڑی دیر ہے۔ آپ ان سے روگردانی فرمالیجیے۔ ان کی پروانہ کیجیے۔ ان کا خیال ہی نہ کریں۔ انتظار فرمایئے۔

فرمایا: فَتَوَلَّ عَنۡھُمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ۝ وَّاَبۡصِرۡھُمۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ۝ پس تھوڑے عرصے تک ان سے درگزر (اعراض) کیے رہیے اور ان کو دیکھتے رہیے عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔

آپ انتظار فرمایئے، بہت جلد پردہ اٹھنے والا ہے۔ نگاہ، پردہ اٹھنے کی منتظر ہے۔ زندگی کا پردہ اٹھے گا، برزخ سامنے آئے گا تو یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ایمان والوں نے کیا پایا، کیا دولت حاصل کی۔ کافر و مشرک کو دنیا میں جو آخری سزا دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرما دیا جاتا ہے کہ آپ ان پر توجہ نہ فرمائیں، ان کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔ وہ، جس کی پروا کرنا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے چھوڑ دی اس کے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وہ بچ نہیں سکتا۔

اللہ تو بہت کریم ہیں، نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم رحمۃ للعالمین ہیں۔

یا رب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

شعر کا مفہوم ہے کہ اللہ تو بھی کریم ہے، تیرا رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) بھی کریم ہے۔ یہ تیرا احسان ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان آ گئے۔

اگر کوئی اس حقیقت کو نہیں سمجھتا اور نافرمانی کرتا ہے تو اللہ کی پناہ! اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کی طرف سے رخ انور پھیر لیں، اس کی طرف توجہ نہ کریں۔ جو اس زد میں آ گیا اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ دنیا میں اس کا عقیدہ تباہ ہو جائے گا، کردار تباہ ہو جائے گا، موت پر مزید تباہی آئے گی کہ آخرت بھی تباہ ہو جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کس بات پر راضی ہوتے ہیں:

کیا طریقہ اختیار کیا جائے، کس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم خوش ہوں گے، کس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہماری طرف متوجہ ہوں گے؟ یہ فیصلہ ہر بندے کا اپنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خوشی ہوگی کہ ہم، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا لایا ہوا دین قبول کریں۔ ہمارے عقائد صاف ستھرے ہوں، سورج کی مانند روشن ہوں۔ اللہ کی توحید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت، تمام انبیاؑ پر ایمان، کتاب اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم راضی ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس بات پر راضی ہوں گے کہ ایمان لانے کے بعد ایمان کے مطابق ہم عمل بھی کریں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے: اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ:82) ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ یعنی کردار ہی ایمان کا گواہ ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ بندہ نیک اعمال کرے۔ جب ہم خلوصِ دل کے ساتھ، خشوع وخضوع کے ساتھ سجدے دیں گے، رزق حلال کمائیں گے، بچوں کو اسلامی تعلیمات دیں گے۔ دنیا کے کام دین کے اصولوں کے مطابق کریں گے۔ دنیا کے علوم حاصل کریں گے۔ دین کو غالب اور دنیا کو اس کے تابع رکھیں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم خوش ہوں گے۔ ایمان لانے والوں اور اس کے مطابق نیک اعمال کرنے والوں سے راضی ہوں گے۔ دعا فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا توجہ فرمادینا۔ اللہ کریم کی ساری نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہلکی سی توجہ بھی نصیب ہو جائے۔ ایک نگاہ نصیب ہوجائے۔

منکرین کے لیے بُرا دن:

فرمایا: اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۱۷۷﴾ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کررہے ہیں۔ پھر جب ان کے روبرو آنازل ہوگا تو جن کو ڈرایا جاچکا ان کے لیے بہت بُرا دن ہوگا۔ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴿۱۷۸﴾ اور آپ تھوڑے عرصہ تک ان کا خیال نہ کیجئے۔ وَاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴿۱۷۹﴾ اور دیکھتے رہیے سوعنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔

یہ کتنے عجیب لوگ ہیں، کہتے ہیں ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی بات نہیں مانتے۔ اگر عذاب کو آنا ہے تو آجائے۔ انہیں یہ شعور ہی نہیں کہ عذاب میں کیا مشکلات ہوں گی۔ لفظ عذاب ہی کتنا سخت ہے اور خود عذاب میں کیسی

سختیاں اور کتنی شدت ہوگی! ابھی تو یہ دنیا میں ہیں آپ ان کو ان کے انجام سے بروقت مطلع کر رہے ہیں لیکن جب یہ اسی کفر پر مر گئے تو وہ دن ان کے لیے بہت بُرا دن ہوگا۔ جب عذاب وارد ہوگا وہ ان کی زندگی کا بہت ہی بُرا دن ہوگا۔ یہ زندگی چندروزہ ہے اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی قبول نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان سے رخِ انور پھیر لیں۔ اور دیکھتے رہیے۔ جب موت کے فرشتے آئیں گے۔ روح قبض کرتے ہی سمجھ آ جائے گی۔ قرآن حکیم میں کفار کے بارے ارشاد ہے: وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (الانفال:50) اور اگر آپ (اس وقت) دیکھیں جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں تو ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور (کہتے ہیں اب) تم جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں:

فرمایا: سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴿۱۸۰﴾ آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

آپ کا پروردگار بہت بلند شان والا، بڑی عزت والا ہے۔ جو خرافات یہ بولتے ہیں اس کی پھٹکار خود انہی پر پڑتی ہے۔ ان کی خرافات کی رسائی اللہ جل شانہٗ تک نہیں۔ وہ بہت بلند شان والا ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ﴿۱۸۱﴾ اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ اس آیہء مبارکہ نے ساری سلامتی کو متعین کر دیا ہے انبیاؑ پر۔ غیر نبی نے جتنی سلامتی لینی ہے وہ اتباعِ نبیؐ سے لینی ہے۔ وہ صحابیؓ ہو، تابعی ہو، تبع تابعی ہو، صالح ہو وہ کوئی بھی ہو، اُسے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے سلامتی لینی ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرے گا تو سلامتی پائے گا۔ اللہ کریم نے طے فرما دیا کہ ساری کی ساری سلامتی اللہ کے رسولوں کے لیے ہے۔ فرمایا، سلام ہو اللہ کے پیغمبروں پر۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۸۲﴾ اور تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ سارے کمالات، ساری اچھائیاں، سارے کا سارا حسن اس واحد لاشریک کو سزاوار ہے۔

سورۃ ص رکوع 1 آیات 1 تا 14

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمۡ
اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ
جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ﴿ۖ۴﴾ اَجَعَلَ
الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ
امۡشُوۡا وَ اصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِہَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۚ﴿ۖ۶﴾ مَا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِی
الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۚۖ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۚ﴿ۖ۷﴾ ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ
بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡ ذِکۡرِیۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ؕ﴿۸﴾ اَمۡ عِنۡدَہُمۡ
خَزَآئِنُ رَحۡمَۃِ رَبِّکَ الۡعَزِیۡزِ الۡوَہَّابِ ۚ﴿۹﴾ اَمۡ لَہُمۡ مُّلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ
وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۟ فَلۡیَرۡتَقُوۡا فِی الۡاَسۡبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنۡدٌ مَّا ہُنَالِکَ مَہۡزُوۡمٌ مِّنَ
الۡاَحۡزَابِ ﴿۱۱﴾ کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ﴿ۙ۱۲﴾
وَ ثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّ اَصۡحٰبُ لۡـَٔیۡکَۃِ ؕ اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنۡ کُلٌّ اِلَّا
کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

ص۔ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے ﴿۱﴾ بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں ﴿۲﴾ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں تو انہوں نے بہت چیخ و پکار کی مگر وہ وقت رہائی کا نہ تھا ﴿۳﴾ اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے ایک ڈرانے والے (پیغمبر) آئے اور کافر کہنے لگے یہ

شخص جادوگر ہے (اور) جھوٹا ہے ﴿۴﴾ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا۔ بلاشبہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے ﴿۵﴾ اور ان میں جو سردار تھے وہ چل کھڑے ہوئے (اور کہنے لگے) کہ (یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، بلاشبہ یہ تو (پیغمبر کے) مطلب کی بات ہے ﴿۶﴾ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے (کبھی) سنی ہی نہیں یہ صرف بنائی ہوئی بات ہے ﴿۷﴾ کیا ہم سب میں سے اس شخص پر نصیحت کی بات نازل کی گئی، بلکہ یہ لوگ میری وحی سے شک میں ہیں بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا ﴿۸﴾ کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب (اور) عطا فرمانے والے ہیں ﴿۹﴾ یا کیا ان کو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس پر اختیار حاصل ہے تو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمانوں پر) چڑھ جائیں ﴿۱۰﴾ یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں ایک لشکر یہ بھی ہے ﴿۱۱﴾ ان سے پہلے بھی قومِ نوح (علیہ السلام) اور عاد اور میخوں والا فرعون بھی جھٹلا چکے ہیں ﴿۱۲﴾ اور ثمود اور لوط (علیہ السلام) کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی یہی وہ گروہ ہیں ﴿۱۳﴾ ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آپڑا ﴿۱۴﴾

تفسیر و معارف

سورۂ ص شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی اُن سورتوں میں سے ہے جن کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ یہ لفظ ص سے شروع ہوتی ہے جو حروفِ مقطعات میں سے ہے چنانچہ اس کا نام ہی سورۃ ص ہے۔

حروفِ مقطعات:

حروفِ مقطعات کی حقیقت اللہ کریم بہتر جانتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں لیکن ان کی تلاوت ضروری ہے کہ قرآن کا حصہ ہیں۔ ان میں جو برکات اور روحانی فوائد ہیں وہ تلاوت کرنے والے کو معنی سمجھ نہ آئیں تو بھی نصیب ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی حکم نہیں ہوتا کہ ان کے معنی ہر ایک کے لیے سمجھنے ضروری ہوں۔ ہاں!

ان میں انوارات و برکات یقیناً ہوتے ہیں جو ہر تلاوت کرنے والے کو نصیب ہوتے ہیں۔

نصیحت کا مفہوم:

فرمایا: صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ① قسم ہے قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے۔ قرآن اوّل تا آخر حق ہے۔ اس کا ہر لفظ نصیحت ہے۔ نصیحت ایک راہنمائی ہوتی ہے۔ کسی بھی کام کے کرنے کی کہ کس انداز میں بہتری ہے، اس کے کرنے میں فائدہ ہے یا نقصان ہے۔ یہ مشورہ دینا نصیحت کہلاتا ہے۔

انسان ایک دوسرے کو مشورہ دیتا ہے۔ ایک بے علم کو ایک عالم مشورہ دے گا تو یقیناً بہتر مشورہ ہی دے گا۔ ایک ناتجربہ کار کو اگر ایک تجربہ کار انسان مشورہ دیتا ہے تو بھی امید کی جاسکتی ہے کہ بہتر مشورہ ہوگا لیکن بہرحال اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ پڑھے لکھے انسان کو بھی غلطی لگ سکتی ہے اور تجربہ کار انسان کا اندازہ بھی غلط ہوسکتا ہے۔

قرآن میں جو نصیحت ہے، جو راہنمائی ہے وہ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے جو سب چیزوں کا خالق ہے۔ وہ ہر چیز کی خصوصیات کا بھی خالق ہے اور اُن کی خصوصیات کو قائم رکھنے یا بدل دینے پر بھی قادر ہے۔ وہ چاہے تو آگ کو ٹھنڈا کر دے چاہے تو پانی کو، جو زندگی کا سبب ہے، موت کا سبب بنا دے۔ لوگ اس میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ وہ قادر ہے، ہر شئے کا خالق ہے اُن کے اوصاف کا خالق بھی ہے اور انہیں قائم رکھنے یا بدل دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ جو نصیحت اللہ کریم کی طرف سے ہے وہ سراسر بہتر، درست ہے اور اس میں نرا فائدہ ہے۔

قرآن گواہ ہے:

یہاں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کی قسم ہے۔ قسم سے مراد ہے کہ قرآن اس بات پر گواہ ہے کہ: بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ② بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انکار کرتے ہیں یا کفر کرتے ہیں اس کی دو وجوہات ہیں۔ ان لوگوں کو، ایک تو اپنی انانیت پر بہت ناز ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے طے کرلیا ہے کہ انہوں نے اس ارشاد کی مخالفت کرنی ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انانیت ہر فرد میں سرایت کرگئی ہے۔ اگر بادشاہ کو یہ گھمنڈ ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں تو خاکروب سے اگر پوچھیں تو وہ بھی کہتا ہے کہ اُس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ عام آدمی سے پوچھیں تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ ہے کسی امیر سے پوچھیں وہ کہتا ہے وہ سب سے اونچا ہے۔ عجیب بات ہے ہر ذرّہ ناچیز میں انانیت سمائی ہوئی ہے۔

وہ کفار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ ان کی انانیت ہے۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات مانتے ہیں تو پھر اُن کے باپ

دادا غلط ثابت ہوتے ہیں اور اُن کی جتنی نسلیں اس عقیدے پر گزر گئیں وہ سب کافر اور جہنمی قرار پاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ غلط ہے اور جو یہ (پیغمبرؐ) فرما رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ ان کی انانیت آڑے آجاتی ہے ورنہ ایسی بات نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے پیغام پہنچانے میں کوئی کسر ہے یا تعلیم میں کوئی کمی ہے۔

ان لوگوں کی انانیت آڑے آجاتی ہے اور وہ مخالفت کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان جس چیز کو قبول نہیں کرتا اسے یونہی جانے نہیں دیتا، پھر اس کی مخالفت بھی کرتا ہے۔ کفار کی بدنصیبی ہے کہ ان کا غرور، انانیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخالفت انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع نہیں کرنے دے رہی۔ یہ لوگ بھول رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پہلی نبوت ہے نہ ان کا کفر پہلا کفر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے بھی انبیاؑ تشریف لائے اور کفار نے اُنؑ کی مخالفت کی تو اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ ان لوگوں کے سامنے تاریخ ہے اور روئے زمین پر اُن کی اُجڑی ہوئی بستیوں کے نشانات بھی ان کے علم میں ہیں۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۞ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔

تو انہوں نے بہت چیخ و پکار کی مگر وہ وقت رہائی کا نہ تھا۔ انبیاؑ کی مخالفت کے باعث بہت سی امتوں پر تباہی آچکی ہے۔ اُن کا بھی یہی جرم تھا کہ انہوں نے انبیاؑ کی مخالفت کی، احکامِ الٰہی سے منہ پھیرا، اپنی انا میں گرفتار ہوئے اور سمجھا کہ اُن کی جو رائے ہے وہ صحیح تر ہے۔ اسی جرم میں کتنی قومیں تباہ ہوئیں، ہلاک کردی گئیں۔

فرمایا: وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۔۔۔ اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس ان (ہی) میں سے ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آئے یعنی وہ بھی بڑا تعجب کیا کرتے تھے کہ انہی جیسا ایک آدمی ہے اور اُسے نبوت مل گئی ہے۔ اب یہ احکامِ الٰہی کی بات کر رہا ہے، آخرت کی، جنت اور دوزخ کی باتیں کر رہا ہے۔ کہتا ہے مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ یہ ہماری قوم کا ایک فرد ہے، ہمارا بھائی ہے، ہمارے جیسا ہی انسان ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمیں تو نبوت نہیں ملی اسے کیسے مل گئی؟

اُن لوگوں کا خیال یہ تھا کہ نبیؐ کے پاس اتنا مال و دولت نہیں جتنا اُن کے پاس ہے۔ دراصل ہر بندے کو ایک وہم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ دانشور کوئی نہیں، دنیا میں اس سے بہتر کسی کا مقام نہیں یعنی کسی نہ کسی طور وہ اپنی برتری میں گرفتار ہوتا ہے۔

اسی طرح کی سب باتیں سوچ کر کافر کہنے لگے کہ ان کو نبوت کیسے مل گئی۔ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۞

کافر کہنے لگے یہ شخص جادوگر ہے اور جھوٹا ہے۔ اب انبیاءؑ کا محض دعویٰ تو نہیں تھا۔ اِنؑ کے معجزات بھی تھے اور جو کلام آپؐ پیش کرتے تھے وہ خود سب سے بڑا معجزہ تھا کہ اللہ کریم کا ارشاد تھا۔ اُس کلام میں ایسے حقائق و جواہر ہوتے تھے جو انسان کی باتیں نہیں ہو سکتے تھے تو پھر وہ کافر کہتے تھے کہ لگتا ہے اس نے کوئی جادو سیکھ لیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی باتیں بہت عجیب ہیں کہ جس سے بات کرتا ہے اُس پر جیسے جادو چل جاتا ہے ورنہ: كَذَّابٌ یہ ہے تو جھوٹا یعنی یہ طے ہے کہ ہم ان کو سچا نہیں مانتے۔ جو بات یہ کہتے ہیں جھوٹ ہے۔ اس میں اتنی تاثیر صرف اس لیے ہے کہ انہوں نے کوئی جادو سیکھ لیا یا معجزہ دیکھتے تو کہتے کہ یہ جادو کا کرشمہ ہے۔

کافر کس بات پہ حیران تھے؟

کافر اس بات پر حیران ہوتے تھے کہ: أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۔۔۔ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ دنیا میں اتنی قومیں آباد ہیں، زمین پر اتنے لوگ بستے ہیں اور ہر ملک و قوم نے، ہر طبقے ہر قبیلے نے اپنے اپنے معبود بنا رکھے ہیں۔ پھر ہر کام کے لیے معبود بنا رکھے ہیں۔ کوئی بارش برساتا ہے، کوئی اولاد دیتا ہے کوئی رزق دیتا ہے کوئی صحت دیتا ہے۔ یہ نبیؐ کہتے ہیں کہ ایک ہی ہستی ہے جو اتنی وسیع کائنات کے ہر ذرّے، ہر تنکے کو سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے یعنی دنیا میں لوگوں نے جو معبود بنا رکھے ہیں وہ شمار کرنا مشکل ہیں پھر بھی اُن سے سارا کام نہیں سنبھلتا اور لوگ تکلیف میں رہتے ہیں۔ کبھی قحط سالیاں آجاتی ہیں، بیماریاں آجاتی ہیں، مشکلات آجاتی ہیں یعنی لوگوں نے لاکھوں معبودان بنا رکھے ہیں جن کی پوجا کرتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا کام پورا نہیں ہوتا اور یہ کہتے ہیں کہ سارا نظام ایک ہی ہستی چلا رہی ہے! انہوں نے ایک ہی معبود قرار دے دیا ہے: إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ بلاشبہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، یہ کیسے ممکن ہے! لوگوں نے لاکھوں معبود مان رکھے ہیں پھر بھی اُن کا کام پورا نہیں ہوتا، لوگ حسبِ منشا زندگی گزار نہیں پاتے۔ بیماریاں بھی آتی ہیں، تکلیفیں بھی آتی ہیں۔ اگر ان لاکھوں معبودوں سے یہ دنیا سنبھالی نہیں جا رہی اور یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی معبود ساری کائنات کو چلا رہا ہے تو یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

تمام انبیاءؑ کی تبلیغ کا بنیادی نکتہ توحید ہے کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبیؑ کے کلمے کا پہلا جز وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

فرمایا: وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ ۔۔۔ اور ان میں جو سردار تھے وہ چل کھڑے ہوئے یعنی اُن کے جو سرکردہ لوگ تھے، خاندان اور قبیلوں کے سربراہ، امراء اُن کے جو بڑے تھے وہ چھوڑ کر چل دیتے ہیں اور ان لوگوں

کو بھی مشورہ دیتے ہیں: اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمۡ ۔۔۔(یہاں سے) چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو، چلو یہاں سے چلیں، چھوڑو ان باتوں کو، سنو ہی نہیں اور اپنے جو معبود ان ہیں ان پر جم جاؤ۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۚ﴿۶﴾ بلاشبہ یہ تو (پیغمبر کے) مطلب کی بات ہے۔ یہ بندہ اپنا کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے یا اُن سے چندہ جمع کر کے دولت کمانا چاہتا ہے۔ یہ یقیناً کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس میں اس کا کوئی اپنا فائدہ ہے یا یہ حکومت واقتدار چاہتا ہے یا دولت جمع کرنا چاہتا ہے۔ تم لوگ اس کے پیروکار بن جاؤ گے تو اس کی بات بن جائے گی۔ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۚۖ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۚ﴿۷﴾ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے (کبھی) سنی ہی نہیں یہ صرف بنائی ہوئی بات ہے۔ دنیا میں اور بھی قومیں آباد ہیں۔ اُن کے عبادت خانے ہیں، انہوں نے اپنے اپنے معبود بنا رکھے ہیں لیکن جو بات یہ کہہ رہے ہیں ہم نے یہ کہیں نہیں سُنی۔ یہ باتیں انہوں نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں اور ان کی مراد یہی ہے کہ لوگ ان کے پیروکار بن جائیں اور یہ اُن کے بادشاہ بن جائیں اور دولتمند ہو جائیں۔

ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ۔۔۔ کیا ہم سب میں سے اس شخص پر نصیحت کی بات نازل کی گئی۔ اگر قرآن ہی نازل ہونا تھا، اللہ کی کتاب یا اللہ کی طرف سے کوئی نصیحت نازل ہونا تھی تو ہم بھی تو یہیں موجود تھے۔ ہمارے پاس دولت بھی ہے، عہدہ و مرتبہ بھی ہے، دنیوی علوم بھی ہیں، صحت وطاقت بھی ہے تو ان میں کیا خوبی تھی کہ یہ نبیؐ ہوں گے اور ہم نہیں ہو سکتے؟ یہ عجیب بات ہے ہمارے درمیان ان پر ہی نصیحت نازل ہونا تھی!

نبوت سب سے بڑی نعمت ہے:

اللہ کریم فرماتے ہیں: بَلۡ هُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ ذِكۡرِیۡ ۔۔۔ بلکہ یہ لوگ میری وحی سے شک میں ہیں۔ ان لوگوں کو میرے ذکر میں، میری عظمت میں، میری نازل کردہ وحی میں، میری کتاب، میری نصیحت میں شک ہے۔ بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ؕ﴿۸﴾ بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ اس لیے کہ انہوں نے آج تک اللہ کی نعمتیں ہی کھائی ہیں، عذابِ الٰہی انہوں نے چکھا ہی نہیں ہے۔ انہیں پتا ہی نہیں ہے کہ عذابِ الٰہی کیا بلا ہوتی ہے۔ یہ صرف نعمتیں کھا کر موج کر رہے ہیں آج تک ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔ انہوں نے عذاب نہیں چکھا جب گرفت آئے گی تو انہیں ہوش آئے گی۔

اللہ کی طرف سے کائنات میں مخلوق کو جتنی نعمتیں ملیں، ان میں سب سے بڑی نعمت نبوت ہے جو انبیاءؑ کو ملی لہٰذا کوئی غیر نبی کسی نبیؐ کے مقابلے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ رَبِّكَ الۡعَزِیۡزِ الۡوَهَّابِ ۚ﴿۹﴾

کیاان کے پاس آپ کے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب (اور) عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ جو بہت بڑا مہربان ہے جو ہر چیز پر غالب ہے ہر نعمت عطا کرنے والا ہے کیا اُس کے خزانوں پر اب ان کافر لوگوں کا قبضہ ہے؟ کیا یہ فیصلہ کریں گے کہ کس کو کتنا رزق، کتنا علم، صحت اور کس کو نورِ نبوت عطا کرنا ہے؟ ان کا خیال ہے کہ اللہ کے خزانے ان کے ہی تصرف میں ہیں اور یہ اپنی مرضی سے بانٹیں گے، کیسی الٹی سوچ ہے ان کی!

وہ مالک ہے اس کے اپنے خزانے ہیں۔ کس کو کیا عطا کرنا ہے اس کے اپنے فیصلے ہیں۔ یہ لوگ کون ہوتے ہیں اس میں مداخلت کرنے والے!

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۔۔۔ یا کیاان کو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس پر اختیار حاصل ہے۔ کیاان کا اب زمین و آسمان کی ملکیت پر بھی دعویٰ ہے کہ یہ انہوں نے بنائے ہیں اور انہوں نے اسے قائم رکھنا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں کو نبیؐ ہونا چاہیے؟ نبوت تو نظامِ کائنات کے توازن کا سبب ہے۔ نورِ نبوت کی خاصیت کیا ہے، انبیاؑ کو نبوت کیوں عطا ہوتی ہے؟ نورِ نبوت اس کائنات کی ضرورت ہے۔ نبیؐ سے نورِ نبوت پھیل کر کائنات میں توازن قائم رکھتا ہے۔ اللہ کی کائنات میں ساری مخلوق اس کے حکم کی پابند ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ نافرمانی کرنے کا سبب حُبِ دنیا ہے، دنیا کی دولت اور لذتوں کی محبت ہے، اپنی اَنا کی محبت ہے۔ وہ اس محبت میں غرق ہونا چاہتا ہے یا اپنا تعلق اللہ کریم سے بندگی کا رکھنا چاہتا ہے، یہ فیصلہ انسان خود کرتا ہے۔ چونکہ ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ:29) جس نے زمین میں سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا۔ زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہاری خاطر ہے۔ جانور ہیں، پرندے ہیں، دریا اور سمندر ہیں، صحرا ہیں، کھیت اور سبزہ ہے سب تمہارے لیے ہیں۔

بہرحال نبوت سے مرادِ الٰہی یہ ہے کہ برائی کے مقابلے میں ایک ہستی سراپا نیکی بھی ہو۔ اگر طاغوتی طاقتیں یا شیطان سراپا برائی ہے تو کائنات میں کوئی ہستی ایسی بھی ہو جو معصوم عن الخطا ہو۔ جس سے خطا کی توقع ہی نہ کی جاسکے جو سراپا نیکی ہو۔ شیطان اگر برائی بانٹتا ہے، نافرمانی بانٹتا ہے تو کوئی اللہ کی اطاعت بانٹنے والا بھی ہو۔ ایسی کیفیات بھی بانٹے کہ جو قلب انہیں قبول کرے وہ مطیع ہوتا جائے، اللہ کی اطاعت میں آتا جائے، اللہ کا بندہ بنتا چلا جائے۔ یہ اس کائنات کے نظام کے لیے ضروری ہے۔ اللہ کریم اس نظام کو توازن پر رکھتے ہیں۔ جہاں اس میں طاغوتی طاقتیں ہیں وہاں نورِ نبوت بھی ہے۔ اگر طاغوتی طاقتوں میں افراد بڑھ جاتے ہیں جو کہ ہر دور میں عموماً ہوتا ہے تو اللہ کریم دوسری طرف اپنے بندوں کو اعلیٰ مراتب اور اعلیٰ مقامات عطا فرما دیتے ہیں۔ ایک ایک بندے کو اتنی اہمیت اور وزن عطا

فرماتے ہیں کہ کروڑوں کافر اس کے مقابلے میں ہلکے ہوتے ہیں۔ اس طرح کائنات میں نظام برابر رہتا ہے۔ گویا زمین و آسمان کے سارے نظام میں سب سے بڑی بات یہ توازن ہے۔ ہر چیز توازن پر چل رہی ہے۔ سورج کی رفتار، اس کی گرمی سب میں توازن ہے، ہر چیز ایک اندازے پر رہتی ہے۔ سورج اور چاند کا فاصلہ، اس میں ایک توازن ہے۔ دن اور رات میں ایک توازن ہے، گرمی اور سردی میں ایک توازن ہے۔ اسی طرح صحت و بیماری میں ایک توازن ہے، امارت و غریبی میں ایک توازن ہے، اگر کوئی ایک پلڑا بھاری ہو جائے تو کام بگڑ جاتا ہے۔ حد سے زیادہ غریبی بھی خراب کر دیتی ہے اور حد سے زیادہ امارت بھی بگاڑ دیتی ہے۔

اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے تاریکی اور روشنی میں بھی ایک توازن ہے۔ جہاں رات آتی ہے وہاں دن بھی آتا ہے۔ جہاں گناہگار ہوتے ہیں وہاں نیکوکار بھی ہوتے ہیں۔ نورِ نبوت اس نظامِ کائنات کی ضرورت ہے، نبیؐ نظامِ کائنات کا مرکز ہے۔ کیا یہ کافر اس نظام کے مالک ہیں یا انہوں نے اسے چلانا ہے جو کہتے ہیں کہ نبیؐ کسے ہونا چاہیے یا کسے نہیں ہونا چاہیے؟ اگر ایسی بات ہے تو: فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ⑩ تو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمانوں پر) چڑھ جائیں۔ پھر انہیں آسمانوں پر چڑھ دوڑنا چاہیے اور قدرتِ کاملہ سے یہ نظام چھین لینا چاہیے۔ زمین پر بیٹھ کر باتیں بنانے سے کیا فائدہ؟ اگر نظامِ کائنات تک ان کی رسائی ہے تو پھر تو انہیں معبود ہونا چاہیے۔ آسمانوں پر، عرشِ عظیم پر ان کی حکومت ہونی چاہیے۔ پھر یہ زمین پر کیوں بیٹھتے ہیں انہیں تو آسمانوں پر چڑھنا چاہیے تھا اور اگر چڑھ نہیں سکتے تو پھر اس کے مالک ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں!

فرمایا: جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ⑪ یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں ایک لشکر یہ بھی ہے۔ ایسے ہی کئی قومیں، کئی لشکر تباہ ہوئے۔ یہ سوچ پہلے بھی کئی قوموں کی تھی کہ کائنات کا نظام وہ چلا رہے ہیں اور وہ تباہ ہو گئے۔ وہ سوچتے تھے کہ اُن کے بغیر یہ نظام چل نہیں سکتا۔ وہ نہیں ہوں گے تو دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوتا، اللہ کے نظام کو کوئی فرق نہیں پڑا چونکہ وہ نظام چلانے والے نہیں تھے۔ جو نظام چلا رہا ہے وہ قائم ہے، موجود ہے۔ وہ قادر ہے، کسی کے آنے جانے سے اس نظام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فرمایا، ایسے ہی کئی قومیں کئی لشکر تباہ ہوئے۔ انہی تباہ ہونے والے گمراہوں میں ایک لشکر یہ بھی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی مخالفت کر رہا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی کو سمجھنا نہیں چاہتا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لانا چاہتا۔ یہ بھی اُن تباہ ہونے والے لشکروں کا حصہ ہیں۔ جیسے پہلے کفار تباہ ہوئے تھے یقیناً یہ بھی تباہ ہوں گے اور اسلام کا غلبہ ہوگا۔

انبیاؑ کی مخالفت کا انجام:

فرمایا: كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ ان سے پہلے بھی نوح (علیہ السلام) اور عاد اور میخوں والا فرعون بھی جھٹلا چکے ہیں۔

ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو کتنی مہلت ملی تھی۔ ساڑھے نوسو سال نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے رہے اور قوم بپھرتی رہی، انکار کرتی رہی اُنہیں ایذا دیتی رہی، تکلیف دیتی رہی۔ اُنہیں مار مار کر بے ہوش کر کے پھینک جاتے۔ یہ سب کچھ پانچ، دس یا پچاس نہیں بلکہ پورے ساڑھے نوسو سال ہوتا رہا، اندازہ کریں!

اللہ نے اتنی مہلت دی مگر قوم نے نہیں مانا تو پھر عذاب الٰہی آیا اور ایسا آیا کہ وہی چند خاندان جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے بچ سکے۔ مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اہلِ خانہ سمیت اسی یا بیاسی مرد وزن تھے جو کشتی میں سوار ہوئے یعنی ساڑھے نوسو سال کی کمائی یہی گنے چُنے افراد تھے۔ جب قوم پر عذاب آیا تو ان اسی یا بیاسی انسانوں کے سوا کوئی انسان روئے زمین پر باقی نہ رہا۔ چونکہ کائنات کی آبادی انسان سے ہے جب انسان غرق ہوئے تو جانور غرق ہو گئے، پرندے مر گئے، ہر چیز سیلاب میں آکر تباہ ہو گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو مسلمان بچ گئے تھے اُن کی بھی نسل آگے نہ چلی صرف نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی نسل آگے چلی۔ اسی لیے نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کہتے ہیں۔

فرمایا، انہیں کہو کہ تمہیں اگر کچھ مہلت مل رہی ہے، موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اس بات کو سمجھو، قبول کرو ورنہ تمہارے پاس تو ان کے جتنی مہلت ہی نہیں کہ تمہاری تو اُتنی لمبی زندگی ہی نہیں۔ تمہارے پاس تو پچاس ساٹھ برس ہیں۔ مالک الملک نے ساڑھے نوسو سال قومِ نوحؑ کو مہلت دی تھی لیکن جب وہ اپنی بات پر ہی مُصر رہے تو پھر اُن کا کیا حشر ہوا؟ روئے زمین پر سوائے اُن چند لوگوں کے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے سب کو تباہ کر دیا گیا۔

وَعَادٌ ۔۔۔ عاد کو دیکھو کتنے قدآور تھے۔ ستر فٹ، نوے فٹ کا ایک جوان تھا۔ اتنے قدآور اور طاقتور تھے کہ ان کے بارے یہ ملتا ہے کہ انہیں بڑے بڑے درخت اکھیڑنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرح ہم گاجر، مولی ہاتھ سے اکھیڑ لیتے ہیں، وہ لوگ اس طرح بڑے سے بڑے درخت کو ہاتھ ڈال کر اُٹھا لیتے تھے۔ فرمایا، عاد کو ہم نے کتنی طاقت، کتنی قوت اور کتنا مال ومنال دیا تھا لیکن وہ ان کے کام نہ آیا۔ وہ اپنی طاقت سے حق کو روک نہ سکے اور خود تباہ وبرباد ہو کر رہ گئے۔

وَفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ﴿۱۲﴾ اور میخوں والا فرعون بھی جھٹلا چکے ہیں۔ میخوں والا سے یہ مراد بھی ہے کہ وہ جس سے ناراض ہوتا اسے دیوار سے لٹکا کر ہاتھ اور پاؤں میں میخیں گاڑھ دیتا اور اُسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ وہ بندہ تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر دو تین دن میں مر جاتا۔

میخوں والے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کی حکومت اور اقتدار اتنا مضبوط تھا جیسے چیز میخوں سے گاڑ دی جاتی ہے۔ پھر کا کیا ہوا؟ اس کے محلات، باغات خزانے سب رہ گئے۔ وہی بنی اسرائیل جن سے قبطی جانوروں کی طرح کام لیتے تھے، اُنہیں اقتدار نصیب ہو گیا اور وہی محل اور خزانے پھر ان مظلوموں کے کام آئے۔

وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ۔۔۔ اسی طرح ثمود بہت معروف قوم تھی۔ ان کا کیا حال ہوا؟ لوط علیہ السلام سے بغاوت کرنے والے کتنے طاقت ور اور کتنے مالدار تھے۔ اُن کے پاس کتنی دولت اور نعمتیں تھیں اُن کے شہر بھی عجیب و غریب تھے لیکن انبیاؑ کی مخالفت سے اُن کا کیا حشر ہوا؟

وَاَصۡحٰبُ لۡـئَیۡکَۃِ ۔۔۔ اور بن کے بھی رہنے والے بھی۔ اصحابِ ایکہ بہت طاقتور اور مالدار قوم تھی، بہت کڑیل جوان تھے۔ انہوں نے بھی انبیاؑ کی مخالفت کی تو آج محض کہانیوں میں ہی ملتے ہیں۔ اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ﴿۱۳﴾ یہی وہ گروہ ہیں۔ جو بڑے معروف، بڑے طاقتور، جری بڑے دولت منداور بڑے دانشمند، کہلاتے تھے اور اُس دور میں بھی وہ سائنس میں بہت آگے تھے۔ ثمود نے پتھر کاٹ کر جو گھر بنائے تھے، اُن میں جس طرح کے ستون محرابیں اور فرش بنائے تھے آج کے جدید مشینی دور میں بھی اتنی صفائی سے چٹانیں کاٹنا ممکن نہیں ہے۔ اُن کے تراشے ہوئے مکان وہ کٹے ہوئے پہاڑ اب بھی ملتے ہیں۔ اُن مکانوں میں اس خوبصورتی سے بہترین کمرے بنائے گئے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے یہ کیسے کیا!

نوح علیہ السلام کی قوم بھی مادّی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ تھی۔ اُن کی قوم نے ایک ایسا محلول بنا لیا تھا جسے وہ ایک خاص قسم کے پتھر پر ڈالتے تو وہ پتھر نرم ہو جاتا۔ اس پتھر کو پھر وہ آٹے کی طرح گوندھ کر مختلف شکلیں دے دیتے اور اُسے سڑکوں پر، مکانوں پر نصب کر دیتے۔ دن بھر وہ سورج کی شعاعیں جذب کرتا اور رات کو چاند کی طرح روشن ہو جاتا۔ اس کے ساتھ نہ کوئی تار ہوتی نہ بیٹری۔ آج ہمارا SOLAR SYSTEM اتنا ترقی یافتہ نہیں جتنا نوح علیہ السلام کی قوم کا بنایا ہوا تھا۔ اُن قوموں کے پاس مال و دولت بھی تھی اور ان کے اپنے نظامِ حکومت و ریاست بھی تھے۔ اُن میں بھی بڑے بڑے دانشور اور عالم بھی تھے۔ اُن کے پاس اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے ذرائع بھی تھے اور اسی بات پہ یہ بگڑے کہ سارا کام تو ہم خود کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کر رہا ہے تو پھر ہم کیا کر رہے ہیں؟

ہمارے عہد میں شہنشاہِ ایران سے کسی نے کہا تھا کہ آپ پر اللہ کا بڑا احسان ہے، آپ کا ملک بہت خوشحال ہے، شہر بہت خوبصورت ہیں اور آپ کی حکومت مضبوط ہے۔ شہنشاہ نے بُرا منایا اور کہا کہ اگر یہ سب کچھ اللہ کر رہا ہے تو میں کیا کر رہا ہوں! حکومت کا نظام تو میرا ہے، یہ ساری ترقیاں، ساری نعمتیں اور سہولتیں تو میں دے رہا ہوں۔ اگر یہ سارا اللہ کر رہا ہے تو پھر میں کیا کر رہا ہوں؟ میرا خیال ہے کہ یہی جملہ اس کے لیے کافی ہو گیا۔ وہ جسے اپنی شہنشاہیت پر بڑا ناز تھا وہ ملکوں ملکوں چھپتا پھرتا تھا لیکن کوئی اُسے چھپنے کی جگہ دینے کو تیار نہیں تھا اور جب مر گیا تو کوئی قبر کی جگہ دینے کو تیار نہیں تھا۔ بالآخر مصر کے صدر نے اس کی بیوی سے سودا کیا کہ اپنی بیٹی کی شادی اس کے بیٹے سے کر دے اور جہیز میں سونا، ہیرے اور جواہرات دے پھر وہ تدفین کی جگہ دے گا۔ یوں اللہ نے اُسے اُس کی اوقات دکھا دی۔

فرمایا، یہ ساری قومیں اسی زعم کی بناء پر غرق ہوئی ہیں کہ سب کچھ ہم کر رہے ہیں ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں، ہمیں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا پھر نتیجہ یہ ہوا: اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ پڑا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے انبیاؑ کی نبوت کا اور رسولوںؑ کی رسالت کا انکار کیا۔ اس کے نتیجے میں ان پر عذاب ثابت ہو گیا یعنی وہ عذاب ان کا اپنا خریدا ہوا تھا۔ ان کے اپنے اعمال، عقائد و نظریات اور کردار کی وجہ سے عذاب آیا۔ انسان کا مزاج عجیب ہے، کوئی کام اچھا ہو جائے، سنور جائے تو کہتا ہے یہ میں نے کیا ہے۔ یہ میری عقل، شعور اور سمجھ داری کی وجہ سے ہوا ہے۔

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے تو خطا کاتبِ تقدیر کی ہے

اگر کام خراب ہو جائے تو کہتا ہے بس اللہ کی مرضی تھی کام خراب ہو گیا اللہ نے خراب کر دیا۔ یہی زعم ان قوموں کو تباہ کر گیا انہیں لے ڈوبا کہ ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

ہم نے اگر کچھ کرنا ہے تو وہ بس اتنا ہے کہ اس نظامِ کائنات کو سمجھنا ہے، اسے جاننا ہے، اس سے فائدہ بھی حاصل کرنا ہے لیکن اس کا حقیقی فائدہ یہ ہے کہ اس سے عظمتِ باری کا ادراک ہو۔ وہ کیسا قادر ہے جو ایک سورج کے چراغ سے ساری کائنات کو روشنی، گرمی اور وہ شعاعیں پہنچا رہا ہے جو اس کی ضرورت ہے! جہاں ایک ہاتھی کو دھوپ کی ضرورت ہے وہاں ایک چیونٹی کو بھی ضرورت ہے۔ ایک بادشاہ کو دن کے لیے سورج چاہیے تو ایک غریب خانہ بدوش کو بھی سورج کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ جہاں ایک سلطان کے لیے ہوا کا جھونکا ضروری ہے وہاں ایک مسکین کے لیے بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ بارش کا پانی اگر بادشاہوں اور سلاطین کی آبادی

اور باغات کی آبادی کے لیے چاہیے تو ایک عام ذی روح کے لیے بھی وہ اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ سارا نظام وہ مالک الملک چلا رہا ہے۔ اس کے نتائج وہ خود پیدا فرما رہا ہے۔ فرمایا، ان ساری حقیقتوں سے انہوں نے انکار کیا حالانکہ یہ ساری حقیقتیں معرفتِ الٰہی کی طرف لے کر جاتی ہیں، عظمتِ الٰہی کی دلیل بن جاتی ہیں۔ یہ ساری قدرتِ باری کا ثبوت بن جاتی ہیں۔ یہ سب گواہ بن جاتی ہیں کہ اللہ واحد ہے، لاشریک ہے۔ اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔ وہی ساری کائنات کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے۔ اُن کی ضروریات کو پیدا بھی فرماتا ہے اور پورا بھی وہی فرماتا ہے۔ یہ صرف اسی کی شان ہے، دوسرا کوئی ایسا کر بھی نہیں سکتا۔ جب اس حقیقت کا انہوں نے انکار کیا تو: فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ میرا عذاب (ان پر) آ پڑا۔ پھر اُن پر عذاب ثابت ہو گیا تو تباہ ہو گئے۔ ان کے اقتدار اور حکومتیں جاتی رہیں ان کے نام ونشان مٹ گئے۔

سورۃ صٓ رکوع 2 آیات 15 تا 26

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ
لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَا
دَاوٗدَ ذَا الۡاَيۡدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ
وَالۡاِشۡرَاقِ ۙ﴿۱۸﴾ وَالطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدۡنَا مُلۡكَهٗ وَاٰتَيۡنٰهُ
الۡحِكۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلۡ اَتٰٮكَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا
الۡمِحۡرَابَ ۙ﴿۲۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡهُمۡ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ
بَغٰى بَعۡضُنَا عَلٰى بَعۡضٍ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَلَا تُشۡطِطۡ وَاهۡدِنَاۤ اِلٰى
سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِىۡ لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِىَ نَعۡجَةٌ
وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكۡفِلۡنِيۡهَا وَعَزَّنِىۡ فِى الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ
نَعۡجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِىۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ
اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيۡلٌ مَّا هُمۡ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرۡنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى
وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ
بِالۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَضِلُّوۡنَ عَنۡ
سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۢ بِمَا نَسُوۡا يَوۡمَ الۡحِسَابِ ﴿۲۶﴾

اور یہ لوگ ایک چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ روزِ حساب سے پہلے دے دے ﴿۱۶﴾ آپ ان لوگوں کی باتوں پہ صبر کیجیے اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جو بڑی قوت والے (اور) بے شک وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع ہونے والے تھے ﴿۱۷﴾ بے شک ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ شام کو اور صبح ان کے ساتھ ذکر کیا کرتے۔ اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی جو ﴿۱۸﴾ (ذکر کے وقت) ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ سب ان کے فرماں بردار تھے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مستحکم فرمایا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور فیصلہ کرنے والی بات (سکھلائی) ﴿۲۰﴾ اور بھلا آپ کے پاس ان جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے ﴿۲۱﴾ جب وہ داؤد (علیہ السلام) کے پاس گھس آئے تو وہ ان (کے اس طرح آنے) سے گھبرا گئے وہ کہنے لگے آپ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجیے ﴿۲۲﴾ واقعہ یہ ہے کہ یہ (شخص) میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے یہ مجھ کو دے ڈال اور بات میں مجھ کو دباتا ہے ﴿۲۳﴾ انہوں نے فرمایا یہ جو تمہاری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تم پر ظلم کرتا ہے۔ اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد (علیہ السلام) نے خیال کیا کہ ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے بخشش مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا ﴿۲۴﴾ سو ہم نے ان کو وہ (امر) معاف فرما دیا اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے ﴿۲۵﴾ اے داؤد (علیہ السلام) بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ سو لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا

کیجیے اور خواہش کی پیروی نہ کیجیے گا تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی بے شک جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ﴿۲۶﴾

تفسیر و معارف

کافر عذابِ الٰہی کی طلب میں جلدی کرتے ہیں:

فرمایا، کفار پر عذاب آئے گا تو کوئی بڑا اہتمام نہیں کرنا پڑے گا کہ ایک ایک بندے کے پیچھے ایک ایک سزا دینے والا کھڑا ہوا اور وہ اُس کا سر پھاڑ دے تو وہ مرجائے، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ فرمایا، جب اللہ کی طرف سے تباہ کرنے کا وقت ہوگا تو ایک آواز ہی ساری کائنات کو تباہ کر دے گی۔

فرمایا: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ یہ لوگ ایک چیخ کے منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی۔ وہ ایک آواز ہوگی جو دم لینے کی فرصت نہیں دے گی۔ جب قرنا پھونکا جائے گا تو آہستہ آہستہ آواز پھیلنا شروع ہوگی اور بڑھتی جائے گی۔ لوگ گھروں سے نکل آئیں گے اور پھر جانور ڈر کر جنگلوں سے نکل کر آبادیوں کا رخ کرلیں گے۔ وہ آواز، لیکن بڑھتی ہی جائے گی اور پھر اتنی شدید ہوگی کہ انسانوں کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ پہاڑوں کے بھی پرخچے اُڑ جائیں گے۔ سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اُڑ جائے گا اور سورج، چاند، ستارے جھڑ کر زمین پر گر جائیں گے۔ فرمایا، وہی ایک آواز ساری کائنات کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہوگی۔ دوسری آواز کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کسی کو دفاع کے لیے کچھ سوچنے کی یا جان بچانے کے لیے کسی حیلے کو اختیار کرنا تو دور کی بات ہے، جب قیامت کی گھڑی آئے گی تو دوسری سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ہوگی۔

فرمایا: وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصّہ روزِ حساب سے پہلے دے دے۔ کافر کہتے ہیں اگر نبیؐ کے انکار پر عذاب آتا ہے تباہی آتی ہے تو پھر آپ نے، اے اللہ! یہ تباہی یومِ حساب پر کیوں رکھی ہے؟ ہمارے حصّے کی تباہی ہمیں ابھی دے دیں، قیامت نہ جانے کب قائم ہوگی۔ اگر نبیؐ کی اطاعت نہ کرنے میں عذاب ہے تو اُسے ابھی نازل کردیں تا کہ پتا تو چلے کہ ہم جھوٹے ہیں اور یہ نبیؐ سچے ہیں۔

مشرکینِ مکہ نے کہا تھا: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (الانفال:32) اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق (سچا) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب بھیج۔ کفار کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم جو فرما رہے ہیں سچ ہے اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے تا کہ پتا تو چلے کہ یہ سچے ہیں اس لیے ہم پر عذاب آیا ہے۔

یہی بات بیشتر انبیاؑ سے کہی گئی کہ ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو اگر کوئی عذاب ہے تو ہمیں دے دو۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی ایسے ہی طعنے دیے جاتے تھے کہ آپ کہتے ہیں عذاب آئے گا، پھر کہاں ہے وہ عذاب! حضرت نوح علیہ السلام فرماتے کہ گھبراؤ نہیں جب وہ آئے گا تو تمہیں پتا لگ جائے گا اور تمہارے پاس بھاگنے کی جگہ ہوگی نہ ہی تم اُسے روک سکو گے۔

اللہ کریم نے ایسی باتیں کرنے والے گروہوں کو دنیا میں بھی ذلت اور بربادی دکھائی، تباہ ہوئے اور آخرت کی تباہی بھی ان کے حصے میں آئی۔ فرمایا، یہ اب اس انتظار میں ہیں کہ قیامت کب ہوگی، کہتے ہیں: رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ﴿۱۶﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ روزِ حساب سے پہلے دے دے۔ فرمایا: اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ ۔۔۔ آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! حوصلہ کیجیے، برداشت کیجیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی شان:

فرمایا: وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۔۔۔ اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جو بڑی قوت والے تھے۔ اللہ کے نبیؑ بھی تھے اور بہت بڑی حکومت کے مالک تھے۔ اللہ نے انہیں بہت قوی اور مضبوط بنایا۔ انہیں دنیوی حکومت اور اقتدار بھی عطا فرمایا اور: اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ﴿۱۷﴾ (اور) بے شک وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع ہونے والے تھے۔ اس ساری قوت، طاقت اور عظیم سلطنت کے ہوتے ہوئے بھی وہ اللہ کے سامنے رجوع کرنے والے، اللہ کے نہایت عاجز اور مقرب بندے تھے۔ دنیوی اعتبار سے اس زمانے میں روئے زمین پر اُن جیسی مضبوط اور طاقتور حکومت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں وہ بڑے خاکسار، بڑے نیازمند اور بہت رجوع کرنے والے تھے۔

ہمارے عہد میں ایک بہت بڑی غلط فہمی عام ہے کہ نیک بندے ہمیشہ مفلس ہی ہوتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ مفلس بھی نیک ہو سکتے ہیں اور بادشاہ بھی نیک ہو سکتے ہیں۔ امیر اور غریب دونوں نیک ہو سکتے ہیں کہ نیکی کا تعلق

دنیوی دولت سے نہیں بلکہ اللہ کریم سے تعلقات پر ہے۔ شاہی محل میں رہ کر بھی انسان اللہ کا مقرب بندہ ہوسکتا ہے اور کٹیا میں رہ کر بھی کافر ہوسکتا ہے، بگڑ بھی سکتا ہے۔ نیکی کا تعلق انسان کے کردار سے ہے دنیوی مال و دولت نہیں ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے داؤد علیہ السلام پر عجیب عجیب نعمتیں نازل فرمائی تھیں اور انہیں عجیب قوتیں عطا فرمائی تھیں: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ بے شک ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ شام کو اور صبح ان کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔

ہم نے انہیں وہ قوتِ قلبی عطا کی تھی کہ اردگرد کے پہاڑ بھی صبح شام ان کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ پہاڑ زبانِ حال سے ذکر کرتے تھے لیکن یہ اُن کی اپنی رائے ہے چونکہ قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل:44) اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔

کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو اور جو چیز ذکر چھوڑ دیتی ہے وہ مٹ جاتی ہے۔ پہاڑ گر جاتے ہیں، زمینیں غرق ہوجاتی ہیں۔ درخت خشک ہو کر ایندھن بن جاتے ہیں۔ پرندے مرجاتے ہیں جانور مارے جاتے ہیں۔ جب تک ذکر کرتے رہتے ہیں سلامت رہتے ہیں۔ پہاڑ تو پہلے ہی ذکر کرتے ہیں لیکن یہاں فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا جو داؤد علیہ السلام کے ساتھ رات کو بھی اور صبح کو بھی ذکر میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ پہاڑ زبانِ قال سے داؤد علیہ السلام کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور اجتماعی ذکر کیا کرتے تھے۔

یہاں سے اجتماعی ذکر بھی ثابت ہو گیا اور صرف پہاڑ ہی نہیں، فرمایا: وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً۔۔۔ پرندے تک انؑ کے ساتھ ذکر میں شامل ہوجاتے تھے۔ فرمایا: كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی جو (ذکر کے وقت) اُن کے پاس جمع ہوجاتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ یہ پہاڑ اور پرندے، ہر چیز ان کی فرمانبرداری بھی کرتی تھی۔ ہم نے اُنؑ کے ماتحت کر دیے تھے سو یہ سب اُنؑ کی تابعداری بھی کرتے تھے۔

فرمایا: وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مستحکم فرمایا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور فیصلہ کرنے والی بات (سکھلائی)۔ ہم نے ان کی سلطنت کو بہت مضبوط اور طاقتور کر دیا اور اُنہیں بہت دانش عطا فرمائی۔ وہ بہت دانا تھے۔ وہ ایسی بات کرتے تھے جو فیصل ہوتی تھی جسے بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ حتمی اور صحیح بات کرتے تھے۔ ہم نے انہیں قولِ فیصل کی صلاحیت دی تھی اور قوت بھی عطا فرمائی تھی۔

ایک عجیب، نصیحت آموز واقعہ:

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے نبیؑ بھی تھے اور بہت بڑی مضبوط اور خوشحال سلطنت وحکومت کے مالک بھی تھے۔ اُنؑ کی حکومت اپنے عہد کی مثالی حکومت تھی کہ امن وامان بھی تھا، دولت کی فراوانی بھی تھی اور ملک میں عام آدمی سمیت سب خوشحال تھے۔ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مقابلے میں جالوت کو قتل کر کے حکومت لی تھی اور اس کی سلطنت پر حکمران بنے تھے تو اس میں عام آدمی سے ٹیکس لینے کا جو نظام رائج تھا وہ چلتا رہا۔ حالانکہ آپؑ کی حکومت اللہ کی مہربانی سے بہت خوشحال ہوگئی، کاروبار میں برکت ہوئی، کھیتیاں سونا اُگلنے لگیں۔ لوگ بھی خوشحال ہو گئے، حکومت بھی بہت خوشحال ہوگئی لیکن جو نظامِ ٹیکس سابقہ حکومت کا تھا وہی چل رہا تھا۔ یاد رہے کہ حکومتیں یا ریاستیں عام آدمی کے سرمائے سے چلتی ہیں یعنی عام آدمی جو ٹیکس دیتا ہے وہی حکومت کا خزانہ وسرمایہ ہوتا ہے۔

اسلام نے سلاطین کو لوگوں کے سرمائے کا امین بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ضرورت کے مطابق خرچ کریں اگر فضول خرچ کریں گے تو اللہ اس کا حساب لے گا۔ حکمران بھی اس بات کے پابند ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت میں بھی سابقہ دور کا نظامِ ٹیکس چلتا رہا تو اللہ کریم نے اپنے نبیؑ کی راہنمائی فرمائی۔ یہاں اللہ کریم نے ایک بہت عجیب وغریب واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس میں ایک عام آدمی سے لے کر ملک کے حکمران تک سب کے لیے نہایت ہی قیمتی نصیحت موجود ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک حکم موجود ہے۔ انبیاؑ کی خصوصیت اور کمال یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ اپنے نبیؑ کی راہنمائی فرماتے ہیں لہٰذا نبیؐ کا اسوۂ حسنہ واجبِ اتباع ہوتا ہے۔

فرمایا: وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ بھلا آپ کے پاس ان جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ فرمایا: اے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ تک وہ خبر پہنچی ہوگی کہ جب دو بندے آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے داؤد علیہ السلام کے حجرۂ عبادت میں داخل ہوگئے۔

قرآنِ کریم نے اس حجرۂ عبادت کو محراب کہا ہے، آپؑ وہاں مصروفِ عبادت تھے۔ اب دو باتیں عجیب تھیں۔ ایک تو یہ تھی کہ آپؑ بہت بڑی سلطنت کے حکمران تھے اور آپؑ کے حجرے تک کسی کا بلا اجازت پہنچ جانا اور بغیر اطلاع اچانک اندر آجانا بہت عجیب تھا۔ دونوں بندے اچانک اندر آگئے، دونوں جھگڑ بھی رہے تھے۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۔۔۔ دونوں جھگڑا کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو حضرت داؤد علیہ السلام پریشان ہوگئے کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس طرح اندر کیسے گھس آئے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ ۔۔۔ وہ کہنے لگے آپ ڈریں نہیں ہم دو اہلِ معاملہ ہیں ہم سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴿۲۲﴾ سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجیے اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو ہم آپؑ کی خدمت میں فیصلہ لینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آپؑ اللہ کے نبیؑ ہیں یقیناً آپؑ بہتر فیصلہ کریں گے۔ ہم یہ توقع لے کر آئے ہیں کہ آپؑ انصاف کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے اور ہمیں یہ امید ہے کہ آپؑ زیادتی نہیں کریں گے۔ آپؑ بادشاہ ہی نہیں ہیں، اللہ کے نبیؑ بھی ہیں تو نبیؑ کی شان یہ ہے کہ وہ جو کرتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ ہمارا یہ جھگڑا ختم ہو جائے گا، ہمارے ساتھ انصاف ہوگا۔ ہم آپ سے پختہ اُمید رکھتے ہیں کہ آپؑ ہمیں سیدھی راہ دکھائیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ بتایئے آپ دونوں کا کیا جھگڑا ہے۔ ایک کہنے لگا: اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ (شخص) میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا ۔۔۔ سو یہ کہتا ہے یہ مجھ کو دے ڈال اور وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ﴿۲۳﴾ بات میں مجھ کو دباتا ہے۔ باتوں باتوں میں مجھ پر رعب بھی ڈالتا ہے کہ یہ دے دو ورنہ یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا۔ مجھ غریب کے پاس ایک ہی ہے، اس کے پاس اللہ کرم ہے ننانوے ہیں۔ پھر یہ مجھ پر رعب بھی ڈالتا ہے کہ دے دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۔۔۔ اُنہوں نے فرمایا یہ جو تمہاری دُنبی مانگتا ہے کہ اپنی دُنبیوں میں ملا لے بے شک تم پر ظلم کرتا ہے یہ تو تمہارے ساتھ بہت زیادتی کر رہا ہے کہ اس کے پاس اتنی بھیڑیں ہیں اور تمہاری ایک بھیڑ کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ یہ تو بہت زیادتی ہے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔۔۔ اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں۔

اکثر جہاں تعلق، واسطہ ہوتا ہے، لین دین ہوتا ہے، شراکت اور رشتہ داری ہوتی ہے تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کر جاتے ہیں۔ رشتہ داری یا برادری میں یا کاروباری شراکت میں اکثر رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے سے زیادہ حصہ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یعنی سوائے ان لوگوں کے جنہیں پختہ ایمان نصیب ہے اور جن کا کردار صالح ہے۔ جو اللہ کے اطاعت گزار بندے ہیں۔ فرمایا: وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۔۔۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور اللہ کے ایسے بندے جن کا ایمان ویقین بھی صحیح ہو اور کردار بھی صحیح ہو، ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں اس لیے اس طرح کی زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور اس غریب آدمی کے پاس ایک

ہے تو آپ اس سے کیوں چھین رہے ہیں؟ صورتِ حال یہ تھی کہ ملک خوشحال ہو گیا تھا جبکہ عوام پر جو ٹیکس پہلے سے چلے آرہے تھے اسی طرح عائد تھے حالانکہ شاہی خزانہ بھرا ہوا تھا۔ اب چاہیے تھا کہ جب حکومت خوشحال ہو گئی تھی تو اس خوشحالی کو عوام تک پہنچایا جاتا اور ٹیکسوں میں کمی کی جاتی۔

اسلامی حکومت کا سرمایہ وہ ٹیکس ہیں جو اللہ نے عائد کیے ہیں۔ زکوٰۃ بیت المال کا مال ہے۔ جو سرمایہ کسی مسلمان مرد یا عورت کے پاس (Surplus) سال بھر پڑا رہا ہے۔ اس سے ڈھائی فیصد ہر سال وہ بیت المال کو دے گا۔ اس کے علاوہ فصلوں پر عشر دے گا، صدقات کی بے شمار مدیں ہیں، فطرانہ ہے، قربانی کی کھالیں ہیں، جو اربوں روپے کی ہیں۔ یہ سارے ٹیکس اسلامی ریاست کا سرمایہ ہیں جو مسلمانوں نے دینے ہیں اور ان میں زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات بھی ہیں۔ کوئی غلطی ہو جائے تو کفارے کے طور پر خیرات کرنا، غلام آزاد کرنا، جانور قربان کرنے کا حکم ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کے لیے صدقہ دینا، تکلیفوں سے دفاع کے لیے خیرات کرنا تو یہ بے شمار نفلی صدقات ہیں۔ اگر ان سب فرض و نفلی صدقات کو جمع کیا جائے تو ملکی بجٹ سے زیادہ سرمایہ حکومت کے پاس آجاتا ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ حکومت کے اخراجات اس سے پورے کرے۔ یہ درست نہیں کہ حکمران اخراجات بڑھاتے رہیں اور لوگوں پر زبردستی ٹیکس لگاتے رہیں۔ اسلامی ریاست کا بجٹ وہ ہونا چاہیے جو عام آدمی برداشت کر سکے۔ غیر ضروری اخراجات اور کرّ وفر نہیں ہونا چاہیے۔ غیر معمولی حالات میں یا جنگ کی صورت میں یا اگر زکوٰۃ، صدقات وغیرہ سے اخراجات پورے نہ ہوں تو حکومت ٹیکس لگا سکتی ہے لیکن جیسے ہی حالات ٹھیک ہو جائیں، جنگ ختم ہو جائے تو اسلامی ریاست کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ زائد ٹیکس معاف کر دیئے جائیں اور امیروں سے لیا گیا ٹیکس غریبوں پر خرچ کرے۔ یہاں اللہ کریم نے اپنے نبیؑ داؤد علیہ السلام کو دو فرشتے بھیج کر مسئلہ سمجھانے کے لیے یہ مثال پیش کی۔ اُن کے جھگڑے کا فیصلہ کیا تو نبیؑ کو سمجھ آ گئی کہ میرے پاس حکومت و ریاست ہے، اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں جبکہ عام آدمی کے پاس گزر بسر کی چیز ہے تو حکومت نے اتنے ٹیکس کیوں لگا رکھے ہیں؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے بات کو پالیا کیونکہ وحی کو سمجھنا خاصۂ نبوت ہے۔ وہ سمجھ گئے: اَنَّمَا فَتَنّٰهُ ۔۔۔ کہ میرے پروردگار نے میرا امتحان لیا ہے۔ میری حکومت اتنی خوشحال ہے پھر یہ غریبوں پر اتنا ٹیکس کیوں ہے؟ چنانچہ: فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ ۔۔۔ انہوں نے فوراً اللہ سے توبہ کی۔ توبہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام اللہ کی مرضی کے مطابق بدل دیا جائے۔ جو زائد ٹیکس تھے وہ معاف کر دیے گئے اور پچھلے ٹیکس جو لاگو ہو چکے تھے اس کے لیے آپؑ نے اللہ سے مغفرت چاہی اور: وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝۲۴ اور سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ کے سربسجود ہو گئے۔ بارِ الٰہا! یہ درست نہیں ہوا، مجھے معاف فرما! اے

آئندہ کے لیے درست کر دیا گیا ہے جو ہو چکا اس پر معاف فرما۔ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو یہی بات سمجھائی گئی کہ صرف ٹیکس لینا ہی حکومت کا کام نہیں ہے بلکہ لوگوں کی ساری ضروریات پوری کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جتنی ضرورت ہو اس کے مطابق ٹیکس لے اور زائد کو کم کر دے۔ یہ نہ ہو کہ ایک دفعہ جو ٹیکس لگ گیا پھر وہ لگا ہی رہے۔

اس واقعے کے متعلق بہت سے قصے لکھے گئے ہیں۔ یہودی ایسی نامراد قوم تھی کہ اپنی خواہشات کا جواز دینے کے لیے انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ بھی ایسے قصے لگا دیتی یعنی اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو اللہ کے نبیؑ بھی کرتے تھے۔ اس طرح کے قصوں کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ یہودیوں نے بہت خرافات لکھی ہیں جنہیں ہمارے متقدمین نے بھی اسرائیلیات کہہ کر نقل کر دیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور وہ کسی ریاست کے امیر جس کی ایک ہی بیوی تھی، اُس بیوی پر عاشق ہو گئے اور اس سے بیوی چھین لی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ان لوگوں کو بات کرتے ہوئے حیا بھی نہیں آتی۔ انبیا علیہم السلام کو بھی اپنے پر قیاس کر لیتے ہیں۔

اب تو ہمارے ہاں بھی ایسے لوگ آ گئے ہیں جو بہت بڑے عالم بنے ہوئے ہیں اور انہوں نے اس طرح کی خرافات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے بھی لگا رکھی ہے۔ شاید ان لوگوں کو عظمتِ نبوت اور عصمتِ نبوت کا اندازہ ہی نہیں ہے، بات کو سمجھتے ہی نہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، داؤد علیہ السلام میرے نبیؑ تھے، میں نے انہیں مثال دے کر بات سمجھائی۔ انہوں نے گزشتہ کی معافی طلب کی، سر بسجود ہوئے، عظمتِ الٰہی کا اقرار کیا، فوراً اصلاح کر دی تو: فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۔۔۔ ہم نے اُن کو یہ سب معاف کر دیا۔ یہ شرعاً تو گناہ نہیں تھا لیکن ایک کمی تھی کہ لوگوں کو جو حق ملنے چاہیے تھا وہ نہیں مل رہا تھا۔ جب انہیں سمجھ آ گئی، انہوں نے ادا کر دیا۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾ بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔ بے شک قربِ الٰہی میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ وہ اللہ کے نبیؑ ہیں، صاحبِ کتاب ہیں اور عند اللہ اُن کا بہت بلند مقام اور رتبہ ہے۔

خلیفہ اور اندازِ حکمرانی:

فرمایا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ ۔۔۔ اے داؤد (علیہ السلام!) بے شک ہم نے آپؑ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ آپؑ کہیں بادشاہی کے زعم میں مبتلا نہ ہو جائیں یعنی حکمران اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ نائب کا کام مالک کی مرضی پر چلنا ہوتا ہے وہ اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔

خلیفہ وہ ہے جو اللہ کے ارشاد کے مطابق اللہ کے احکام کی تعمیل کرے۔ فرمایا، آپؑ کے پاس بہت بڑی سلطنت ہے لیکن یہ میری ہے۔ آپؑ میرے نائب ہیں لہٰذا آپؑ اس طرح حکومت کیجیے جس طرح کرنے کا حکم میں دوں۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔۔۔ سو لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کیجیے۔ گویا عوام اور حکومت کے درمیان وہ تعلق ہونا چاہیے جو حق ہے، جو اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ حکومت اور عام آدمی کا رشتہ حق کا، انصاف کا ہونا چاہیے۔

ہمارے ہاں بھی اکثر مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ملک پر اسلام نافذ کیا جائے اور اس پر بڑا شور ہوتا ہے۔ عام آدمی کو یہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ نفاذِ اسلام کا مفہوم و مقصد کیا ہے۔ ادھر علما حضرات جلوس نکال رہے ہیں، حکومت اپنی موج اڑا رہی ہے اور عام آدمی اس کے مفہوم سے ہی ناآشنا ہے۔ اسلام کے نفاذ سے کیا مراد ہے؟ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں، ہماری زندگی اسلام کے مطابق گزرتی ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان کہتے ہیں۔ بڑا ہوتا ہے اُسے نماز روزہ سکھاتے ہیں، حلال حرام بتاتے ہیں۔ نکاح اسلامی طریقے سے ہوتے ہیں، کوئی مر جائے تو جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ ہماری زندگی میں تو سارا اسلام ہے تو پھر نفاذِ اسلام سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ جو تعلق عام آدمی اور حکمران کا ہے وہ بھی اسلام کے مطابق ہو۔

اس مطالبے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہمارا جو تعلق حکومت سے ہے وہ غیر اسلامی ہے۔ ہمارے ٹیکس غیر اسلامی ہیں، ہمارا نظامِ عدل و قانون غیر اسلامی ہے، ہمارا سیاسی انداز غیر اسلامی ہے۔ ایسے لوگ بھی وزیر بن جاتے ہیں جو خواہ بہت پڑھے لکھے ہوں مگر سورۂ اخلاص بھی نہیں پڑھ سکتے۔ یہ وہ سورت ہے جو ہر ان پڑھ مسلمان نے بھی یاد کر رکھی ہے اور وہ ہر رکعت میں پڑھتا ہے۔ ان وزیروں نے قانون سازی کرنی ہے، قانون بنانے اور نافذ کرنے ہوتے ہیں تو یہ جو قُل شریف بھی نہیں جانتے یہ کون سا اسلامی قانون نافذ کریں گے؟ حکومت کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو یہ منصب دے جو دنیوی علوم کے ساتھ دین کا اتنا علم تو رکھتے ہوں کہ انہیں حلال حرام، جائز ناجائز اور روزمرہ کی ضروریات کا اور مسائل کا پتا ہو۔ وہ بے شک عالم نہ ہوں لیکن ضروریاتِ دین سے تو واقف ہوں۔ حکومت اور عام آدمی کا رشتہ عدل پر ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس نے دھنیا چوری کر لیا اس کو تو سزا ملے اور جو پورا ملک لوٹ کر چلا جائے اُسے کوئی نہ پکڑے۔ ڈاکو دندناتے پھریں اور گداگروں کو قید کیا جائے۔

نفاذِ اسلام یہ ہے کہ حکومت کے جتنے ادارے ہیں، عدلیہ ہے، تعلیمی ادارے ہیں، صحت کے ادارے ہیں معاشی نظام ہے سب کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق سلوک کیا جائے۔ اللہ کریم کے ارشاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

تعلیمات کے مطابق حکومت کی جائے۔

فرمایا: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى ۔۔۔ اور خواہش کی پیروی نہ کیجیے گا۔ خلیفہ کو، حکمران کو یا حکومت کو خواہشات میں نہیں پھنس جانا چاہیے کہ ٹیکس پہ ٹیکس لگاتے جائیں تاکہ دولت جمع کریں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حکمرانوں کو انصاف اور عدل کے مطابق ٹیکس لگانے چاہئیں، اپنی خواہش سے نہیں۔ اپنی سہولت کی خاطر دوسروں کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر حکمران اپنی خواہشات پر عمل کریں گے تو: فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے۔ خواہشاتِ انسانی تو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ آگے سے آگے ہی بڑھتی چلی جاتی ہیں اگر حکمران خواہشات کی پیروی کریں گے تو راہِ حق سے بھٹک جائیں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ وہ یہ سُن لیں کہ اُن کے لیے بڑے سخت حساب ہیں۔ اللہ کی راہ سے جو بھٹکتا ہے وہ تب بھٹکتا ہے جب اُسے قیامت کا یقین نہیں رہتا اور وہ یومِ حساب کو بھول جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ موت کو یاد رکھو جو لذّتوں کو مٹا دینے والی ہے۔ موت یاد رہے تو انسان بہت سے گناہوں سے رک جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ مجھے قبر میں جانا ہے تو یہ مصیبت ساتھ لے کر نہ جاؤں۔

کچھ دن پہلے کسی کی ای میل آئی کہ میں بہت پریشان ہوں کہ مجھے ہر وقت موت یاد آتی ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ شکر کرو یہاں تو اکثریت کو بھولی ہوئی ہے۔ اسی اسی سال گزر گئے لیکن یہ یاد نہیں ہے کہ ایک دن مرنا بھی ہے تو تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں موت یاد ہے۔ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں موت یاد دلا دی ہے تو موت کی تیاری کرو، اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔

ہر طاقتور کمزور پر، حکمران عوام پر جو زیادتی کرتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُسے آخرت اور وہاں کی جوابدہی یاد نہیں ہے۔ اُسے یہ بھول جاتا ہے کہ قیامت کو مجھے بھی جواب دینا ہے۔ وطنِ عزیز میں کم وبیش اکیس کروڑ کی آبادی ہے۔ ان کے ساتھ جو ناانصافی ہوتی ہے، مظالم ہوتے ہیں، کچھ قتل ہوتے ہیں کچھ بے آبرو ہوتے ہیں۔ لوگوں کو سود کھلایا جاتا ہے۔ ان سب کے ساتھ جب ایک فرد کو کھڑا ہونا پڑا، جوان کا حکمران ہے تو وہ کیا جواب دے گا، کیا صفائی پیش کرے گا؟ جب آخرت بھولتی ہے تو تب ہی یہ حکمران ظلم کرتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں میں اچھے لوگ بھی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جنہیں قل شریف بھی پڑھنا نہیں آتا لیکن

حکمران اگر نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کا ذاتی فرض ہے۔ جو کیس کروڑ کی ذمہ داریاں اس پر ہیں وہ کیسے ادا کرے گا؟ ایسے لوگ جو صاحبِ اقتدار ہوں اُن پر تو احکامِ الٰہی کی پابندی زیادہ لازم ہے کیونکہ وہ اللہ کے نائب ہیں، خلیفہ ہیں۔ اس حیثیت میں وہ احکامِ الٰہی نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ خواہشات میں پھنس گئے تو پھر عام آدمیوں پر زیادتی کرتے ہیں اس لیے کہ وہ آخرت کو بھول چکے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کی عظمت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں جوابدہی کا اُنہیں خیال ہی نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔

سجدۂ تلاوت:

یاد رہے آیت 24 پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہے۔ اگر ایک مجلس یا ایک محفل میں یہ آیت کئی بار بھی پڑھی یا سُنی جائے تو ایک ہی سجدہ واجب رہتا ہے۔ اگر اُس مجلس سے اُٹھ جائیں یا وقت بدل جائے تو پھر نیا سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

سورۃ ص رکوع 3 آیات 27 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۗ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ؕ﴿٣٠﴾ اِذْ
عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ﴿٣١﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ
عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۫﴿٣٢﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا
بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا
ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ
اَصَابَ ۙ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي
الْاَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَاِنَّ لَهٗ
عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٠﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں سو کافروں کے لئے بڑی خرابی دوزخ (کا عذاب) ہے ﴿۲۷﴾ تو کیا ہم ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان

لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے ﴿۲۸﴾ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں ﴿۲۹﴾ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا فرمائے بہت اچھے بندے (اور) یقیناً وہ رجوع والے تھے ﴿۳۰﴾ جب شام کے قریب ان کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے ﴿۳۱﴾ تو کہنے لگے میں نے مال کی محبت کو اپنے پروردگار کے ذکر سے محبوب رکھا (ذکر سے غافل ہو گیا) یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا ﴿۳۲﴾ (پھر حکم دیا) ان (گھوڑوں) کو میرے پاس واپس لاؤ سو وہ ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنے لگے ﴿۳۳﴾ اور یقیناً ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو (ایک اور طرح سے) آزمایا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا ﴿۳۴﴾ پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔ دعا کی اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرمایے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرمایے کہ میرے بعد کسی کو شایان نہ ہو بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں ﴿۳۵﴾ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی ﴿۳۶﴾ اور جنات کو بھی، سب تعمیر کرنے والوں کو بھی، اور غوطہ خوروں کو بھی ﴿۳۷﴾ اور دوسرے (جنات کو) بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ﴿۳۸﴾ یہ ہماری بخشش ہے پس کسی کو کچھ دیں یا نہ دیں آپ سے پُرسش نہ ہوگی ﴿۳۹﴾ اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجام ہے ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

خواہش کی پیروی میں حکمرانی کرنے والے جان لیں:

فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۔۔۔ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو

کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ آسمان، زمین یہ ساری کائنات، یہ سورج، چاند، ستارے، دن اور رات، بادل، بارش، اس کائنات میں بسنے والی طرح طرح کی مخلوق، نباتات، حیوانات، انسان، یہ سارے اللہ نے فضول ہی پیدا کر دیے؟ یہ سارا تماشا ایسے ہی لگا دیا؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا؟ تم کیا سمجھتے ہو اس کا کوئی انجام نہیں ہوگا؟ تمہارے خیال میں اس مخلوق کا کوئی والی وارث نہیں ہے، ان کے حقوق متعین کرنے والا کوئی نہیں ہے؟ ان کا پوچھنے والا کوئی نہیں ہے؟

جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں تو وہ جان لیں کہ: ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ یہ اُن لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔ یہ تو کافروں کا عقیدہ ہے کہ پیدا ہو گئے، مر جائیں گے بس قصہ ختم ہو گیا۔ یہ تو کفر ہے اور اگر تم نے بھی یہی سمجھ رکھا ہے تو یہ عقیدہ تو کافروں کا ہے۔ یاد رکھو: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ سو کافروں کے لیے بڑی خرابی دوزخ (کا عذاب) ہے۔ کافروں کے لیے تباہی ہے کہ اُنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ کفر کوئی معمولی بات نہیں، یہ وہ بوجھ ہے جو بندے کو دہکتی ہوئی جہنم میں لے جائے گا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ تو کیا ہم ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کی یعنی اتباعِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم میں زندگی گزاری کیا وہ اور کافر ایک جیسے ہو جائیں گے؟ جو لوگ عظمتِ الٰہی کا اقرار کرتے ہیں، اس کے نبیؐ کا اتباع کرتے ہیں کیا وہ اور انکار کرنے والے ایک جیسے ہو جائیں گے کہ سب مر گئے ختم ہو گئے؟ ایسا نہیں ہوگا۔ جنہوں نے کفر کیا انہیں دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ کے نیک بندے اور وہ لوگ جو روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں ایک جیسے ہو جائیں گے؟

کفر اور گناہ فساد فی الارض ہے:

قران نے یہاں گناہ کی بہت خوبصورت تشریح فرمائی ہے کہ جو بندہ بھی کفر کرتا ہے یا گناہ کرتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ وہ اس کی ذات تک محدود رہتا ہے بلکہ وہ پھیلتا ہے اور پوری دنیا کو متاثر کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ فساد فی الارض ہے۔ یہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔۔۔ سمندروں میں خشکیوں میں تباہی و بربادی آ گئی، طوفان آ گئے سیلاب آ گئے، آگ لگ گئی، فرمایا، کس وجہ سے؟

بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم: 41) لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہی آتی ہے۔ یاد رہے کہ نیکی اور گناہ دونوں کا اثر آفاقی ہوتا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بندہ نیکی کرتا ہے تو اس نیکی کی خوشبو بھی تمام مخلوق تک پہنچتی ہے، کائنات کے نظام میں جاتی ہے اور وہ نظام قائم رہتا ہے۔

اگر کوئی کفر یا گناہ کرتا ہے تو اس کی سیاہی، اس کی ظلمت بھی سارے آفاق میں، سارے نظام میں جاتی ہے اور نظام تباہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی یہ شانِ کریمی ہے کہ جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں وہاں اللہ کریم اپنے نیک بندے بھی رکھتے ہیں تاکہ توازن قائم رہے، کوئی چیز حدِ اعتدال سے فرق نہ ہو جائے کہ ہر شئے تباہ ہو جائے۔ جب نیکی ختم ہو جائے گی اور صرف گناہ رہ جائیں گے تو ساری کائنات تباہ ہو جائے گی، قیامت قائم ہو جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حَتّٰى لَا يُقَالَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مسلم)

آج یہ جو تباہیاں آ رہی ہیں، ہم کہتے ہیں دہشت گردی ہوگئی پھر علاج تجویز کرتے ہیں۔ سب حیلے بھی کرلیں یہ ختم صرف تب ہوگی جب انصاف اور عدل کیا جائے گا۔ جزا و سزا اور عدل کرنے سے ہی دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے ورنہ آپ دس دہشتگرد ماریں گے تو بیس اور آ جائیں گے۔ اسی طرح اضافہ ہوتا رہے گا۔ فرمایا، یہ نہ سمجھو کہ بُرے اور بھلے، نیک اور بدکار، مومن اور کافر، سب ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جائیں گے۔ ہرگز نہیں! میدانِ آخرت میں اللہ کے بندوں کی بہت عزت و تکریم ہوگی۔ اُنہیں قربِ الٰہی نصیب ہوگا۔ کافر اور گستاخ، بدکار بہت ذلیل ہوں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

قرآن سے نصیحت لینا دانشمندوں کا کام ہے:

فرمایا: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿۲۹﴾ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔

فرمایا، ہم نے جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے وہ بہت ہی عظیم، بہت ہی بابرکت ہے۔ سبحان اللہ! ایسی عظیم کتاب جس نے کائنات کے سارے رازوں سے پردہ اُٹھا دیا۔ یہ حقائق سے پردہ

اُٹھاتی ہے۔ مخلوق تو مخلوق اس نے تو خالق سے آشنا کر دیا۔ اس نے تو تمہیں خالق کا تعارف دے دیا، معرفتِ الٰہی دے دی۔ کائنات میں اس سے زیادہ بابرکت کوئی دوسری چیز نہیں۔ اس پر غور کیا جائے، اسے پڑھا اور سمجھا جائے، اس میں فکر کی جائے، سوچا جائے کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا اور اُن کے شاگردوں نے اس سے کیا سمجھا، اس پر کیسے عمل کیا تھا۔ اس پر عمل کرنے کا نتیجہ دنیا میں کیا ہو گا اور آخرت میں کیا ہوگا۔ یہ تو اس لیے آئی ہے کہ اس پر غور و فکر کرو۔ یہ اس لیے نہیں کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دو یا جہاں جھوٹی قسم اُٹھانی ہو وہاں لے جاؤ یا پھر مرنے والے کے سرہانے پڑھنا شروع کر دو۔ یہ زندگی کا نصاب ہے۔ جو خوش نصیب ہیں، دانشمند ہیں وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر بندہ خود کو دانشور سمجھتا ہے، عقلمند سمجھتا ہے بلکہ ایک بڑی عجیب بات ہے کہ جو جتنا بے وقوف ہوتا ہے وہ خود کو اتنا ہی عقلمند سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے دنیا میں میرے جیسا سمجھدار کوئی ہے ہی نہیں۔

فرمایا، عقلمند کون ہے؟ عقلمند صرف وہ بندہ ہے جو قرآن پڑھے، اس کی آیات پر غور کرے اور ان کی روشنی میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو سمجھے اور اپنا لے۔ یہ سب سے بڑی عقلمندی ہے اور سب سے بڑا خزانہ اس نے لے لیا ورنہ پیسے جمع کرنا، اولاد پالنا تو کمال نہیں ہے۔ اولاد تو وہ بھی پال لیتے ہیں جن کے پاس خزانے نہیں ہیں۔ ایک چڑیا بھی بچے پال رہی ہے، ایک گیدڑ بھی بچے پال رہا ہے۔ جہاں شیر بچے پال رہا ہے وہاں بھیڑ اور بکری بھی بچے پال رہی ہے۔ یہ سب اللہ کی طرف سے متعین، زندگی کا ایک نظام ہے کہ ہر متنفس جسے وہ پیدا کرتا ہے اُسے رزق بھی دیتا ہے۔ مرنے والا اپنے حصّے کا کوئی دانہ یا قطرۂ آب چھوڑ کر نہیں مرتا، اپنے حصّے کا رزق کھا کر مرتا ہے۔ کسی دوسرے کا حصّہ کھا نہیں سکتا اور ثے میں چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔

کمال، عقلمندی اور دانش یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کی عظمت کو سمجھو کہ یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے جو ہم تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے پہنچا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو وحیِ الٰہی ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لب ہائے مبارک سے اور زبانِ مبارک سے ادا ہوئے۔ ان الفاظ کی عظمت ایسی ہے کہ بندہ رات دن چومتا رہے تو حق ادا نہیں ہوتا۔ پھر انہیں سمجھا جائے، انہیں جان سے پیارا بنایا جائے اور ان پر عمل کیا جائے تو یہ عقلمندی ہے کہ اس دنیا میں رہ کر آخرت کمالی، خرید لی جائے۔ اس کے علاوہ باقی کھیل تماشا ہے۔

جو لوگ دنیا جمع کر کے، پیسے لوٹ کر محل بنا کر سمجھتے ہیں کہ وہ عقلمند ہیں، وہ جان لیں کہ یہ پیسہ یہیں رہ جائے گا اور محلات بھی رہ جائیں گے۔ قبر میں صرف اعمال و کردار جائے گا۔

نیک اولاد اللہ کا انعام ہوتی ہے:

فرمایا: وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ۔۔۔اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا فرمائے۔

ہم نے انؑ پر مہربانی کی کہ انہیں سلیمان (علیہ السلام) جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ داؤد (علیہ السلام) خود بھی نبیؑ تھے اُنہیں جو بیٹا عطا فرمایا وہ بھی نبیؑ تھا۔ وہ خود بھی بادشاہ تھے اور اُنہیں جو بیٹا عطا فرمایا وہ بھی شہنشاہ تھا، دنیا کا بہت بڑا حکمران!

نورِ نبوت سے روشن پیشانی، خوبصورت شکل، خوبصورت جسم، انوارات الٰہی کا مہبط چوڑا چکلہ سینہ اور خوبصورت، نورانی، منور روح۔ ایک خود نبیؑ، دوسرا نبیؑ کا بیٹا! فرمایا، ہم نے سلیمان (علیہ السلام) جیسا بیٹا، داؤد (علیہ السلام) کو عطا کیا گویا نیک اولاد بھی اللہ کا انعام ہوتی ہے۔

اولاد کا نیک ہونا والدین کے لیے بڑی سعادت ہے اور اللہ کا انعام ہے۔ جو اولاد نافرمان ہوتی ہے وہ ہم والدین کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو اولاد اللہ کا انعام ہوتی ہے وہ نیک شریف صالح اور باحیا ہوتی ہے اور جو نافرمان نکلتی ہے وہ ہماری اپنی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ ہمارا رزق حلال نہیں ہوتا یا کردار صحیح نہیں ہوتا یا ہم غلطیاں کرتے رہتے ہیں لیکن اُن سے توبہ نہیں کرتے اللہ کریم سے معافی نہیں مانگتے۔

نِعْمَ الْعَبْدُ۔۔۔کیا ہی اچھا بندہ تھا میرا! ہم نے سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا دیا اور وہ میرا کیسا پیارا بندہ تھا۔ سبحان اللہ! بات کا مزہ آ گیا، جس بندے کی تعریف اللہ کریم کریں تو اس سے بڑی کیا بات ہو سکتی ہے۔

اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ۝ یقیناً وہ رجوع والے تھے۔

وہ ہمیشہ اللہ کی طرف بڑھنے والے، رجوع کرنے والے اور اللہ کی رضا چاہنے والے تھے۔ اُن کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی رضا کا طالب تھا۔

یہاں دو باتیں سمجھ آتی ہیں کہ نیکوں کی اولاد ہونا اور پھر نیک ہونا نورٌ علیٰ نور ہے۔ یوں تو اللہ کریم کافروں کے ہاں بھی مسلمان پیدا کر دیتے ہیں، یہ بھی بڑی سعادت ہے، بدکاروں کے ہاں بھی نیک پیدا کر دیتے ہیں، یہ بھی سعادت ہے لیکن کوئی خود بھی نیک ہو اور اولاد بھی نیک ہو تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

یہاں دو انبیاؑ کا ذکر ہے، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا۔ انبیاؑ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام چار پشتوں میں چاروں نبیؑ ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبیؑ ابنِ نبیؑ، ابنِ نبیؑ، ابنِ نبیؑ ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نبیؑ ہیں، حضرت اسحاق علیہ السلام بھی نبیؑ ہیں اور حضرت ابراہیم بھی نبیؑ ہیں۔ یہ خصوصیت ہے کہ ان کی چار پشتوں میں نبوت ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہیں جن کی چار پشتوں میں صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ شرف صرف آپؓ کو حاصل ہے اور کسی صحابیؓ کو نہیں۔ آپؓ کے والد صحابیؓ، خود صحابیؓ، اولاد صحابیؓ اور اولاد کی اولاد صحابیؓ، یہ اللہ کی عطا ہے جسے چاہے دے۔

نیک اولاد اللہ کے انعامات میں سے ہے۔ اللہ کریم سب کی اولادوں کو نیک کرے۔

معمولاتِ اذکار چھوٹ جائیں تو کفارہ ادا کرنا بہتر ہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکرِ خیر چل رہا ہے کہ آپؑ کے پاس آپؑ کے والدِ گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت بڑی سلطنت و ریاست تھی۔ فرمایا: اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ جب شام کے قریب ان کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ دن ڈھلے جب اُنؑ کے سامنے معائنے کے لیے شاہی اصطبل کے چُنے ہوئے گھوڑے پیش کیے گئے تو اس میں کچھ دیر لگ گئی۔ آپؑ ایک ایک کا ملاحظہ فرماتے رہے اور سورج غروب ہوگیا۔ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ تو کہنے لگے میں نے مال کی محبت کو اپنے پروردگار کے ذکر سے محبوب رکھا (ذکر سے غافل ہوگیا) یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس مال اور اس کے حُسن و خوبصورتی نے مجھے اللہ کے ذکر سے اس قدر بیگانہ کر دیا کہ میں اتنی دیر سے انہی گھوڑوں کو دیکھ رہا ہوں اور معمولات چھوٹ گئے!

الْخَيْر۔۔۔ 'خیر' سرمائے کو، مال و دولت کو کہتے ہیں۔ فرمایا، میں اپنا سرمایہ دیکھتا رہا۔ یہ میرا مال تھا، میں ان گھوڑوں کی خوبصورتی، صحت اور قد کاٹھ دیکھتا رہا اور اس میں اتنی دیر کردی کہ سورج غروب ہوگیا۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ۔۔۔ پھر (حکم دیا) ان گھوڑوں کو میرے پاس لاؤ اور فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ سو وہ ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ فرمایا، سب اللہ کی راہ میں قربان کردو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجودِ اطہر اور قلوبِ اطہر ہی ذاکر نہیں ہوتے بلکہ اُن کی شان یہ ہوتی ہے کہ جو چیز اُن کے وجودِ عالی سے مَس کر جائے وہ بھی ذاکر ہو جاتی ہے۔ اُنؑ کے نعلین مبارک، لباس، لاٹھی جو ہاتھ میں رکھتے ہیں یا جو بھی چیز اُنؑ کے بدن مبارک سے مس کرتی ہے وہ ذاکر ہو جاتی ہے۔

اب ایسا نہیں تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی ذکر چھوٹ گیا تھا، وہ تو اللہ کے نبیؑ تھے۔ اُن کے وجود کا ہر ذرّہ نہ صرف ذاکر تھا بلکہ ذاکر گر تھا لیکن چونکہ توجہ گھوڑوں کی طرف رہی تو انہیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ وہ اتنی دیر اس میں منہمک رہے۔ یہ مال و دولت ہی ہے، دنیا کا حسن ہے اور میں اس میں کھو گیا تو آپؑ نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قربان کر دیے۔ یہاں علمائے حق فرماتے ہیں کہ ذکر میں، معمولات میں کہیں سستی ہو جائے

تو اس کا کفارہ دینا، صدقہ اور خیرات کرنا بہت اچھی بات ہے۔

ہمارے ہاں تو رواج ہو گیا ہے کہ معمولات چھوڑ کر کہتے ہیں کہ فرصت نہیں ملی تو نہ سہی لیکن حق یہ ہے کہ اگر ذکر اذکار کے معمولات چھوٹ جائیں تو صدقہ دینا، اللہ سے معافی مانگنا اور آئندہ چھوٹنے نہ دینا، یہ مستحسن ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ۔۔۔ اور یقیناً ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو (ایک اور طرح سے) آزمایا۔

ہم نے سلیمان (علیہ السلام) پر ایک آزمائش ڈال دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے نفلی ذکر چھوٹا تھا، آپؑ کی نمازیں تو قضا نہیں ہوئی تھیں۔ آپؑ نے کہا کہ عصر پڑھ کر بیٹھے ہیں اور مغرب تک گھوڑوں میں ہی لگے رہے اور متوجہ الی اللہ نہیں ہوئے۔ یہ کیا بات ہوئی! آپؑ نے اس کا کفارہ بھی دیا، سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قربان کر دیے۔ فرمایا، پھر بھی آزمائش آ گئی۔

یاد رہے کہ فرض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جتنے فرائض ہیں یہ چھوڑنا تو دور کی بات ہے اگر کوئی اُن معمولات کو جو اس نے بنا رکھے ہیں مثلاً کوئی روزانہ آدھا پارہ قران پڑھتا ہے، کوئی دس دس پارے پڑھتا ہے، ذکر اذکار پر وقت لگاتا ہے، جب چھوڑتا ہے تو اس پر کوئی دنیا کی آزمائش آ جاتی ہے۔ چونکہ یہ فرض نہیں ہیں اس لیے ان کا چھوڑنا گناہ تو نہیں ہے لیکن دنیا کی آزمائش، کوئی مصیبت آ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی جو ذکر چھوٹا وہ نفلی ذکر تھا اور آپؑ نے اس کا کفارہ بھی دیا اس کے باوجود، اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے سلیمان علیہ السلام پر آزمائش بھیج دی۔ فرمایا: وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا۔۔۔ ہم نے اُن کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا۔ یعنی ایک بے کار نکمے سے آدمی کو اُن کا تخت عطا کر دیا۔ جو بندہ، جس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اس کے لیے وہ بے کار ہے۔ فرمایا، اُنؑ کی آزمائش کے لیے ہم نے ایک بے کار نااہل آدمی کو اُنؑ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس بات کی تفصیل کہ کیا ہوا، کیسے ہوا، قرآن و حدیث شریف نے نہیں فرمائی لہٰذا جتنی کہانیاں اس زمرے میں ملتی ہیں وہ اکثر اسرائیلیات یعنی یہودیوں کی بنائی ہوئی ہیں یا کچھ لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

اب یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ایک بہت بڑی سلطنت و ریاست یکبارگی ہاتھ سے نکل جائے اور کوئی بے کار نکما سا بندہ وہاں سلطان بن کے بیٹھ جائے۔ یہ بہت بڑی آزمائش تھی تو اس کا انہوں نے کیا تدارک کیا: ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔

یعنی بہت توبہ کی، بارگاہِ الٰہی میں الحاح وزاری کی اور اقرار کیا کہ یہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اللہ کریم سے معافی چاہی: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ۔۔۔ اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرمائیے۔ حالانکہ وہ سارے نفلی اذکار تھے جن کا چھوڑنا گناہ تو نہ تھا لیکن ترکِ اولیٰ تھا پھر بھی آپؑ نے بخشش چاہی۔ اللہ کریم نے وہ آزمائش ختم کر دی اور وہ

بندہ ٹل گیا اور آپؑ کی حکومت آپؑ کو واپس مل گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور اللہ کی عطا:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے بخشش چاہی کہ اے اللہ معاف فرما دے اور پھر دعا کی: وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ۔۔۔ اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرمایئے کہ میرے بعد کسی کو شایان نہ ہو بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

مجھے ایسی بادشاہی، ایسی ریاست دے کہ جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔ پھر کسی کو ایسی بادشاہت نہ ملے: إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ۝٣٥ بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ کوئی آپ کی مثل و مثال نہیں آپ جو چاہیں عطا فرما دیں۔ مجھے ایسی حکومت و سلطنت، ایسی ریاست عطا کر دیں کہ پھر دنیا میں میرے بعد کوئی اس کا تصور بھی نہ کر سکے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے اُنؑ کی دعا قبول فرمائی اور: فَسَخَّرْنَا لَهُ ٱلرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِۦ۔۔۔ سو ہم نے ہوا کو بھی اُن کے تابع کر دیا۔ جن و انس، چرند پرند، حیوانات کے ساتھ ہواؤں کو اُن کے تابع کر دیا۔ ہوا بھی اُن کے لیے مسخر کر دی جو اُن کے حکم سے چلتی تھی: فَسَخَّرْنَا لَهُ ٱلرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِۦ رُخَآءً حَيْثُ أَصَابَ ۝٣٦ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی۔ اور نہ صرف انؑ کے حکم سے چلتی تھی بلکہ جہاں اُنہیں جانا ہوتا تھا وہاں اُٹھا کے لے جاتی تھی۔ یہ جو ہوائی جہاز ہے اس کا تصور بھی وہاں سے ملتا ہے۔ جس چیز پر وہ اپنے اہلِ دربار اور لاؤ لشکر سمیت سوار ہوتے تھے، اُسے کوئی بھی نام دے دیں، ہوائی جہاز کہہ لیں یا اُڑن کھٹولا کہہ لیں وہ بہت بڑا ہوگا۔ آپؑ اپنے اہلِ دربار اور لاؤ لشکر سمیت اس پر سوار ہو جاتے اور ہوا کو حکم دیتے اور وہ اُٹھا کر لے جاتی۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ مہینہ بھر کی راہ ایک صبح میں طے کر لیتی۔ اسی تصور کی آج مختلف صورتیں ہیں۔ آج بھی جو ہوائی جہاز اڑ رہا ہے اُسے صرف ہوا ہی اُڑاتی ہے کہ اُس کے انجن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ آگے سے ہوا وصول کرتا ہے اور پھر بہت تیزی سے پیچھے چھوڑتا ہے۔ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی۔ چنانچہ وہ ہوا کو حکم دیتے تو وہ اُن کے تخت کو اٹھا لیتی تھی اور اُنؑ کے لاؤ لشکر سمیت جہاں حکم دیتے پہنچا دیتی تھی۔

وَٱلشَّيَٰطِينَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَغَوَّاصٍ ۝٣٧ اور جنات کو بھی، سب تعمیر کرنے والوں کو بھی، اور غوطہ خوروں کو بھی۔

اور ہم نے بڑے بڑے سرکش جنات کو بھی اُنؑ کے تابع کر دیا۔ اُن میں سے کچھ ایسے تھے جو محل تعمیر کرتے تھے، کچھ ایسے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر جواہرات اور موتی نکال لاتے تھے۔ وَءَاخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي ٱلْأَصْفَادِ ۝٣٨ اور دوسرے (جنات کو) بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

کچھ ایسے جنات تھے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام زنجیریں پہنا کر قید کر دیتے تھے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبیؑ تھے اور بہت وسیع ریاست کے حکمران اور شہنشاہ تھے۔ صرف انسان ہی نہیں، حیوانات، ہوا اور جنات بھی اُنؑ کے تابع کر دیے گئے، اس کے باوجود جنات اُنؑ سے سرکشی کرتے تھے حتیٰ کہ وہؑ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیتے تھے۔

آج جو ہرا یرا غیرا دعویٰ کیے پھرتا ہے کہ جن اُس کے تابع ہیں بھلا اس کی کیا حیثیت ہے؟ قرآنِ کریم بتا رہا ہے کہ اللہ نے جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے اس کے باوجود اُنؑ سے سرکشی کرتے تھے تو یہ جو عامل بنے بیٹھے ہیں اور روپیہ روپیہ مانگ کر دن رات بسر کرتے ہیں، یہ کیسے جنات کو قابو کیے بیٹھے ہیں؟ یہ ساری خرافات ہیں۔ ان سے کوئی جن وغیرہ قابو نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ البتہ شیطان لگ جاتے ہیں جنہیں یہ مؤکل کہتے ہیں۔ اب یہ کون سی مخلوق ہے؟ انسان مخلوق ہے، جن مخلوق ہے، فرشتے مخلوق ہیں لیکن مؤکل نام کی کوئی مخلوق قرآن اور حدیث میں نہیں ملتی۔ یہ سارے شیطان ہوتے ہیں اور عامل سمجھتے ہیں کہ ہم نے جن قابو کیا ہے۔ شیطان سمجھتا ہے کہ ایک بندہ قابو آ گیا ہے جس کے کہنے پر چند شعبدے دکھا کر، اُسے ہتھیار بنا کر لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی عامل کے پاس جانے والا کبھی ہدایت نہیں پاتا اور اگر پہلے ہدایت پر بھی تھا، عامل کے پاس گیا تو گمراہ ہو جائے گا، بدعات اور گناہوں میں چلا جائے گا۔ یہ سارے شیطانی تماشے ہیں۔

لوگ بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ میری کسی نے نوکری بند کر دی، میری تین سال سے اولاد نہیں ہوئی کسی نے بندش کر دی، کسی نے رکوا دی۔

دراصل لوگوں کو عظمتِ الٰہی کا احساس نہیں رہا، اندازہ ہی نہیں رہا کہ اللہ کتنا بڑا ہے اور اس کی قدرت کتنی کامل ہے۔ اس کی ہر چیز پر کتنی گرفت ہے۔ ایسی بات کرنے والوں کو احساس نہیں ہے کہ جس روح کو اللہ کریم پیدا کرنا چاہیں اُسے کون روک سکتا ہے اور جسے پیدا نہ کرنا چاہیں اُسے کون لا سکتا ہے! یہ کسی سے بند ہوتی ہے نہ کھلتی ہے۔ ہر متنفس کا فیصلہ ازل سے ہو چکا ہے۔ دنیا پر کون جائے گا، وہاں کتنا عرصہ رہے گا، کیسا ہوگا، اچھا برا، چھوٹا بڑا، خوبصورت بدصورت، عقل مند یا بیوقوف ہوگا، یہ فیصلہ ہو چکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ قلم خشک ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ پروگرام کے مطابق سارا نظام چلتا رہتا ہے۔ البتہ بندے کے پاس موقع ہے کہ وہ نیک اولاد کے لیے دعا کرے۔ اللہ سے درخواست کرے۔ اولاد ہوگی یا نہیں ہوگی یہ اللہ کی مرضی لیکن دعا کا اجر تو ملے گا۔ لوگوں کو یہ بھی شکایت ہوتی ہے کہ میں نے اتنا عرصہ دعا مانگی، قبول نہیں ہوئی۔ کمال ہے! تم نے دعا مانگی تھی یا حکم دیا تھا جس کی تعمیل ہونی چاہیے تھی؟ دعا تو ایک

درخواست ہوتی ہے، مالک کی مرضی وہ سُن لے لیکن یہ یاد رہے کہ وہ کریم کوئی دعا رد نہیں فرماتے، ہر دعا قبول فرماتے ہیں۔ کبھی تو ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا ہم مانگ رہے ہوتے ہیں لیکن اس میں وقفہ آجاتا ہے ذرا دیر ہو جاتی ہے۔ کبھی جو مانگتے ہیں اس سے بہتر چیز عطا ہو جاتی ہے اور جو دعائیں پوری نہیں ہوتیں انہیں اللہ کریم آخرت کے لیے رکھ لیتے ہیں۔ اُن دعاؤں کا بدلہ میدانِ حشر میں عطا فرمائیں گے۔ دعا کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ اولاد نہیں ہوتی تو دعا کریں، علاج کریں، اس میں کوئی حرج نہیں، دوالیں ہو سکتا ہے جسم کے نظام میں خرابی ہو، اس کے لیے علاج کریں لیکن یہ وہم نہ کریں کہ کسی نے بندش کر دی ہے یا روک دی ہے۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔

فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ یہ ہماری بخشش ہے پس کسی کو کچھ دیں یا نہ دیں آپ سے پُرسش نہ ہوگی۔

یہ ہماری عطا ہے۔ ہم نے اتنا وسیع ملک اور اختیارات آپؑ کو دے دیے، حکومت وسلطنت دے دی، وسائل واسباب پر اختیارات عطا کر دیے۔ اب آپؑ کتنا کسی کو دیتے ہیں کتنا نہیں دیتے یہ آپؑ کے اختیار میں ہے۔ ان چیزوں کو بندوں تک پہنچانا ہم نے آپؑ پر موقوف کر دیا۔ فرمایا، وہ میرے نبیؑ تھے صرف ایک بادشاہ نہیں تھے۔ ہم نے بے حساب نعمتیں اُنؑ کے قبضے میں دے دیں اور فرمایا میرے بندوں کے اور میرے درمیان وسیلہ اب آپؑ بن گئے ہیں۔ میری نعمتیں آپؑ کے قبضے میں ہیں اب انہیں آپؑ کس طرح مستحقین تک پہنچاتے ہیں، یہ آپؑ کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ بے شک اُنؑ کے لیے ہمارے پاس ایک (خاص) قرب اور نیک انجام ہے۔ اللہ کے نبیؑ ہیں۔ وہ پوری دیانت اور امانت سے ایک ایک فرد تک اس کا حق پہنچائیں گے۔ اُس پر بخشش وعطا کریں گے۔ حق سے زیادہ دیں گے۔ کسی کے حق میں کمی نہیں ہوگی اس لیے کہ اُنؑ کا مقام قربِ الٰہی ہے، واصل باللہ ہیں اور اُنؑ کا نیک انجام ہے۔

گویا حکومت اللہ کریم کا احسان ہوتی ہے اگر اللہ کے قرب کے لیے، اللہ کی اطاعت کے لیے اور نفاذِ دین کے لیے ہو۔ حکومت اللہ کا انعام اور امانت ہوتی ہے۔ اس کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے اور اس کا حق ادا کرنا چاہیے کہ وسائل حکمرانوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں لہٰذا مخلوق تک پہنچانا اُن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اُسے حکومت مل گئی ہے اور لوگ اُس کے غلام ہو گئے ہیں جن کے ساتھ وہ جو چاہے سلوک کرے، انہیں کچھ دے یا نہ دے تو یہ غلط سوچ ہے۔ اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

یہ اس وقت پتا چلے گا جب کروڑوں لوگ میدانِ حشر میں دامن پکڑ کر کھڑے ہوں گے کہ اُنہیں حقوق اور انصاف نہیں ملا تھا۔

سورۃ ص رکوع 4 آیات 41 تا 64

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ
وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ
ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ
اَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ
وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ
الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ
مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ
مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ
وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ
مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ
وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا
مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ
اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا
فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور آزار پہنچایا ہے ﴿۴۱﴾ (ارشاد ہوا) اپنا پاؤں ماریں، یہ نہانے اور پینے کے لیے ٹھنڈا (پانی) ہے ﴿۴۲﴾ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت تھی ﴿۴۳﴾ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا تیلوں (جھاڑو) کا لیں پھر اس سے ماریں اور قسم نہ توڑیں بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، اچھے بندے تھے (اور) بہت رجوع ہوتے تھے ﴿۴۴﴾ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کیجیے جو ہاتھوں والے (طاقتور) اور آنکھوں والے دانشمند تھے ﴿۴۵﴾ ہم نے ان کو ایک خاص بات آخرت کی یاد سے ممتاز فرمایا تھا ﴿۴۶﴾ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے (اور) سب سے اچھے لوگوں میں ہیں ﴿۴۷﴾ اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو بھی یاد کیجیے اور سب اچھے لوگوں میں سے تھے ﴿۴۸﴾ یہ ایک نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے تو عمدہ مقام ہے ﴿۴۹﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے ﴿۵۰﴾ وہ ان میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ وہاں بہت سے پھل اور پینے کی چیزیں منگواتے رہیں گے ﴿۵۱﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر (عورتیں) ہوں گی ﴿۵۲﴾ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۵۳﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ﴿۵۴﴾ یہ (بات تو ہو چکی) اور بے شک سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانہ ہے ﴿۵۵﴾ دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے پس بہت بُری جگہ ہے ﴿۵۶﴾ یہ کھولتا ہوا پانی ہے اور پیپ پس وہ لوگ اس کا مزہ چکھیں ﴿۵۷﴾

اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے) ﴿۵۸﴾ یہ ایک جماعت ہے جو آئی ہے تمہارے ساتھ ان پر اللہ کی مار، یقیناً یہ بھی دوزخ میں گھس رہے ہیں ﴿۵۹﴾ وہ کہیں گے بلکہ تم پر ہی اللہ کی مار ہو تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے ہو سو بہت بری جگہ ہے ﴿۶۰﴾ تو وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے سامنے لایا ہے سو اُس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجیے ﴿۶۱﴾ اور وہ کہیں گے کیا بات ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آرہے جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے ﴿۶۲﴾ کیا ہم نے ان کا مذاق اُڑایا تھا یا (ہماری) آنکھیں ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں ﴿۶۳﴾ بے شک یہ اہلِ دوزخ کا جھگڑنا بالکل سچ ہے ﴿۶۴﴾

تفسیر و معارف

اللہ کے مقرب بندے ایوب علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

فرمایا: وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوبَ ۔۔۔ اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجیے۔

علامہ مرحوم نے کیا خوب کہا تھا ''عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر''، یعنی بندے تو سارے اللہ ہی کے ہیں اُسی کی مخلوق ہیں لیکن جب وہ کسی کو عَبْدَنَآ ۔۔۔ یعنی میرا بندہ کہتا ہے تو معنی بدل جاتے ہیں۔ جب اللہ بندے کی نسبت اپنی طرف فرماتا ہے تو اُس بندے کے کمال اور قربِ الٰہی کی منازل کا اندازہ ہوتا ہے۔

فرمایا، ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا ذکر کیجیے، لوگوں کو بتائیے کہ اللہ کے مقرب بندوں نے کون کون سا حال بسر کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو کوئی عجیب سی بیماری لگ گئی تھی۔ آپؑ کا بہت بڑا خاندان تھا، بہت خوشحال تھے۔ آپؑ کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ کاروبار ختم ہو گیا خوشحالی رخصت ہو گئی۔ خاندان کے افراد موت کی وادی میں چلے گئے۔ ایک اہلیہ ساتھ رہ گئیں باقی سارا خاندان مر گیا۔ آپؑ اس قدر بیمار ہوئے کہ حرکت کے قابل نہ رہے۔ آپؑ کی اہلیہ محترمہ ہی مزدوری کرتیں۔ لوگوں کے گھروں میں کام کرتیں اور جو اُجرت ملتی اُس سے انؑ کے علاج کی کوشش بھی کرتیں۔ آپؑ کے بدنِ مبارک پر ایسے پھوڑے پھنسیاں نکل آئے کہ لوگوں نے گاؤں سے الگ کر دیا۔

شہر سے باہر نکال دیا تو آپؑ پھر بھی صبر شکر سے بسر کرتے رہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شیطان نیک بندے کا روپ دھار کر، حلیہ بنا کر اُنؑ کی اہلیہ محترمہ کو کہیں ملا اور کہنے لگا کہ بیٹا میں آپ کو کچھ کلمات سکھاتا ہوں وہ پڑھ کر انہیں دم کرو تو وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اہلیہ محترمہ جب آپؑ کے پاس واپس پہنچیں تو سارا ماجرا سنایا کہ ایک بزرگ ملے تھے اور انہوں نے کچھ کلمات سکھائے ہیں کہ آپؑ پر دم پڑھوں تو آپؑ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپؑ اللہ کے نبیؑ تھے فوراً پہچان گئے کہ یہ تو شیطان کی باتیں ہیں۔ اُنہیں بہت ہی دکھ ہوا۔ اُنؑ کا کاروبار ختم ہوا، سارا خاندان موت کے گھاٹ اتر گیا، بیٹے، بیٹیاں، بھائی، بیویاں سب چلے گئے، سوائے ایک اہلیہ محترمہ ساتھ رہ گئیں مگر آپؑ سب کچھ صبر سے برداشت کر گئے۔ بدن چھلنی ہو گیا، اہلِ شہر نے شہر بدر کر دیا آپؑ نے برداشت کیا لیکن جب شیطان نے اُن کی اہلیہ مبارکہ کو بہکانے کی کوشش کی تو آپؑ برداشت نہ کر سکے۔ کتنے برس تکلیف میں گزارے، صحت، کاروبار، خاندان سب کچھ چلا گیا لیکن فریاد نہیں کی لیکن جب شیطان نے مداخلت کرنا چاہی تو چیخ اُٹھے کہ یہ دن بھی آنے تھے، شیطان کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ میرے معاملات میں بھی آ گیا!

فرمایا: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور آزار پہنچایا ہے۔

آپؑ نے اپنے ربّ کو پکارا کہ اے اللہ! آج تو شیطان بھی مجھے دکھ دینے لگا ہے۔ اب شیطان کو بھی اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ وہ مجھے تکلیف دینے لگا ہے اس نے مجھے ایذا اور دکھ پہنچایا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ دنیا کا سب کچھ چلا گیا تو بھی آپؑ کو دکھ نہیں پہنچا لیکن جب شیطان نے مشورہ دینے کی کوشش کی تو آپؑ تلملا اُٹھے۔ ذرا ہم اپنا حال دیکھیں کہ ہم سارا دن شیطان کے مشوروں پر عمل کرتے رہتے ہیں اور ایک پیسہ بھی کھو جائے تو اُس کے لیے روتے رہتے ہیں۔ دنیا کا نقصان ہو جائے تو ہماری چیخیں نکل جاتی ہیں لیکن فرائض چلے جائیں، رمضان کی برکات چلی جائیں، حج چلا جائے ہمیں کوئی غم نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، سود کھاتے ہیں۔ کتنا فاصلہ ہے ہمارے کردار میں اور اللہ کے بندوں میں! ہم کیا کر رہے ہیں! ہم کیا جواب دیں گے؟

اللہ کریم کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں انبیاءؑ پر، کیا مقدس ہستیاں تھیں کہ اُنہوں نے انسانی زندگی کے کمال کے جو بھی پہلو ہیں وہ روشن فرمائے ہیں۔ اللہ کریم کو ایوب علیہ السلام کی یہ ادا بڑی پسند آئی کہ صبر کرتے رہے لیکن جب میرے تعلق کی بات آئی تو فوراً چیخ اُٹھے تو فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ۔۔۔ (ارشاد ہوا) اپنا پاؤں ماریں۔ وہ کیسا قادر ہے۔ وہی زمین تھی جس پر کتنے عرصے سے پڑے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ فرمایا، زمین پر پاؤں ماریں هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ یہ نہانے اور پینے کے لیے ٹھنڈا (پانی) ہے۔

دیکھیں چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ اس سے نہائیں اور اسے پئیں بھی کہ مزیدار ٹھنڈا پانی ہے لہٰذا جب آپؑ اس سے نہائے اور پانی پیا تو تندرست وتوانا ہو گئے۔ ساری بیماری بھی چلی گئی اور قوتیں بھی بحال ہو گئیں۔ آپؑ پھر سے جوانِ رعنا بن گئے۔ فرمایا، پھر ہم نے یہ کیا کہ: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ۔۔۔ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی۔

پھر ہم نے اُن کے خاندان کو اتنی ترقی دی کہ جتنا پہلے تھا جو موت کی نذر ہو گیا تھا، اُس سے دوگنا کنبہ بن گیا۔ اُن کو بیٹے، بیٹیاں، پوتے پوتیاں عطا کر دیں۔ اُن کو خاندان اور کنبہ عطا کر دیا اور اتنا بڑھایا کہ وہ پہلے سے دوگنا ہو گیا۔ رَحْمَةً مِّنَّا ۔۔۔ یہ ہماری رحمت تھی، ہم اسی طرح عطا کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں صحت بھی دی، جوانی بھی لوٹا دی، مال واسباب اور دوگنا کنبہ بھی عطا کر دیا۔ یہ ہماری طرف سے رحمت وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴿۴۳﴾ اور عقل والوں کے لیے نصیحت تھی اور جن کی عقل سلامت ہے، جن میں کوئی عقل، خرد باقی ہے اُن کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے کہ اللہ کریم دنیا کی نعمتیں، اقتدار و اختیارات، مال و دولت اور حلال وسائل پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں تو یہ اللہ کی عطا ہے۔ اللہ کریم ہی دیتے ہیں لہٰذا جن کی عقل سلامت ہے اُن کے لیے نصیحت ہے کہ رزق، اقتدار اور وقار کے لیے اللہ کی نافرمانی نہ کرو بلکہ یہ بھی اللہ ہی کی بارگاہ میں تلاش کرو۔ یہ بھی اللہ ہی دیتے ہیں۔ بات اللہ سے تعلق کی ہے۔ اللہ کے نیک بندے ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہتے ہیں، غریبی میں بھی اور بادشاہی میں بھی۔ دنیوی معاملات سب کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ صحت بیماری، امارت غریبی، اقتدار واختیار و بے اختیاری یہ ایک الگ نظام ہے۔ ہاں جو اللہ کے بندے ہیں وہ ہر حال میں اللہ سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں۔ بیمار ہوں تو بھی اللہ سے تعلق قائم ہوتا ہے، صحتمند ہوں تو بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ فرمایا، جس میں عقل و خرد باقی ہے اُس کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے۔

قسم اور حیلہ:

جب آپؑ کو اہلیہ محترمہ نے آکر وہ بات بتائی تو آپؑ بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے مجھے صحت ہو گئی تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا۔ تم میرے پاس شیطان کا پیغام لے کر آ گئی ہو۔ وہ بے چاری تو بے قصور تھیں کہ انہوں نے تو یہی سمجھا کہ کوئی نیک بندہ مشورہ دے رہا ہے۔ آپ نبیہ تو نہیں تھیں کہ سمجھ سکتیں لیکن حضرت ایوب علیہ السلام نے بہت محسوس کیا اور فرمایا، اگر مجھے اللہ نے صحت دی تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا۔ اللہ کریم نے فرمایا، آپ نے وہ قسم کھائی تھی تو قسم توڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اب اپنی قسم پوری کریں۔ البتہ اللہ کریم نے اُن کی صفائی دی کہ اُن

بے چاری کو کیا پتا وہ تو اُنؑ کی خیر خواہی میں وہ بات لے آئیں۔

حکم یہ ہے کہ اوّل تو قسم کھاؤ نہیں لیکن اگر کھاؤ تو پوری کرو۔ اگر وہ کام نہ بھی ہو، وہ بات ویسے بھی نہ ہو تو بھی اگر اس پر قسم کھائی ہے تو قسم پوری کرو جیسے یہاں اُن کی اہلیہ کا جرم ثابت نہیں ہوا پھر بھی فرمایا کہ اپنی قسم پوری کریں۔ فرمایا، ایسا حیلہ کریں کہ الفاظ پر عمل ہو جائے: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ۔۔۔ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا تیلوں (جھاڑو) کا لیں پھر اس سے ماریں اور قسم نہ توڑیں آپؑ سو تنکے لے لیں اُن کا ایک مُٹھا بنالیں، جھاڑو کی طرح بنا کر اور وہ ایک ہی بار انہیں مار دیں۔ آپؑ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ قسم نہ توڑیں یعنی اللہ کی قسم توڑنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ آپ نے اللہ کو درمیان میں گواہ مقرر کیا ہے ہمارے ہاں تو اب قسم مذاق بن گئی ہے۔ ہم تو رواروی میں گفتگو کرتے ہوئے بلا ضرورت اللہ کی قسم کھاتے رہتے ہیں کہ اللہ کی قسم یہ ایسا ہے حالانکہ وہاں کوئی مطالبہ بھی نہیں کر رہا ہوتا کہ اس بات پر قسم کھاؤ۔ یہ ہمارا طرزِ تخاطب بن گیا ہے۔

شانِ بندگی:

فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا۔۔۔ بے شک ہم نے اُنہیں صابر پایا۔ دنیا کی ہر مصیبت آئی، صحت گئی، خاندان گیا، دولت گئی گھر بار گیا لیکن صبر شکر سے اللہ اللہ کرتے رہے۔ اللہ کریم گواہی دے رہے ہیں کہ میرا کیا ہی صبر کرنے والا بندہ ہے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔۔۔ اچھے بندے تھے میرا کتنا پیارا بندہ تھا! اللہ کے بندوں کی شان ہے کہ جنہیں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ کیا پیارا بندہ تھا میرا اور: اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (اور) بہت رجوع ہوتے تھے۔ وہ ہر حال میں میری طرف متوجہ رہنے والا، بہت ہی پیارا، بہت ہی صبر کرنے والا میرا بندہ تھا۔ وہ ایسے تھے کہ ہر حال میں میری بارگاہ میں حاضر رہتے، ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہتے۔

اسی طرح میرے دوسرے بندوں کا بھی ذکر فرما دیجیے: وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کیجیے جو ہاتھوں والے (طاقتور) اور آنکھوں والے (دانشمند) تھے۔

انؑ کو میں نے قوت وطاقت دی تھی اور وہ صاحبِ بصیرت بھی تھے۔ وہ دانشمند اور معاملہ فہم تھے۔ دنیا اور آخرت کی ضروریات اور اُن کے حصول کے طریقوں سے لے کر اللہ سے تعلق اور مخلوق سے تعلق تک تمام باریکیاں وہ جانتے تھے۔ اُنہیں میں نے قوت دی تھی، وہ صاحبِ اقتدار بھی تھے تو کس طرح اُنہوںؑ نے اطاعت کے حق ادا کیے! اُن کا کمال کیا تھا؟ فرمایا: اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ ہم نے اُنؑ کو ایک خاص بات، آخرت کی یاد سے ممتاز فرمایا تھا۔

اُنؑ کا کمال یہ تھا کہ وہ بستے اس دنیا میں تھے، جیتے آخرت میں تھے۔ یہ میرے وہ بندے تھے جنہیں میں نے اختیارات دیے، اقتدار دیے اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ انہیں اولوالعزم رسولؑ اور صدیق بنایا تو انہوں نے اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے اُنہیں ایک خاص مرتبہ عطا کیا تھا: ذِكْرَى الدَّارِ ۝٤٦

ہمہ وقت آخرت اُن کے روبرو رہتی تھی ہر کام آخرت کے لیے کرتے تھے۔ یہی اسلام ہے کہ بسر اسی دنیا میں کرنا ہے لیکن جینا آخرت میں ہے۔ اسلام نے کسی کام سے نہیں روکا، کاروبار سے نہ تجارت و ملازمت سے نہ (کھیتی باڑی) سے اور نہ مزدوری سے روکا ہے۔ اسلام نے شادی سے روکا ہے نہ گھر بنانے سے، کھانے پینے سے روکا ہے نہ سونے جاگنے سے، سیاست سے روکا ہے نہ حکومت سے، کسی کام سے نہیں روکا۔ ہر کام جو ہو سکتا ہے کرو لیکن ہر کام اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے کرو تو دنیا کا کام بھی ہو گا اور آخرت کی تعمیر بھی ہو گی۔ اسی دنیا میں کھانا کمانا ہے لیکن اس طرح نہیں کمانا کہ آخرت خراب ہو بلکہ جائز وسائل سے کمانا ہے، حلال کمانا ہے۔ کھانا بھی یہی کھانا ہے لیکن حرام اور مکروہ نہیں کھانا، حلال اور طیب کھانا ہے۔ اس لیے کہ اس سے آخرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ سارے ہی دنیا کے کام کرنے ہیں رشتے نبھانے ہیں لیکن ہر کام آخرت کے لیے کرنا ہے۔ اس سے دنیا کا فائدہ تو ہو گا ہی آخرت بھی نصیب ہو گی۔

فرمایا، یہ میرے بندے تھے جنہیں میں نے بہت اونچے منازل اور بلندیاں عطا فرمائی تھیں۔ میرے نبیؑ اور رسولؑ تھے، میرے مقرب تھے لیکن وہ آخرت کے لیے جیتے تھے۔ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝٤٧ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے (اور) سب سے اچھے لوگوں میں سے تھے۔

یہ ایسے لوگ تھے کہ ہماری بارگاہ میں پسندیدہ اور منتخب تھے، ہمارے مقرب بندے تھے۔

یہ کرۂ ارض نجانے کب سے انسانوں سے آباد ہے اور کب تک آباد رہے گا، اس میں کتنی مخلوق ہے۔ کتنے اربوں، کھربوں آئے اور گزر گئے، کتنے ابھی باقی ہیں، کتنے زمین پر بس رہے ہیں۔ فرمایا، اس بے شمار آبادی میں، انسانوں میں جو گنتی کے بندے ہوتے ہیں یہ انبیاؑ اُن میں سے تھے۔ میری مخلوق میں چنے ہوئے اور گنتی کے افراد میں سے تھے۔ وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ۔۔۔ آپ اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیجیے، الیسع علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیجیے اور ذالکفل علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیجیے: وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝٤٨ اور سب اچھے لوگوں میں سے تھے۔ یہ سارے اللہ کے پسندیدہ لوگ تھے۔ سارے نبیؑ چنے ہوئے ممتاز لوگ ہوتے ہیں۔

انبیاؑ کا ذکرِ خیر سب سے بڑی نصیحت ہے:

فرمایا: هَٰذَا ذِكْرٌ۔۔۔ یہ ایک نصیحت ہے۔

انبیاؑ کا ذکرِ خیر، اُنؑ کی حیاتِ مبارکہ اور اُن کی سوانح یہ سب سے بڑی نصیحت ہوتی ہے۔ یہی تو ذکر، یہی تو

نصیحت ہے کہ یہی وہ مثالی ہستیاں ہیں جنہیں دیکھ کر انسانوں نے اپنی عاقبت تعمیر کرنی ہے: وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴿۴۹﴾ اور بے شک پرہیزگاروں کے لیے تو عمدہ مقام ہے اور اس سارے ذکرِ خیر سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کو اچھا انجام نصیب ہوگا۔ اس ذکرِ خیر سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ یقیناً متقین کے لیے بہترین انجام ہے۔ جو لوگ خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اُنہیں ہی اچھا انجام نصیب ہوتا ہے۔

جب مزاج بگڑتے ہیں، تاثیریں بدل جاتی ہیں۔ اچھا بھلا بندہ ہے، طبیب کہتا ہے اسے روٹی نہ دینا چاول ابال کر دینا۔ اب وہ بندہ جب سے پیدا ہوا ہے، جب سے غذا لینے لگا ہے روٹی کھا رہا ہے، دن میں دو تین بار کھاتا تھا آج اس کا مزاج بگڑا ہوا ہے کھائے گا تو مر جائے گا۔ پھر مزاج ٹھیک ہو جائے گا تو کھا لے گا۔ ہماری بدبختی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکرِ خیر کرتے ہیں تو اس میں بھی اتنے خود ساختہ رواجات شامل کر دیتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ وہ ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہے کیونکہ اس میں گستاخی ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بے ادبی ہوتی ہے، نافرمانی ہوتی ہے۔ جھوٹی حکایات، جھوٹی روایات اچھل کود، ڈھول باجے یہ سب گستاخی ہے۔

ذکرِ خیر تو یہ ہے کہ اطمینان سے، باوضو ہو کر بیٹھ کر تسلی سے سنو اور مزے لے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک ادا کا ذکر کرو تا کہ اُس پر رحمتیں نازل ہوں، اللہ کے فرشتے اللہ کی نعمتیں لے کر آئیں۔ بخشش نازل ہو اور ایسی کیفیات آئیں کہ ہمارے گناہ ڈھل جائیں، ہمیں نیکی کی توفیق مل جائے لیکن پتا نہیں ہم کہاں پہنچ گئے ہیں!

قرآنِ کریم کی یہ آیات یاد دلاتی ہیں، بار ہا قرآن کہہ رہا ہے یاد کیجیے، وَاذْكُرْ ۔۔۔ بات کیجیے ابراہیم علیہ السلام کی، اسحٰق علیہ السلام کی، یعقوب علیہ السلام کی کیجیے۔ وَاذْكُرْ ۔۔۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی بات کیجیے، الیسع کی، ذالکفل کی بات کیجیے۔ اس کا مطلب ہے ذکرِ انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بھی مقصودِ قرآن ہے۔ یہ اصلاح کے لیے ضروری ہے۔ یہ سبق ہے زندگی کے لیے کہ یہ انبیاؑ بھی اللہ کے بندے تھے۔ اسی سورج کے نیچے زندہ رہے۔ اسی برسات میں انہوں نے بھی بسر کی۔ اسی زمین پر وہ بھی بسر کر گئے اور کیا خوب اطاعتِ الٰہی کا حق ادا کیا۔ یہ تو مناسب نہیں کہ ہم اُنؑ کا نام لے کر اُن پر بہتان لگانے لگ جائیں، ڈھول باجے بجانے لگ جائیں توہین کرنے لگ جائیں ہم نے تو اس آبِ حیات میں بھی زہر گھول دیا ہے۔ انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا ذکرِ خیر، انؑ میں سے کسی نبیؑ کا بھی ذکرِ خیر کرنا آبِ حیات ہے لیکن اگر کوئی آبِ حیات میں بھی زہر گھول دے تو پھر اس کے پلّے کیا بچے گا؟ یہ اعلیٰ درجے کی دوا تھی ہم نے اس میں بدعات اور مشرکانہ رسومات کا زہر گھول دیا۔ یہ کتنی بدنصیبی ہے ہماری!

فرمایا، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر کرنا، اُنؑ سے عقائد کا لینا، اُن سے کردار کا لینا اُنؑ کی برکات کا ذکرِ خیر کرنا، یہ سب سے بڑی نصیحت ہے۔ یہی تو نصیحت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرنے والوں کو بہت اچھا انجام نصیب ہوتا ہے: جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴿۵۰﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ یہ جب آخرت میں جائیں گے تو اللہ کی جنتیں، اللہ کے بنائے ہوئے باغات کے دروازے کھلے پائیں گے۔

جن لوگوں نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگیوں سے سبق سیکھا، اُنؑ کا ذکرِ خیر کیا، اُس سے نصیحت حاصل کی اور اُنؑ کا اتباع کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ آپ انہیں قبر میں داخل نہیں کرتے بلکہ جنت میں چھوڑ آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے، اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ من حُفَرَ النار (مسند احمد) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کہ قبر یا جنت کا باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ جنہوں نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگیوں کو پڑھا، سمجھا، بیان کیا، سنا اس سے سبق حاصل کیا تو وہ قبر میں نہیں بلکہ جنت میں اتارے جاتے ہیں۔ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴿۵۰﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔

اس ذکرِ خیر میں رسومات و بدعات شامل کر کے اسے خراب کرنے والے پھر کہاں جائیں گے! فرمایا، قبر کے دو ہی حال ہیں یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا ہے۔

فرمایا، نصیحت حاصل کرنے والے لوگ جنت کے دروازے کھلے پائیں گے اور: مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ﴿۵۱﴾ وہ ان میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ وہاں بہت سے پھل اور پینے کی چیزیں منگواتے رہیں گے۔ وہ جنت میں بڑے بڑے تختوں پر بہت خوبصورت ریشمی گاؤ تکیے لگا کر مزے سے بیٹھے ہوں گے اور طرح طرح کے پھل اور بے شمار قسم کے مشروب منگوا رہے ہوں گے۔

وہاں خادم اور غلام ہوں گے جنہیں یہ لوگ بڑے کرّ وفر سے عالی شان تختوں پر بیٹھ کر حکم دے رہے ہوں گے کہ یہ پلا دو، وہ پھل منگوا دو اور پھر اُنہیں: وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ﴿۵۲﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر (عورتیں) ہوں گی اللہ انہیں نیچی نگاہ رکھنے والی باحیا اور خوبصورت عورتیں بھی عطا فرمائے گا جو جنت ہی کی مخلوق ہوں گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی بے شمار نعمتوں میں باحیا بیوی کا نصیب ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو جنت کی نعمتوں میں بھی شمار کی گئی ہے کہ اُنہیں نیچی نگاہ رکھنے والی باحیا عورتیں عطا فرمائیں گے۔

کسی کو زندگی میں باحیا بیوی کامل جانا یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جبکہ بے حیا عورت سے شادی کر لینا اس دنیا میں عذاب ہے۔

فرمایا، اُن کی نوجوان بیویاں ہوں گی، خوبصورت، باحیا نیچی نگاہوں والی ہوں گی۔ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ﴿۵۳﴾ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تم سے حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ارشاد ہوگا، لوگو! یہی وہ جنّت ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اپنے نبی علیہ السلام کی معرفت جس کی خبر بھیجی تھی اور جن نعمتوں کا ذکر کیا تھا۔ تم نے میرے نبی علیہ السلام کے اتباع کا حق ادا کر دیا اور ہم نے تمہیں وہ عطا کرنے کا حق ادا کر دیا۔ اب اس سے لطف اندوز ہو، یہ ہماری عطا ہے، جنت ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ﴿۵۴﴾ بے شک یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

کوئی مخلوق کسی کو کتنا بھی انعام دے دے وہ محدود ہوگا، ایک دن ختم ہو جائے گا۔ فرمایا، یہ اللہ کی عطا ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ تم بھی ہمیشہ رہو گے اور یہ انعامات بھی ہمیشہ بڑھتے رہیں گے۔

هٰذَا ۔۔۔ یہ بات تو ہوگئی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کی، انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسلام کے متبعین کی اور اُن کے نیک انجام کی جنّت کی نعمتوں کی: هٰذَا ۔۔۔ اب اس کا دوسرا رخ بھی دیکھیں: وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ﴿۵۵﴾ بے شک سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانہ ہے۔

طَغٰی کا ترجمہ اردو میں غالباً بغاوت بنتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس لفظ کو اُن لوگوں پر استعمال کیا ہے جن تک دین پہنچا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا، مانا نہیں تو اسے بغاوت قرار دیا گیا۔ کچھ تو ایسے کفار بھی تھے جو گمراہی میں مر گئے جن تک دین پہنچا ہی نہیں۔ یہاں اُن کی بات ہو رہی ہے جن تک دین پہنچا لیکن وہ مانتے نہیں۔ فرمایا، پچھلی بات تو ختم ہوگئی اب اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کریم سے بغاوت کرتے ہیں، اُس کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے، اُس کے انبیاؑ کی بات کو اہمیت نہیں دیتے اُن لوگوں کا بہت بُرا انجام ہوگا۔ یہ اُس کا احسان ہے کہ انسان کو زندگی دی اختیار دیا اور ہزاروں گناہوں اور گمراہی کے باوجود توبہ کا دروازہ کھلا رکھا۔ یہ بہت بڑا احسان ہے۔ دوسرا احسانِ عظیم یہ ہے کہ مرتے دم تک بندے تک بات پہنچاتا رہتا ہے۔ کسی نہ کسی ذریعے سے، تحریر سے، تقریر سے، کہیں نہ کہیں سے بات بندے تک پہنچتی رہتی ہے لیکن پھر بھی کوئی بات نہ مانے تو فرمایا: لَشَرَّ مَاٰبٍ﴿۵۵﴾ اور بے شک سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانہ ہے۔

بغاوت کرنے والوں کا انجام:

اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے والوں کا بہت برا انجام ہوگا۔ پھر اس انجام کی تھوڑی سی جھلک قرآن نے دکھا

دی کہ وہاں کیا ہوگا۔ فرمایا: يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے پس بہت بری جگہ ہے۔ صرف یہ لفظ 'جہنم' کہہ دینا کافی ہے۔ جہنم کے عذابوں سے اللہ پناہ میں رکھے کہ دنیا میں جہنم کے عذاب سوچے بھی نہیں جا سکتے۔ جس طرح دنیا میں جنّت کی لذتوں کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا اسی طرح جہنم کے عذابوں کا بھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس بغاوت کا انجام جہنم ہوگا۔ اور اُنہیں اس میں داخل ہونا پڑے گا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے بہت تکلیف دہ جگہ ہے، بہت ہی بری جگہ ہے۔ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ یہ کھولتا ہوا پانی ہے اور پیپ پس وہ لوگ اس کا مزہ چکھیں۔ جہنمیوں کی خوراک کھولتا ہوا پانی اور خود جہنمیوں کی پیپ اور خون ہوگی۔ انہی جہنمیوں کے زخموں سے جو پیپ نکلے گی خون نکلے گا وہ بھی کھولتے ہوئے پانی میں ملا دیا جائے گا۔ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ۔۔۔ جب لوگ جہنم میں جائیں گے تو جو پہلے وہاں پہنچ چکے ہوں گے وہ کہیں گے، لو اور بد بخت آ گئے، ایک فوج اور چلی آ رہی ہے ہم تو پہلے تباہ ہو گئے تھے ان بدبختوں سے پوچھو یہ یہاں کیا لینے آ رہے ہیں: لَا مَرْحَبًا بِهِمْ۔۔۔ اللہ کی لعنت ہو ان پر انہیں کون خوش آمدید کہے، یہ بھی کوئی آنے کی جگہ ہے، یہ اِدھر کہاں چلے آ رہے ہیں؟ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ یہ کیسے لوگ ہیں دوزخ میں گھسے آ رہے ہیں! یہ بھی کوئی آنے کی جگہ ہے؟ اس کے جواب میں آنے والے لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہیں گے: قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ۔۔۔ سب پھٹکار ہو تم پر، تم خود بھی جہنم میں آئے ہمیں بھی لے آئے۔ ہم نے بھی تمہارا راستہ اختیار کیا تمہاری باتیں مانیں اور تمہارے پیچھے چلے۔ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ۔۔۔ پھٹکار ہو تم پر: اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ تم ہمیں ایسی جگہ لے آئے ہو جو رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ تم جہنم میں لے آئے ہو، آگ، عذاب تباہی بربادی، ظلمت اور تاریکی میں ہمیں لے آئے ہو۔ یہ کہاں لے آئے ہو ہمیں! پھر یہ نئے آنے والے دعا کریں گے۔

اے ہمارے پروردگار! جو شخص اس (مصیبت) کو ہمارے سامنے لایا ہے سو اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجیے یا اللہ! یہ جو لوگ آگے لگے اور ہمیں یہاں لے آئے ان پر دوگنی آگ بھیج، ان پر دوگنا عذاب کر اِن پر اور آگ بھیج۔

یہ ایک غور طلب بات ہے کہ یہ لوگ شکوہ تو کر رہے ہیں کہ پہلے والے ہمیں جہنم میں لے آئے لیکن دوزخ میں تو کسی نے تبلیغ نہیں کرنی۔ دنیا میں جب لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن چھوڑ کر کفار و مشرکین کی عادتیں اپنا لیں گے تو پھر شکوہ کس سے ہے؟ اللہ کی بارگاہ میں تو تب عرض کریں اگر اُس نے ہدایت کے سامان پیدا نہ کیے ہوں۔ اس نے تو مسلسل انبیاؑ بھیجے کتابیں بھیجیں اور ایسا عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث فرمایا جو بعثت سے لے کر قیامت تک ساری انسانیت کے ہادی و راہنما ہیں۔ سب کے راہبر ہیں اور اُنہیں وہ کتاب عطا فرمائی جو نزول سے لے کر قیامت تک ساری کائنات کی راہنمائی و راہبری کرتی ہے۔ جب خود اس کو مانا نہیں، دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ کر انکار

کرنے والوں کا دامن تھاما، اُن کے پیچھے چلے تو اب یہ نہ کہو کہ انہوں نے گمراہ کر دیا۔ فرمایا، یہ تو خود تم نے فیصلہ کیا اب ان کے لیے بددعائیں کر رہے ہو کہ ان پر آگ دوگنی کر دی جائے لیکن تم پر کیوں کم ہو؟ آخر تم نے بھی تو اللہ کی راہ چھوڑ کر جہنمیوں کی راہ اختیار کی، دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم چھوڑ کر ان کفار کا دامن تھاما تھا۔ تمہارا کردار بھی تو ان جہنمیوں جیسا تھا، اللہ کے بندوں جیسا نہ تھا۔ تمہارا جرم بھی تو اتنا ہی ہے لہٰذا جہاں یہ جائیں گے وہاں تم بھی جاؤ۔

ذرا سوچیں کہ کفر تو اللہ کے نام سے محرومی اور مخلوق کے دامن میں پناہ لینے میں ہے لیکن ہم جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، کلمہ گو ہیں اور ہم نے دامانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم تھام رکھا ہے پھر ہمارا کردار کفار جیسا کیوں ہے؟

ہم جھوٹ بھی بول لیتے ہیں، برائی بھی ہم سے ہو جاتی ہے۔ چوری بھی کر لیتے ہیں۔ ہمارے حلیے اور لباس بھی کافروں جیسے ہیں۔ کردار بھی اُن جیسے ہیں تو نتیجہ تو کردار پر نکلے گا دعوے پر نہیں۔ اعمال پر نتائج مرتب ہوتے ہیں اقوال پر نہیں ہوتے۔ ایک بندہ کہتا رہے کہ اس نے کھانا کھالیا ہے، زور و شور سے کہے کہ اُس نے کھانا کھالیا لیکن محض کہنے سے اُس کا پیٹ تو نہیں بھرتا۔ اگر وہ کچھ بھی نہ کہے، کھانا کھالے تو پیٹ بھر جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی یہاں بیٹھ کر کہتا رہے کہ وہ لندن پہنچ گیا وہ کیسے پہنچے گا؟ جو سفر کرے گا وہ پہنچے گا، کہنے سے کون پہنچتا ہے؟ نتیجہ ہمیشہ عمل پر مرتب ہوتا ہے قول پر نہیں۔ ہم کہتے رہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب موت آئے گی تو وہاں تو دفترِ اعمال دیکھا جائے گا، کردار دیکھا جائے گا نیت اور ارادہ دیکھا جائے گا۔ خلوص دیکھا جائے گا۔ جو کیا تھا اس پر اجر ملے گا۔

اہل جہنم کے لیے ایک بہت بڑی حسرت:

جب دونوں جہنمی گروہ آپس میں گلہ شکوہ کر لیں گے اور آخر لڑ بھڑ کر بھی دونوں کو جہنم میں ہی گزر بسر کرنی ہے تو بات کریں گے۔ کہیں گے، ہم تو یہاں آ گئے اور بھگت رہے ہیں کچھ لوگ دنیا میں ہوتے تھے جنہیں ہم بے وقوف کہتے تھے اور اُن کا مذاق اڑاتے تھے وہ کدھر گئے؟ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اور وہ کہیں گے کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ ہم انہیں بے وقوف کہتے تھے۔ کبھی اُن کی داڑھی کا مذاق اڑاتے تھے کبھی لباس کا اور کبھی اُن کی نمازوں کا مذاق اُڑایا: اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا ۔۔۔ ہم اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ہم کہتے تھے دیکھو انہوں نے داڑھیاں بڑھائی ہوئی ہیں، ان کے کپڑے کیسے ہیں ان کا حلیہ کیسا ہے۔ انہیں تو لباس پہننے کی تمیز نہیں ہے، یہ بے وقوف ہیں۔ اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ یا (ہماری) آنکھیں ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں۔ آج وہ لوگ نظر نہیں آ رہے کیا ہماری آنکھوں میں کوئی فتور آ گیا ہے۔ کیا ہماری آنکھیں پتھرا گئی ہیں؟ کیا ہوا کہ وہ نظر نہیں آ رہے۔ پھر اُن لوگوں کو احساس

ہوگا کہ ہم تو دنیا میں مذاق اُڑاتے رہے اور جنہیں ہم بے وقوف کہا کرتے تھے وہ جنّت میں پہنچ گئے اور ہم جن کی پیروی کرتے رہے اُن کے ساتھ جہنم پہنچ گئے۔ آج اُن کے ساتھ عذاب بھگت رہے ہیں اور وہ جنہوں نے دامانِ رسالت تھاما تھا وہ آج اُن (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہی کے دامن کے زیرِ سایہ موج کر رہے ہیں۔ ہم نے کیا کمایا! فرمایا:
اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ بے شک یہ اہلِ دوزخ کا جھگڑنا بالکل سچ ہے۔

یہ بالکل سچ ہے، کھری بات ہے کہ اہلِ دوزخ اسی طرح جھگڑیں گے۔ انہیں دو دکھ ہوں گے، ایک تو جہنم کے عذاب ہوں گے ایک یہ قلبی دکھ الگ ہوگا کہ دیکھو جنہیں ہم نالائق، کمزور اور مُلّا کہہ کر مذاق اڑاتے تھے وہ جیت گئے۔ کاش! ہم نے بھی دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم تھاما ہوتا۔ کاش! ہم نے بھی اللہ کی اطاعت کی ہوتی، ہم نے بھی حلال کھایا ہوتا۔ ہم نے بھی آخرت کی فکر کی ہوتی تو آج ہم بھی عیش میں ہوتے! یہ اندر کا عذاب بھی ہوگا کہ دل اس عذاب میں تڑپ رہا ہوگا اور جسم باہر، جہنم کے عذاب میں ہوگا۔ حسرتیں ہوں گی جو جینے نہیں دیں گی اور جہنم مرنے نہیں دے گی۔

سورۃ ص رکوع 5 آیات 65 تا 88

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ
مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰى
اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ
طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ
الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ
كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ
الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

فرما دیجیے کہ مَیں تو بس (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں اور اللہ واحد غالب کے سوا
کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿۶۵﴾ وہ پروردگار ہیں آسمانوں اور زمین اور ان
چیزوں کے جو ان کے درمیان میں ہیں (وہ) زبردست ہیں بڑے بخشنے
والے ﴿۶۶﴾ فرما دیجیے یہ ایک بہت بڑی خبر ہے ﴿۶۷﴾ جس سے تم بے پرواہ
ہو ﴿۶۸﴾ مجھے عالمِ بالا کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ (تخلیق آدم علیہ السلام کے
بارے) جھگڑ رہے تھے ﴿۶۹﴾ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ مَیں صاف
صاف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۷۰﴾ جب آپ کے پروردگار نے
فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں ﴿۷۱﴾
پھر جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے
سجدے میں گر جانا ﴿۷۲﴾ تو تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا ﴿۷۳﴾ مگر ابلیس
نے (نہ کیا) وہ غرور میں آ گیا اور وہ (علم الٰہی میں) تھا ہی کافروں میں
سے ﴿۷۴﴾ فرمایا اے ابلیس! جس کو مَیں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ
کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ کیا تُو غرور میں آ گیا یا تُو اونچے درجے والوں میں
تھا؟ ﴿۷۵﴾ کہنے لگا، مَیں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا
اور اسے مٹی سے پیدا فرمایا ﴿۷۶﴾ فرمایا پس تو یہاں سے نکل جا بلاشبہ تُو مردود
ہے ﴿۷۷﴾ اور یقیناً تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے
گی ﴿۷۸﴾ کہنے لگا اے میرے پروردگار! پھر مجھے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے
جائیں گے مہلت دیجیے ﴿۷۹﴾ فرمایا پس تجھ کو مہلت دی جاتی ہے ﴿۸۰﴾ اُس
دن تک جس کا وقت مقرر ہے ﴿۸۱﴾ کہنے لگا پس آپ کی عزت کی قسم میں اُن
سب کو ضرور گمراہ کروں گا ﴿۸۲﴾ سوائے اُن میں سے ان کے جو آپ کے مخلص
بندے ہیں ﴿۸۳﴾ ارشاد ہوا تو یہ سچ ہے اور مَیں (ہمیشہ) سچ بات ہی فرماتا
ہوں ﴿۸۴﴾ ہم تجھ سے اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے سب سے
جہنم کو بھر دیں گے ﴿۸۵﴾ آپ فرما دیجیے کہ مَیں اُس (تبلیغ) پر تم سے کوئی

معاوضہ نہیں چاہتا اور نہ مَیں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں ﴿۸۶﴾ یہ (قرآن) تو اہلِ عالم کے لیے نصیحت ہے ﴿۸۷﴾ اور تم کو اس کا حال ایک وقت (مرنے) کے بعد معلوم ہو جائے گا ﴿۸۸﴾

تفسیر و معارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ عالی:

فرمایا: قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ۔۔۔ فرما دیجیے کہ میں تو بس (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرما دیجیے کہ اے لوگو! میرا منصبِ عالی یہ ہے کہ جن حقیقتوں کا تمہیں موت کے بعد پتا چلنا ہے کہ اس عقیدے اور عمل کا کیا نتیجہ نکلے گا، تم آگ میں کس جرم میں ڈالے جا رہے ہو، تم پر کھولتے ہوئے پانی کیوں ڈالے جا رہے ہیں، وہ باتیں جو تمہیں موت کے بعد دکھائی دیں گی، میرا منصبِ جلیلہ ہے کہ میں تمہیں وہ سب آج بتا دوں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ کریم نے تیس پارے قرآن نازل فرمایا اور اس میں چھوٹی سے بڑی بات تک سب کچھ بتا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کی اُن باتوں کو جو اجمالی تھیں، کھول کر بیان کر دیا۔ بالکل واضح کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کریم نے شبِ معراج سے نوازا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم وجودِ عالی سمیت جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے برزخ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنت ملاحظہ فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دوزخ کو دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بے شمار احادیث مبارکہ بیان کرتی ہیں کہ برزخ میں کس عمل پر کیا عذاب ہو رہا تھا، جہنم میں کس جرم میں لوگ کس عذاب میں گرفتار تھے۔ جنّت میں اہلِ جنت کن نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

اللہ کا کلام موجود ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت موجود ہے۔ اللہ کے عطا کردہ علوم موجود ہیں۔ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو معراج کی رات آخرت، برزخ، جنّت، دوزخ بنفسِ نفیس دکھا دی اس کا ذکر احادیث میں بھی موجود ہے۔ اس سب کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیا تو سامنے ہے اگلا جہاں کس نے دیکھا! وقت آئے گا تو دیکھیں گے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے! جب وقت آئے گا تو پھر تم دیکھو گے یا وہ دیکھے گا؟ جب وقت آئے گا پھر ہم نہیں دیکھیں گے پھر وہ دیکھے گا جس نے ہمیں پیدا کیا، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا۔ جس نے

ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کا حکم دیا ہے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم نے کیا، کیا ہے، کیا نہیں کیا پھر تمہارے دیکھنے کی مدت ختم ہوجائے گی۔

میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! انہیں بتا دیجیے یقینی بات ہے کہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے کردار کے انجام کی خبر دینے والا ہوں۔ میں تمہیں کفر اور گناہ کے اس نتیجے سے جو تم مرنے کے بعد دیکھو گے آج بروقت مطلع کر رہا ہوں۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ اور اللہ واحد غالب کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ لوگو! اعلاناً سُن لو یہ پکی یقینی بات ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے۔ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، کوئی ایسا نہیں ہے جس کے سامنے دستِ طمع دراز کیا جائے، کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے سجدہ کیا جائے، رکوع کیا جائے۔ کوئی ایسا نہیں جس سے دنیا و آخرت مانگی جائے۔ یہ وہی واحد و لاشریک ہے اور قھار ہے۔ کائنات میں کوئی اس کا مدِ مقابل نہیں ہے۔ وہ سب سے طاقتور ہے۔ وہ خالق ہے باقی سب اُس کی مخلوق ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ وہ پروردگار ہیں آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کے جو ان کے درمیان ہیں۔ آسمانوں کو پیدا فرمانا، اُن پر کتنے ہی جہان بسانا، انہیں قائم رکھنا، رزق دینا، زندگی اور بقا دینا یہ سب اُس واحد و لاشریک کا کام ہے۔ اُس نے زمینوں کو پیدا فرمایا اور ہر ذرّے میں حیات رکھ دی، ہر ایٹم میں ایک جہان آباد کر دیا۔ مختلف ایٹم مل کر مختلف چیزیں بنیں اور یوں صنعتِ باری مسلسل جاری ہے۔ ہر لمحہ چیزیں بن بھی رہی ہیں اور فنا بھی ہو رہی ہیں۔ بے پناہ مخلوق ہر آن پیدا ہو رہی ہے، بے پناہ مخلوق ہر آن فنا ہو رہی ہے۔ کون پیدا کر رہا ہے؟ وہ واحد و لاشریک۔ کون فنا کر رہا ہے؟ وہ واحد و لاشریک! کون بنا رہا ہے، کون چلا رہا ہے، کس نے قائم رکھا ہوا ہے؟ وہی واحد و لاشریک جس کی کوئی مثال نہیں۔ وہ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ بہت بڑا بخشنے والا بھی ہے۔ لوگو! تم گناہ کرتے ہو وہ تمہیں مزید مہلت دیتا ہے۔ اس کی شانِ کریمی یہ ہے کہ تم زمین و آسمان کے درمیان کو گناہوں سے بھر دو تو بھی تم پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا اور جو خلوصِ دل سے توبہ کر کے واپس آ جائے اُسے بخش دیتا ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ صرف بخشتا ہی نہیں بلکہ: يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان:70) ان کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائیں گے لیکن یہ ان کے لیے ہے جو دل کی گہرائیوں سے توبہ کرتے ہیں، اللہ اُنہیں اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہیں، اُن کے گناہوں کو معاف فرما کر صرف بخش ہی نہیں دیتے بلکہ اُن گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ بخش دینا بھی اُسی کی شان ہے لیکن اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جتنے خلوص سے کوئی توبہ کرتا ہے، اگر وہ خلوص اُن بلندیوں کو پہنچے تو صرف گناہ معاف نہیں فرماتا بلکہ اُن گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اب اس سارے سے نکل کر جو بدبخت پھر جہنم میں پہنچا تو وہ پھر کسی پر شکوہ کیوں کرتا ہے؟ دوزخ جانا تو بہت مشکل ہے کہ وہاں جانے کے لیے بڑی محنت لگتی ہے۔ لوگ بڑی

مشقت سے دوزخ جاتے ہیں۔ ساری عمر جھوٹ بولنا کیا آسان ہے؟ چوری کرنا، ڈاکے ڈالنا، قتل کرنا آسان ہے؟ برائی کرنا، بدکاری کرنا، جوا کھیلنا، شراب پینا، کون سا گناہ آسان ہے؟ دنیا کے دکھ بھی جھیلتے ہیں اور آخرت کی تباہی بھی خریدتے ہیں یعنی بہت مشقت کرکے وہاں جاتے ہیں۔

کیا ہاتھ منہ دھونا، اللہ کو سجدہ کرنا، حلال روزی کمانا، پاک کرکے کھانا مشکل ہے؟ جنت تو راستے میں مل جاتی ہے، سب سے آسان ہے کہ دنیا میں بھی آرام سے رہے اور آخرت میں بھی سُکھی رہے۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ اپنے سفر کو مزیدار بنانا ہے تو سامانِ سفر کم رکھو۔ جتنا کم بوجھ ہوگا سفر میں مزے سے رہو گے اور زندگی کو آسان بنانا ہے تو خواہشات کم رکھو۔ جتنی کم ہوں گی اتنا مزے سے جیو گے۔ بات تو صحیح ہے۔ ہم ساری زندگی گزار دیتے ہیں لیکن ہمارا طمع ہی پورا نہیں ہوتا اور دم ختم ہو جاتا ہے۔ جمع کی ہوئی دنیا وہ سارا کوئی 'اور' لے جاتا ہے اور ہمارے پلّے کچھ بھی نہیں رہتا۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ کمانے کی دوڑ میں جائز ناجائز، حلال حرام جمع کرتے کرتے موت آجاتی ہے اور وہ مال کسی اور کا ہو جاتا ہے۔ درحقیقت مشکل تو دوزخ میں جانا ہے۔ اُس کریم رب کی بخشش سے تہی دامن ہو کر دوزخ میں جانا کتنا مشکل کام ہے! وہ جو گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ وہ جو زندگی بھر کی خطاؤں کو، کفر و شرک کو معاف کر دیتا ہے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ فرما دیجیے یہ ایک بہت بڑی خبر ہے۔ فرما دیجیے کہ یہ آخرت، قیامت، جنت و دوزخ نَبَؤٌا ۔۔۔ بہت بڑی خبر ہے۔ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾ جس سے تم بے پرواہ ہو۔

تمہیں اس کی فکر ہی نہیں ہے۔ تم نے کبھی اسے اہمیت ہی نہیں دی۔ یہ عظیم خبر ہے جو اُس عظیم مالک نے دی ہے۔ اُس نے انسانی زندگی کے انجام کی پوری منظر کشی، تمہارے سامنے کر دی ہے کہ یہ کرو گے تو یہ انعام ہوگا، یہ کرو گے، یہ سزا ہوگی۔ مگر تم لوگ اہمیت نہیں دے رہے سُنی ان سُنی کر رہے ہو۔ فرمایا: مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ مجھے عالم بالا کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ (تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے) جھگڑ رہے تھے۔ کیا میں اس وقت آسمانوں پر تھا جب فرشتے آپس میں بحث کر رہے تھے؟ مجھے تو اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں اللہ کا نبیؐ ہوں، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے۔ اللہ کریم مجھے بتاتے ہیں تو یہ حقیقتیں میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے! وحیٔ الٰہی کا آنا، حالات سے مطلع ہونا، پھر لوگوں تک وہ اطلاع پہنچانا یہ عام سی بات نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم انقلاب ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ جو حقیقتیں بذریعہ وحی اللہ کریم مجھے بتاتے ہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں لیکن تم اس بات کو اہمیت ہی نہیں دیتے۔ تمہارے پاس فرصت ہی نہیں ہے۔ تم اتنے مصروف ہو!

اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۰﴾ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف (انجامِ بد) سے ڈرانے والا ہوں یاد رکھو! اللہ مجھ پر وحی فرماتے ہیں اور میرا منصب یہ ہے کہ میں تمہیں آخرت کے تمام نتائج سے صاف صاف آگاہ کردوں۔ تمہیں بات پہنچانا میرا منصبِ عظیمہ ہے لیکن منوانا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ نے تمہیں ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا ہے۔ اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو میں نے تمہیں دوسرا منظر بھی دکھا دیا ہے کہ نہ ماننے والوں کا کیا انجام ہوگا۔ میں نے تصویر کے دونوں رخ تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں، ماننے والوں کو انعامات ملیں گے اور نہ ماننے والوں کا جو حال ہوگا۔

فرمایا، میں تمہیں ملاء اعلیٰ کی بات بتاؤں جو مجھے بذریعہ وحی اللہ کریم نے بتائی ہے کہ میں تو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہو رہی تھی۔

تخلیقِ آدم علیہ السّلام:

فرمایا: اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾ جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ ایک ایسا وجود پیدا کرنے والا ہوں جسے بشر کہا جائے گا۔ جو انسان کہلائے گا۔ جس میں انسانی خصوصیات و عادات ہوں گی، جس کی ضرورتیں انسانی ہوں گی، جس کا کردار انسانی ہوگا۔ میں اسے عام گارے مٹی سے بنا رہا ہوں لیکن ایک بات سُن لو: فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ ۔۔۔ پھر جب اس کو درست کرلوں۔ میں اُسے بہت سنواروں گا، بہت خوبصورت اور متوازن بناؤں گا۔ اُس کے ایک ایک ذرّے میں اتنے کمالات رکھوں گا کہ دنیا تحقیق کرتی رہ جائے گی لیکن انتہا تک پہنچ سکے گی۔ اُس کے ہر ایک قطرۂ خون میں ایک جہاں آباد ہوگا۔ اُس کے وجود کے ہر سیل (Cell) میں ایک الگ دنیا ہوگی۔ میں بہت عجیب مخلوق پیدا کر رہا ہوں اور: فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ ۔۔۔ جب میں اُسے سنوار لوں، درست کرلوں: وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ۔۔۔ اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔ میں اپنی جناب سے اُس میں روح پھونکوں گا، اپنے امر سے روح پھونکوں گا۔ امر، اللہ کی صفت ہے۔ انسان کو حیات روح سے ملی جو عالمِ امر سے ہے۔ فرمایا، میں اپنے عالمِ امر کی روح اس میں پھونکوں گا تو تم سب اُس کی عظمت کو قبول کرنا، تو: فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾ اُس کے سامنے سجدے میں گر جانا کہ میں اتنی عظیم مخلوق پیدا کر رہا ہوں۔ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ تو تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا۔

جب وہ کام ہوگیا، آدم علیہ السّلام بن گئے اللہ نے اُن میں روح پھونک دی تو تمام فرشتے سربسجود ہو گئے یعنی سب فرشتوں نے اُن کی عظمت اور امارت کا، اُن کی اطاعت اور اُن کے ساتھ تعاون کا اقرار کرلیا۔ سب اکٹھے سجدے میں گر گئے۔

ابلیس تھا ہی کافروں میں سے:

ابلیس جنوں میں سے تھا۔ ہزاروں برس محنت ومجاہدہ کرتا رہا، اللہ اللہ کرتا رہا تو چونکہ جسم لطیف تو پہلے ہی تھا اُسے اللہ نے یہ مرتبہ بخشا کہ آسمانوں پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کا شمار فرشتوں میں ہونے لگا۔ جب اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم دیا تو ابلیس بھی موجود تھا وہی حکم اس کے لیے بھی تھا۔ فرمایا، سب فرشتوں نے سجدہ کیا: اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ۔۔۔ سوائے ابلیس کے، اُس نے سجدہ نہیں کیا۔ اِسۡتَکۡبَرَ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ﴿۷۴﴾ وہ غرور میں آ گیا اس نے تکبر کیا اور وہ (علمِ الٰہی میں) تھا ہی کافروں میں سے۔ یاد رہے کَانَ ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہاں اکثر ترجمہ کر دیا جاتا ہے کہ 'ہو گیا کافروں میں سے' یہ درست نہیں۔ ہو نہیں گیا، وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ یہ بڑی عجیب حکمتِ الٰہی ہے کہ اللہ کریم جانتے ہیں کہ کس کا کیا انجام ہوگا۔ یہ اللہ کے علم میں ہے۔ جب بھی جو عمل کیا جاتا ہے فیصلہ اُس کے مطابق کیا جاتا ہے، یہ اللہ کریم کا عدل ہے۔ جب تک ابلیس نیکی کرتا رہا اُس پر اجر مرتب ہوتا رہا حتیٰ کہ فرشتوں میں شامل کر لیا گیا۔ اللہ کریم جانتے تھے کہ یہ ہے ہی کافر اور اس نے بالآخر کفر کرنا ہے۔ جب ابلیس نے کفر کیا تو اللہ کریم کو حیرت نہیں ہوئی لیکن جب تک کفر کیا نہیں اسے کفر کی سزا نہیں ملی۔ ایسا نہیں تھا کہ ابلیس کے کفر پر اللہ کریم حیران رہ گئے بلکہ اللہ جانتے تھے کہ: وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ﴿۷۴﴾ وہ تھا ہی کافر لیکن جب تک نیکی کرتا رہا، نیکی کا اجر بڑھتا رہا، درجات بلند ہوتے رہے۔ جب انکار کیا تو سارا اگلا پچھلا دھرا رہ گیا۔ اللہ جانتے تھے کہ یہ ہے ہی کافروں میں سے، بالآخر اس نے کفر ہی کرنا ہے۔

ابلیس کے انکار کا سبب اور انجام:

فرمایا: قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسۡتَکۡبَرۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ﴿۷۵﴾ اللہ کریم نے فرمایا، اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روک لیا؟ جب میں نے ایک مخلوق پیدا فرمائی اور حکم دیا کہ اُسے سجدہ کرو تو تم نے کیوں نہیں کیا؟ تم نے تو میرے حکم کی اطاعت کرنی تھی۔ تم نے تو ہزاروں برس میری عبادت میں صرف کر دیے۔ تمہیں جو زندگی ملی تم نے میرے ذکر میں، مجھے سجدے کرنے میں صرف کر دی، تو میرا حکم تمہیں ماننا چاہیے تھا۔

جس مخلوق کو میں نے انتہائی عزیز سمجھ کر اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا: خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ۔۔۔ اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے، اتنی نفیس تخلیق جس پر مجھے فخر ہے اور تُو نے انکار کر دیا! اَسۡتَکۡبَرۡتَ۔۔۔ تجھ میں تکبر آ گیا، تُو اپنی بڑائی میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ﴿۷۵﴾ یا تُو خود کو بہت اونچا یا بلند سمجھتا ہے؟ یہاں اللہ

کریم فرمارہے ہیں کہ انسان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو فرشتے وہ بنادیتے ہیں۔ایک عام مثال سے اس کو سمجھا جاسکتا ہے کہ یہاں کارخانوں میں مشینیں بنائی جاتی ہیں، ملازم بنارہے ہوتے ہیں۔مالک یا جو بڑا کاریگر ہوتا ہے وہ بیٹھا ہوتا ہے۔پھر کوئی خاص پرزہ ایسا ہو کہ وہ کاریگر کہے کہ اسے سب چھوڑ دو، یہ بہت قیمتی، نازک اور نفیس ہے اسے میں خود اپنے ہاتھ سے کروں گا۔اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ ہاتھ سے کرنے کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔ساری مخلوق میرے حکم سے بنی، میرے ارادے سے بنی، میری تخلیق ہے لیکن یہ جو انسان ہے اسے تو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔اپنے دستِ قدرت سے اس کے خدوخال درست کیے، اس کا قدکاٹھ بنایا، اس کا دل بنایا، سینہ بنایا، اس کا دماغ اور اس کے کمالات بنائے۔یہ تو میری شاندار تخلیق ہے جو مجھے بہت عزیز ہے۔میں نے اسے خود اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اتنے باریک اور خوبصورت حقائق رکھ دیے ہیں کہ ترقی کرتے کرتے سائنس تھک جائے گی لیکن وجودِ انسانی میں کیا کچھ ہے، اسے نہیں پاسکتی۔انسانی دماغ نے کہاں تک رسائی حاصل کرلی ہے کہ آج انسان خلاؤں میں سفر کررہے ہیں، چاند کی تسخیر کی باتیں ہورہی ہیں، سیاروں پر آبادی کی باتیں ہورہی ہیں۔اس کے باوجود ہم نہیں جانتے کہ انسانی دماغ میں اور کیا کیا صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔جبکہ انسانی دل میں کیا کیا عجائبات ہیں اس سے سائنس کا تعلق ہی نہیں، وہ اس کا موضوع ہی نہیں ہے۔

ہر فرد کو ہر وجود کو دستِ قدرت نے خود بنایا، فقیر کو بھی اُسی نے بنایا ہے، جس نے بادشاہ کو بنایا ہے۔اُس نے شاید بادشاہ کے وجود میں وہ کمالات نہ رکھے ہوں جو ایک فقیر کے وجود میں رکھ دیے ہیں۔ایک گداگر سوکھی روٹی پر عمر گزار جاتا ہے۔ایک بادشاہ کو ایک دن کھانی پڑے تو شاید رات کو ہسپتال پہنچ جائے کہ اُس میں وہ قوتِ برداشت نہیں ہے۔جن پتھروں پر فقیر عمر بسر کرجاتا ہے بادشاہ وہاں سے پیدل گزر نہیں سکتا۔اُس میں وہ استعداد ہی نہیں ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اُس میں بے پناہ عجائبات وکمالات سمو دیے، اس کے سامنے سجدے سے اے ابلیس تجھے کس بات نے روکا؟ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۔۔۔ کہنے اللہ! میں اس سے بہت بہتر ہوں۔خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ ۔۔۔ میرا خالق بھی تُو ہی ہے، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کو خالق مانتا ہے۔ہم کہتے ہیں ناں کہ ہم اللہ کو خالق ومالک مانتے ہیں تو یہاں اس بات کا اقرار تو ابلیس بھی کررہا ہے۔خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ﴿۷۶﴾ آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور اسے مٹی سے پیدا فرمایا۔کہاں آگ اور کہاں مٹی، کیچڑ اور گارا! اُس کی حیثیت کیا ہے؟

اللہ کو خالق اور مالک ماننا سب کی مجبوری ہے اس لیے کہ کوئی اُس کے سوا ہے ہی نہیں۔اصل بات تو اللہ کی بات ماننے کی ہے۔ہم کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔کیا اللہ کی بات مانتے ہیں؟

اللہ کو کون نہیں مانتا، خود ابلیس مانتا ہے۔ کافر بھی مانتے ہیں کہ اللہ ہے۔ پھر ہم اُنہیں کافر کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ اللہ کی بات نہیں مانتے۔ ابلیس نے کہا، میں اس سے بہت بہتر ہوں، تو خالق ہے، مالک ہے، تُو نے مجھے آگ کے شعلوں سے پیدا فرمایا اور کہاں یہ مٹی، یہ خاک، پاؤں کی گرد؟ یہ مجھ تک کہاں پہنچے گی!

فرمایا: قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۷۷﴾ فرمایا پس تو یہاں سے نکل جا بلاشبہ تُو مردود ہے۔ ارشاد ہوا، تمہیں بارگاہِ عالی سے ردّ کر دیا گیا ہے۔ نکال دیے گئے ہو۔ تمہاری اب یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ چلے جاؤ تمہیں ردّ کر دیا گیا ہے۔ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۷۸﴾ اور یقیناً تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔

ذرا غور کریں، ابلیس نے ہزاروں برس کتنے مجاہدے کیے تھے، کتنے سجدے دیے کتنے مراقبے کیے اور کتنی منزلیں طے کیں، کتنی ترقی کی کہ آسمانوں پر رہائش نصیب ہوگئی۔ جب نافرمانی کی تو حکم ہوا کہ اب سب سے نیچے چلے جاؤ اور آج سے لے کر قیامت تک تم پر لعنتیں برستی رہیں گی۔

شیطان کی درخواست اور عزم:

بارگاہِ عالی سے ردّ کیے جانے پر شیطان نے درخواست کی: قَالَ رَبِّ ۔۔۔ اے میرے پروردگار!

ذرا غور کریں کہ شیطان کہہ رہا ہے کہ تو ہی میرا خالق ہے، مالک ہے، رزّاق ہے، سب کچھ تو ہی ہے۔ میرا وجود تُو نے پیدا کیا، میرا پالنہار تو ہے۔ اے میرے رب!

اس کا مطلب ہے کہ وہ رب تو مانتا ہے پھر وہ شیطان کیوں ہے؟ اس پر لعنت کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ ربّ تو مانتا ہے رب کی بات نہیں مانتا۔ ہم بھی اس پر خوش ہیں کہ ہم اللہ کو رب مانتے ہیں لیکن پوچھا یہ جائے گا کہ ربّ کی بات بھی مانی تھی یا نہیں؟ سوال تو یہاں پیدا ہوتا ہے کہ جسے رب مانا اُس کے احکام کو بھی مانا؟ اس کے ارشادات کو بھی مانا یا نہیں؟ شیطان کہنے لگا اے میرے پروردگار: فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ اللہ! مجھے اُس دن تک مہلت دے دے جب لوگ دوبارہ زندہ ہو کر تیری بارگاہ میں پیش ہوں گے۔

اس کا مطلب ہے کہ شیطان موت پر بھی ایمان رکھتا تھا، موت کے بعد زندگی پر بھی یقین رکھتا تھا اور قیامت کو بھی جانتا تھا۔ یہ ساری باتیں ماننے کے باوجود وہ مردود کیوں ہے؟ اس لیے کہ اللہ کی بات نہیں مانی۔ اللہ نے حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ اُس نے کہا میں نہیں کرتا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
ہزاروں برس گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

جب تک موت نہیں آجاتی، روح قبض نہیں ہوجاتی تادم واپسیں دمِ اطاعت بجالانے کا حکم ہے۔ جس کام کو کرنے کی استطاعت نہیں، وہ معاف ہے لیکن جو کر سکتے ہیں اسے ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

شیطان کہنے لگا، اللہ! تُو نے مجھے ردّ کر دیا، ملعون بھی کر دیا۔ اب مجھ پر لعنتیں برستی رہیں گی تو مجھے بھی اس دن تک مہلت دے جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اللہ کریم نے فرمایا، بارگاہِ ایزدی میں چالاکیاں نہیں چلتیں۔ یہاں ہیرا پھیری اور سیاست نہیں ہے۔ یہاں سچ اور حقیقت ہے۔ فرمایا: قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ فرمایا پس تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ لیکن اس دن تک نہیں جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے بلکہ: اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ اُس دن تک جس کا وقت مقرر ہے۔ اس دن تک، جس دن لوگ فنا ہوں گے۔ تجھے بھی موت کے دروازے سے گزرنا ہوگا۔ تُو بھی مرے گا۔ تیری چالاکیاں نہیں چلیں گی کہ تُو لوگوں کے زندہ ہونے کے دن تک مہلت مانگ رہا ہے۔ تجھے مہلت دے رہا ہوں لیکن قیامِ قیامت تک۔ تجھے بھی موت کے دروازے سے گزرنا ہے اور تُو اُدھر سے گزر کر آئے گا۔

اللہ کریم جب ماننا چاہیں تو شیطان کی دعا بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اب دیکھیں شیطان کو قیامت تک ردّ کر دیا، اس پر لعنتیں برس رہی ہیں اور پھر وہ درخواست کر رہا ہے اور اللہ کریم نے قبول کر لی۔ پھر ایک کلمہ گو مسلمان، جو دامانِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلّم سے وابستہ ہو وہ دعا کی قبولیت سے نا امید کیوں ہوتا ہے؟ وہ کیوں سوچتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ یہ سراسر جہالت ہے اور عظمتِ الٰہی سے ناشناسی ہے۔ وہ بے نیاز ہے، اُس نے تو شیطان کی بھی درخواست سن لی۔

شیطان نے کہا: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ کہنے لگا پس آپ کی عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا اُس نے قسم کھائی کہنے لگا، تیری عزت کی قسم، تیری عظمت کی قسم، تیری الوہیت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ یہ میری مانیں گے تیری نہیں مانیں گے۔

اس آدم کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں تُو نے مجھے ردّ کر دیا، ملعون قرار دیا ہے، اسی آدم کی اولاد کو میں گمراہ کروں گا کہ یہ مجھے سجدہ کرے گی تجھے نہیں کرے گی۔ یہ دعویٰ کرنے کے بعد شیطان بھی اقرار کر رہا ہے: اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ سوائے تیرے مخلص بندوں کے کہ اُن پر میرا زور نہیں چلے گا۔ جو تیرے طالب ہوں گے وہ میرے اختیار سے باہر ہیں۔ جو دنیا کے طالب ہوں گے انہیں میں گمراہ کر دوں گا۔ جنہیں محض دولت چاہیے ہوگی، شہرت چاہیے، حکومت واقتدار چاہیے ہوگی اُن سب کو گمراہ کر دوں گا جو بھی صرف دنیا کے طلبگار ہوں گے خواہ کوئی بہت بڑا عالم ہو، مولوی ہو، بڑا سائنسدان ہو یا سیاستدان ہو سب کو اپنے در پر سجدے کراؤں گا۔ البتہ جو

تیرے طالب ہوں گے، جنہیں تُو چاہیے ہوگا وہ میری گرفت میں نہیں آئیں گے۔ جو تیری ذات کے علاوہ دنیا کا طالب ہوگا اُسے تو میں مَسل دوں گا۔ یہ تو میرے کھلونے ہیں۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴿۸۳﴾ ہاں جو تیرے خالص بندے ہیں اُن پر میرا بس نہیں چلے گا۔

یہ بات ہوئی ناں! مگر افسوس آج ہمارا حال عجیب ہے۔ کل یا پرسوں ملاقاتیوں سے بھری ایک بس یہاں آئی۔ ہر کسی کو تعویذ چاہیے تھا۔ کسی کا بیٹا بیمار تھا، کسی کو خود تکلیف تھی۔ ساری بس تعویذوں میں ہی نکل گئی تو بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا کہ اتنی بڑی بس میں کوئی بھی اللہ کے لیے نہیں آیا؟ تم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو یہ کہے کہ میں اللہ کی رضا کے لیے ملنے آیا ہوں؟ میں اللہ اللہ سیکھنے آیا ہوں۔ مجھے طریقہ بتا دیجیے، مجھے مسائل بتا دیجیے۔ کوئی ایک بندہ بھی اس کا طالب نہیں؟

شیطان اور اس کے پیروکاروں کا انجام:

فرمایا: قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ﴿۸۴﴾ ارشاد ہوا، تو یہ سچ ہے اور میں (ہمیشہ) سچ ہی فرماتا ہوں۔ بارگاہِ الٰہی سے ہمیشہ سچ ہی فرمایا جاتا ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۸۵﴾ ہم تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دیں گے۔ میں تجھ سے، تیری اولاد سے اور تیرے پیروکاروں سے دوزخ بھر دوں گا۔ جو تجھے مانے گا، جو تیرے پیچھے چلے گا، جو تیرے جیسا ہوگا، جو تیرا ساتھ دے گا، جو تیری آل اولاد ہوگا، فرمایا، میرے پاس جہنم میں بڑی جگہ ہے۔ تم بھاگ کر دیکھ لو۔ تم موت سے بھاگ سکو گے نہ قیامت کے میدان سے اور نہ ہی جہنم میں جانے سے بچ سکو گے۔ میں تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اندازِ تبلیغ:

یہ ساری حقیقتیں ارشاد فرما کر، اے میرے حبیب! قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴿۸۶﴾ آپ فرما دیجیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ دو عالم کے حقائق تم پر آشکارا کرنے کا میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگ رہا۔ میں تم سے مال و دولت، زمین جائیداد یا حکومت کا طالب نہیں ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے اور نہ ہی میں بناوٹ یا تکلفات کرنے والوں میں سے ہوں۔ مجھے اللہ نے ان سب چیزوں سے بے نیاز اور مبرا پیدا فرمایا ہے۔ مجھے اس بات کی قطعاً تمنا نہیں ہے کہ تم مجھے بڑا کہو یا میں بڑا بن جاؤں یا تم میری پیروی کرو گے تو مجھے انعام مل جائے گا۔ تم پیروی کرو یا نہ کرو، مجھے تم سے کوئی معاوضہ نہیں لینا ہے۔ اگر کرو گے تو اپنے لیے، نہیں کرو گے تو خود بھگتو گے۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا

ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ یہ (قرآن) تو اہلِ عالم کے لیے نصیحت ہے۔

یہ میری ساری محنت، میرا سارا مجاہدہ، یہ اللہ کی کتاب یہ سارے عالم کے لیے سوائے نصیحت کے اور کچھ نہیں ہے اور نصیحت عمل کے لیے ہوتی ہے۔ یہ اُن کے لیے ہے جو سُنیں، جو سمجھیں، جو مانیں اور اُس پر عمل کریں۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ اور تم کو اس کا حال ایک وقت (مرنے) کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

اور اگر اب نہیں مانو گے تو مرنے کے بعد تمہیں بھی پتا چل جائے گا۔ آج تو تمہیں ایمان بالغیب سے ماننا ہے، ابھی تمہارے سامنے کچھ نہیں ہے۔ تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کہنے سے ماننا ہے کہ یہ سچ ہے۔ اگر نہیں مانو گے تو ایک وقت آئے گا جب جنت، دوزخ سامنے آجائے گی۔ پھر خود دیکھ لینا اور مانتے رہنا لیکن اُس وقت ماننے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ ایسا کون ہے جو سامنے جہنم کو دیکھ کر نہیں مانے گا؟ کون ہے جو موت سے گزر کر موت کو نہیں مانے گا؟

تم بھی مان لو گے لیکن اُس وقت ماننے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ آج اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتانے پر مانو گے تو فائدہ ہوگا۔ کل مجبوراً مانو گے تو اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سورۃ الزمر رکوع 1 آیات 1 تا 9

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝۲ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ
اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ
ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ۝۳ لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا
یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَہٗ ؕ ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝۴ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِالْحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝۵ خَلَقَکُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ
اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ
ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝۶ اِنْ
تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ ۟ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْکُرُوْا
یَرْضَہُ لَکُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ
فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ وَاِذَا
مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا
کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ قُلْ

تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ﴿٨﴾ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ
سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

اس کتاب (قرآن) کا اتارا جانا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے ﴿۱﴾ بے شک ہم نے آپ پر (یہ) کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہے تو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے ﴿۲﴾ یاد رکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا مددگار اختیار کیے ہیں (کہتے ہیں) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا کسی درجہ میں مقرب بنا دیں تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں بے شک اللہ ان میں اُن کا فیصلہ فرما دیں گے۔ بے شک اللہ اس کو جو جھوٹا (اور) ناشکرا ہو ہدایت نہیں دیتے ﴿۳﴾ اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتے تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتے چُن لیتے (مگر ایسا نہیں ہے) وہ پاک ہیں وہی اللہ واحد (اور) غالب ہیں ﴿۴﴾ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور لپیٹتے ہیں رات کو اوپر دن کے اور لپیٹتے ہیں دن کو اوپر رات کے اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقتِ مقررہ تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو! وہ زبردست، بڑے بخشنے والے ہیں ﴿۵﴾ اُس نے تم کو ایک شخص سے پیدا فرمایا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ چار پایوں میں سے پیدا فرمائے وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت سے دوسری کیفیت پر بناتے ہیں تین تاریکیوں میں۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار۔ اُسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو ﴿۶﴾ اگر تم کفر کرو گے، تو یقیناً اللہ تمہارے حاجت مند نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں فرماتے۔ اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لیے پسند فرمائیں گے۔ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا

ہے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو بتائیں گے۔ بے شک وہ دلوں تک کی باتوں کے جاننے والے ہیں ﴿۷﴾ اور جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو جس کے لیے پہلے اسے پکارتا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کرے فرما دیجیے کہ اپنے کفر کے ساتھ چندے فائدہ اٹھا لے، (پھر) یقیناً تُو تو دوزخیوں میں سے ہوگا ﴿۸﴾ بھلا جو شخص رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو (اور) آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہو فرما دیجیے بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں ﴿۹﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الزمر شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ 'زمر' کا معنیٰ 'گروہ' ہے۔ اس میں آگے چل کر ذکر آتا ہے کہ اہلِ نار یعنی جہنمیوں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اہلِ جنت کو بھی گروہ در گروہ جنت روانہ کیا جائے گا۔ جیسا کسی کا عقیدہ ہوگا، جتنا خلوص ہوگا اور اس کے ساتھ جتنا عمل ہوگا اس کے مطابق ہر معیار کے لوگ یکجا کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں کی جماعتیں اور گروہ بن جائیں گے۔ ہر ایک کی درجہ بندی ہو جائے گی۔ برائی میں بھی نیکی میں بھی، کفر میں بھی اور ایمان میں بھی۔

آج انسان کے پاس فرصت ہے۔ اللہ کریم کی رحمت کا در کھلا ہے۔ اور توبہ کے لیے موقع موجود ہے تو اُسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کرے۔ جس طرح دنیا پر ہر کسی کی توجہ پوری طرح مرتکز ہے اور ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ امرا کے گروہ میں شامل ہو جائے یا اہلِ اقتدار اور طاقتور گروہ کا حصہ بن جائے حالانکہ یہ تو وقتی اور لمحاتی باتیں ہیں۔ آج موقع ہے کہ انسان فیصلہ کرے کہ وہ آخرت میں کس جماعت، گروہ یا طبقے کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ یہ طبقے از روئے اعتقاد، ایمان و کردار تقسیم ہوں گے اور کردار میں جو خلوص ہے اس کی درجہ بندی ہوگی۔

عظمتِ قرآن:

فرمایا: تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ① اس کتاب (قرآن) کا اتارا جانا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔

یہ قرآن جو اللہ کی کتاب ہے، اس مالک نے اس خالق نے، اس قادر نے نازل فرمائی ہے جو غالب ہے کہ ہر چیز ہمہ وقت اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ جیسا وہ چاہتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔ ساری کائنات اس کی مخلوق ہے۔ ہر آن ہر ذرّہ اس کے دستِ قدرت میں ہے اور وہی ہو رہا ہے جو وہ کر رہا ہے۔ اسی کا دستِ قدرت ہر ذرّے کو سنوار رہا ہے۔ حالات بن رہے ہیں موسم بن رہے ہیں کیفیات بن رہی ہیں۔ سب کا خالق وہ ہے، غالب ہے اور حکیم ہے دانا تر ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے اسباب کے پردے بنا دیئے۔ لوگوں کو اسباب نظر آتے ہیں جبکہ کرتا وہ خود ہے۔ وہ اسباب کا بھی خالق ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جو کتاب اللہ کریم نازل فرمائیں اس کا کوئی حرف، کوئی معیار یا ارشاد غلط ہو۔ اس میں جو ارشاد فرمایا گیا ہو اس کے خلاف دنیا میں کچھ ہو، اس کا امکان نہیں ہے۔ یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ کائنات چونکہ اُسی کے تابع ہے اس کے خلاف نہیں جا سکتی۔

اس شبے میں نہ رہو کہ قرآن میں جو کچھ ارشاد ہوا وہ سچ ہے یا نہیں۔ یہی تو اس کتاب کی عظمت ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے جسے آنے والے کل کی خبر بھی نہ ہو۔ اس میں ذرّہ برابر شبے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے جو غالب ہے۔ ہر چیز ہر وقت اس کے دستِ قدرت میں ہے لہٰذا جیسا اس نے فرما دیا وہی عین حق ہے۔ وہ حکمت والا ہے اور اس نے اپنی حکمت سے اسباب کو سامنے کر دیا ہے۔ اسباب کا خالق بھی اللہ ہے اور ان پر نتائج بھی وہی واحد و لاشریک پیدا فرما رہا ہے۔

فرمایا: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ ۔۔۔ بے شک ہم نے آپ پر (یہ) کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ ۔۔۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ نزولِ قرآن، وحی کے مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جس طرح قرآنِ کریم کی آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول کیں۔ اسی طرح ان آیات کے مفاہیم سے لوگوں کو آگاہ فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب نبوت ہے۔ دوسری جگہ ارشادِ باری ہے۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ (النحل:44) تاکہ آپ لوگوں سے کھول کر بیان فرما دیں جو ان کی طرف (احکام و مضامین) اتارے گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بڑے فصحائے عرب بھی تھے، اعلیٰ پائے کے شاعر وادیب اور دانشور بھی تھے۔ صاحبِ کلام لوگ تھے اور بعض اوقات ایسا ہوا کہ کوئی آیت نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے پوچھا کہ یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہے، جانتے ہو اس کا کیا مفہوم ہے؟ کسی نے ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ صحابہؓ یہی کہا کرتے اللہ و رسولہ اعلم یعنی اللہ بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بہتر جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب فرماتے کہ اس سے یہ مراد ہے تو سب اسی مفہوم کو قبول کرتے۔

آج ہمارے ہاں اسلام کے نام پر بے شمار فرقے بن چکے ہیں۔ ان میں سے چند ایسے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہیں جو تھوڑی سی رعایت کر دیتے ہیں کہ کافر نہیں کہتے، گمراہ کہتے ہیں۔ بہر حال ہر فرقہ خود کو سچا ثابت کرنے پر زور لگا رہا ہے اور باقی سب کو غلط قرار دے رہا ہے۔

فرقہ بندی کا سبب اور علاج:

یہ فرقے کیوں بن گئے؟ جس فرقے سے پوچھو وہ قرآن ہی کی آیات پڑھ کر دلیلیں دے رہا ہے۔ مثلاً قادیانیوں نے کہا کہ خاتم النبیین سے مراد مہر ہے کہ خاتم ''مہر'' کو کہتے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بھی نبی بنیں گے۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ معنی ارشاد فرمایا تھا؟ کیا صحابہؓ نے یہ معنی سمجھا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو اس کا معنی ہی دوسرا فرمایا تھا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (عن ابو سعید الخدری (طبرانی) میں نبیوںؑ کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اب اس ارشادِ عالی کو کوئی دوسرا معنی پہنانے کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں لوگ اپنی طرف سے معنی گھڑتے ہیں وہاں سے گمراہی شروع ہوتی ہے۔

فرقہ بندی کا ایک حل ہے کہ جب کوئی قرآن کی آیات بطور دلیل دیتا ہے تو اس سے یہ پوچھا جائے کہ جو معنی آپ کر رہے ہو کیا یہ معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا تھا؟

صحابہ کرامؓ وہ خوش نصیب اور مقدس جماعت ہے۔ جو قرآن کے پہلے مخاطب ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان اور لب ہائے مبارک سے قرآن سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی سے قرآن سمجھا اور اس کے مطابق عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تصدیق فرمائی کہ یہی عمل مقصود ہے، یہ درست ہے اور یہی اسلام ہے۔ اب اس سے باہر جو جائے گا وہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام ایک ہی دین ہے، ایک ہی فرقہ ہے۔ اس

سے جتنا ہم دائیں بائیں نکلتے رہیں گے۔اسلام سے باہر چلے جائیں گے،اسلام ایک ہی ہے،اسلام میں کوئی فرقہ، گروہ یا طبقہ نہیں ہے۔

آج فرقہ بندی کا ایک ہی حل ہے کہ قرآن کو اپنی مرضی سے معنی نہ پہنائے جائیں اگر ہم لوگوں کے بتائے ہوئے معنی اور تشریحات چھوڑ دیں اور صرف وہ معنی قبول کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائے ہیں تو فرقے مٹ جاتے ہیں۔کوئی فرقہ نہیں رہتا۔فرمایا،ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر کتاب نازل فرمائی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ جیسے ہم نے کتاب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے لینا ہے۔ویسے ہی کتاب کے مفاہیم بھی ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہی لینے ہیں۔

کتاب کا حاصل،خلوص فی العبادت:

اس کتاب کا حاصل کیا ہے؟ کتاب میں اللہ کی عظمت کی باتیں ہیں،اس کی ذات اور صفات کی باتیں ہیں۔اس میں رسالت کی باتیں ہیں،مختلف انبیاؑ کے قصے ہیں اور قوموں کے واقعات ہیں۔اس میں احکامات ہیں،مختلف اوامر ونواہی ہیں۔کچھ چیزوں سے روکا گیا ہے کچھ کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔اس سارے کا حاصل کیا ہے؟

فرمایا: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ تو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے۔

اس سارے کا حاصل یہ ہے،خلاصہ یہ ہے کہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر مخلص ہو کر کھرے ہو کر صرف اللہ کی عبادت کرو۔خالص بغیر لگی لپٹی کے صرف اللہ کی عبادت کی جائے اس لیے کہ اس کو زیبا ہے عبادت۔اسی کا حق ہے اور صرف وہ ذات ہے جس کی عبادت کی جاسکتی ہے۔

آج تو یہاں لوگوں نے قصے گھڑ لیے ہیں۔ایک حکایت عام ہے کہ حضرت فریدؒ کہیں جا رہے تھے تو راستے میں دریا آ گیا۔ان کے ساتھ کوئی ساتھی بھی تھا۔آپؒ دریا میں اتر گئے اور اللہ اللہ کرتے گزرنے لگے۔ان کے پیچھے اُس ساتھی نے بھی اللہ اللہ شروع کر دی لیکن اس کو پانی نے بہا لیا تو حضرت فریدؒ نے اس کو پکڑا اور پوچھا کہ تمہیں پانی کیوں بہا رہا ہے؟ اس نے کہا پتا نہیں حالانکہ میں بھی اللہ اللہ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا تم اللہ تک نہیں پہنچ سکتے تم فرید فرید کرو۔چنانچہ وہ خود اللہ اللہ کرتے گئے اور وہ فرید فرید کرتا ہوا پار پہنچا۔اس طرح کے جاہلانہ قصوں سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے داعی الی اللہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔انہوں نے تو کسی کو نہیں

فرمایا کہ تم اللہ تک نہیں پہنچ سکتے تو تم مجھے سجدہ کرو، میں اللہ کو کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ نہیں فرمایا بلکہ جو آیا اور جس نے کلمہ ٔ اسلام قبول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ میں بھی اللہ کے حضور سر بسجود ہوں تم بھی اللہ کے حضور سربسجود ہو جاؤ۔ اسلام میں ایسا کوئی واسطہ یا وسیلہ نہیں ہے کہ جس کی عبادت شروع کر دی جائے یا جس کا وظیفہ شروع کر دیا جائے۔ اللہ کا اپنے ہر بندے سے براہ راست تعلق ہے۔

انسانی تخلیق اتنا پیچیدہ عمل ہے کہ ساری ترقی کے باوجود آج تک سائنس اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ کس طرح، کہاں سے قدرت کتنے ذرّات لیتی ہے۔ ان خاکی ذرّات کو کیا لباس پہناتی ہے، کیسے پہناتی ہے! ایک ذرّہ ایک آم کا حصّہ کیسے بن جاتا ہے، ایک انگور میں کیسے چلا جاتا ہے، ایک گندم کا دانہ کیسے بن جاتا ہے؟ خاک کا ایک ذرّہ جڑی بوٹی کیسے بن جاتا ہے؟

یہ اللہ کی قدرت سے ہے اور کمال یہ ہے کہ کوئی ذرّہ اتفاقاً نہیں بنتا بلکہ ہر انسانی وجود کے ذرّے متعین ہیں کہ کون سا ذرّہ اس کے جسم کا حصّہ بنے گا۔ وہ مختلف شکلوں میں تبدیل ہوتا ہے، بازاروں میں بکتا ہے اور بالآخر اس بندے تک، جس کے وجود کا حصہ ہے، پہنچ جاتا ہے۔ اب یہ اتنا لمبا نظام ہے۔ اسے وہ خود ہی جانتا ہے اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ پھر وجود میں آنے کے بعد بھی وہ اس کے وجود کا کون سا حصّہ بنے گا، یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے وہ ذرّہ ناخن کا حصّہ بنتا ہے، اس سے کھال یا ہڈی بنتی ہے۔ رگ کا حصہ بنتا ہے، گوشت پوست بنتا ہے، آنکھ کا آئینہ بنتا ہے، دماغ کا حصّہ بنتا ہے یا زبان میں شامل ہوتا ہے۔ کہاں جاتا ہے، یہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

جب ہر انسان سے اللہ کا اتنا قریبی تعلق ہے تو پھر انسان کو اس تک پہنچنے کے لیے کسی اور کے سامنے سجدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی بات تو اللہ کریم نے ارشاد فرمائی ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:16) اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

شہ رگ بھی تو وجود کی ایک رگ ہے اور کہا جاتا ہے کہ جان شہ رگ میں ہے کہ ذرا کٹ گئی تو زندگی گئی۔ فرمایا، میں اس سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ شہ رگ بھی تو ذرّات سے بنتی ہے اور اللہ ان ذرّات کو بنا رہے ہیں سو حاصلِ کتاب یہ ہے کہ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر، مخلص اور کھرے ہو کر صرف اللہ کی عبادت کرو۔ یہ اس کا حق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا دروازہ نہیں جس پر سجدہ کیا جائے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔۔۔ یاد رکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔ خلوص سے سجدہ صرف اس کی ذات کے لیے ہے۔ اس کی ذات کے علاوہ اگر کسی کے سامنے کوئی سجدہ ریز بھی ہوتا ہے تو اس میں خلوص

نہیں ہوتا، اغراض ہوتی ہیں۔

یہ بڑی عجیب بات ہے۔لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، اپنے جیسے لوگوں کو بھی پوجتے ہیں۔ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔مسلمان پیر بنا کر اور ہندو جوگی بنا کر یعنی کوئی نام رکھ کر انسان انسانوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ ان کا کوئی سجدہ بے غرض نہیں ہوتا۔ان کی مادی اغراض ہوتی ہیں جس کے لیے سجدے کرتے ہیں۔یہ صرف اللہ کی بارگاہ ہے جو خلوص سے سجدہ کرنے کے لائق ہے۔وہ اس قابل ہے کہ وہاں خلوص سے سربسجود رہا جائے۔وہاں سوداگری کی ضرورت نہیں ہے۔وہ تو ہمیں سب کچھ عطا فرما رہا ہے، وہ سب بھی جو ہم جانتے تک نہیں۔ہمیں کیا پتا ہمارے جسم کے ذرّات کہاں کہاں ہیں اور کیسے ہم تک آ رہے۔ہمارے اعضائے رئیسہ اور حواسِ خمسہ کیسے کام کر رہے ہیں۔ہم تو جانتے ہی نہیں ہیں پھر بھی اس نے انسانی وجود اور روح انسانی عظمت سے نواز رکھا ہے تو جو ہم جانتے ہیں اس کے لیے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ بڑا کریم ہے، وہ فرماتا ہے، اچھا تمہیں دنیوی اغراض ہیں، تم رہ نہیں سکتے، مجھ سے مانگو۔تمہیں آخرت چاہیے تو مجھ سے مانگو۔وہ مانگنے پہ نہ صرف عطا کرتا ہے بلکہ جتنا زیادہ مانگو اتنا خوش ہوتا ہے، اتنا راضی ہوتا ہے۔اس کے علاوہ کسی اور دروازے سے ایک دفعہ مانگو، دو دفعہ مانگو یا دس دفعہ مانگو بالآخر وہ جھڑک دیں گے کہ تم نے کیا تماشا بنالیا ہے۔

اللہ کریم کی بارگاہ سے کوئی نہیں جھڑکتا بلکہ وہ فرماتا ہے، جو مانگنا ہے مانگتے رہو لیکن میرے اور تمہارے درمیان کوئی تیسرا نہ ہو۔میری بارگاہ سے مانگو۔یاد رکھو: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔۔۔ خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔اس لیے کہ اس کی ذات، اس کی عظمت ایسی ہے کہ اس کی ہی عبادت کی جائے۔

شرک کبھی قربِ الٰہی کا سبب نہیں بن سکتا:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔۔۔اور جن لوگوں نے اس کے سوا مددگار اختیار کیے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ بہانہ بھی بنا رکھا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنا مددگار سمجھ لیتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں میرا یہ کام کردے گا۔مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔۔۔(کہتے ہیں) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا کسی درجہ میں مقرب بنادیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، ان کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں، نذر نیاز چڑھاتے ہیں، ان کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب عطا کردیں گے۔اللہ کریم

فرماتے ہیں، کمال ہے! میرے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر کے میرا قرب کیسے پا سکو گے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے! تم ایک باغ کو آگ لگا دو اور امید رکھو کہ اس میں پھول کھلیں گے۔ شرک تو جہنم کی آگ ہے۔ تم کام دوزخیوں والا کر رہے ہو اور امیدیں اہلِ جنت کی سی رکھتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ امید باطل ہے۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔۔۔ تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ بے شک اللہ اُن میں ان کا فیصلہ فرما دیں گے۔

فرمایا، کوئی بات نہیں، ان کو آنے دو۔ میری ہی بارگاہ میں لوٹ کر آئیں گے، بچ کر کہاں جائیں گے۔ میں ان میں فیصلہ کر دوں گا، صحیح اور غلط الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ انہیں سمجھ آجائے گی۔

دنیا میں اللہ کریم نے کتنا احسان فرمایا کہ اپنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا، اپنی کتاب نازل فرمائی اور حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا۔ اب اگر یہ نزولِ قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے بعد بھی نہیں سمجھ رہے اور بضد ہیں کہ ہم بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کی پوجا اللہ کا قرب پانے کے لیے کرتے ہیں تو فرمایا، انہیں آنے دو۔ میدانِ حشر میں فیصلہ ہو جائے گا۔

جھوٹ اور ناشکری سے ہدایت پانے کی استعداد تباہ ہو جاتی ہے:

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝۳ بے شک اللہ اس کو جو جھوٹا (اور) ناشکرا ہو ہدایت نہیں دیتے۔

جو لوگ اللہ کی ناشکری کریں، نافرمانی کریں، اللہ انہیں ہدایت نصیب نہیں فرماتے۔ برائی سے کبھی نیکی جنم نہیں لیتی۔

حال ہی میں ایک مضمون نظر سے گزرا جو کسی مفتی صاحب کا فتویٰ تھا۔ ہمارے مفتیانِ کرام بھی بہت بھولے ہیں۔ فتوے دے دیتے ہیں یا لوگ خود ہی شائع کر لیتے ہیں یہ بھی حتمی بات نہیں کہ مفتی صاحبان کا فتویٰ ہے یا کسی نے شائع کر دیا ہے۔ بہر حال مضمون میں لکھا تھا کہ اگر کسی بیماری میں شراب سے شفا ہوتی ہو تو بقدرِ ضرورت دے دی جائے۔

اگر شراب میں شفا ہوتی تو اللہ کیوں حرام فرماتے؟ جو چیزیں اللہ کریم نے حرام قرار دی ہیں ان میں شفا نہیں ہے۔ وہ ظاہری طور پر بھی انسانیت کے لیے نقصان دہ ہیں اور باطنی اور قلبی طور پر بھی نقصان دہ ہیں لہٰذا کوئی حرام اس لیے حلال نہیں ہو جاتا کہ اس کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی عذر نہیں ہے۔

اس پر پھر دوسری دلیل یہ پکڑتے ہیں کہ جی قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر کوئی بھوک سے مر رہا ہو تو جان بچانے کے لیے حرام کھالے۔ یقیناً یہ قرآن میں ہے لیکن قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ وہ حرام اس کے لیے حرام ہی رہے گا۔ حلال نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بھوک سے مر رہا ہے اور حلال دستیاب نہیں ہے تو اتنا کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے لیکن اس کی لذتیں نہ لے۔ حرام کھائے گا تو اس حرام کا گناہ اللہ کریم معاف کر دیں گے لیکن وہ حرام، حلال نہیں ہوگا۔

جو چیزیں شریعت نے حرام کر دیں وہ حرام ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اسی طرح جو اللہ نے حلال کر دیں وہ حلال ہیں انہیں حرام سمجھنا کفر ہے۔ فرمایا، جو جھوٹ بولیں اور اللہ کی ناشکری کریں۔ اُن کے دل تباہ ہو جاتے ہیں۔ اُن میں ہدایت پانے کی استعداد نہیں رہتی کہ یہ سزا انہیں منجانب اللہ ملتی ہے۔ وہ ہدایت پانے کی استعداد ہی کھو دیتے ہیں لہٰذا ایسوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ پھر یہ لوگ عجیب باتیں کرنے لگ جاتے ہیں کبھی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں، کبھی انبیاء جیسی مقدس ہستیوں کو اللہ کا بیٹا بنا دیتے ہیں۔

عظمتِ الٰہی:

فرمایا: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتے تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتے چن لیتے (مگر ایسا نہیں ہے) وہ پاک ہیں وہی اللہ واحد (اور) غالب ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنانا ہوتا تو وہ خود منتخب کر لیتے۔ تمہارے تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا، وہ پاک ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہے اور وہ سب کا خالق ہے۔ اس کا بیٹا، کوئی کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر اسے کسی کو بیٹا بنانا ہی ہوتا تو تم سے تو اس نے نہیں کہا کہ میرے لیے بیٹا بناؤ وہ خود چن لیتا۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ ساری اس کی مخلوق ہے اور مخلوق خالق کی وارث یا بیٹا کیسے بن سکتی ہے؟

اولاد میں والد کی صفات ہوتی ہیں۔ اگر اللہ کا بیٹا ہوگا تو اس میں صفاتِ الوہیت ہوں گی۔ وہ بھی خالق ہوگا، مالک ہوگا، رازق ہوگا یعنی ساری صفاتِ الٰہیہ اس میں ہوں گی تو یہ دو تو ہو ہی نہیں سکتے کہ وہ واحد ہے لاشریک ہے۔ کوئی اس جیسا بن نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ تصور ہی باطل ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ وہ اکیلا ہے، ہر چیز پہ غالب ہے۔ ہر ذرّہ اس کی مخلوق ہے اور اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ جسے جب چاہتا ہے، بناتا ہے جب چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ کوئی اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔

فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔۔۔ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔

اللہ کریم نے آسمانوں اور زمینوں کو انتہائی حق کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ کوئی ذرّہ زمین کا ناحق نہیں ہے اور کوئی ذرّہ آسمان کا ناحق نہیں ہے۔ ہر چیز پورے عدل، انصاف اور اعتدال کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔

یُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ۔۔۔ اور لپیٹتے ہیں رات کو اوپر دن کے اور لپیٹتے ہیں دن کو اوپر رات کے وہ جب چاہتے ہیں، رات دن کو نگلنا شروع کر دیتی ہے تو رات لمبی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔ گویا رات، دن کو لپیٹتی جاتی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں تو دن، رات کو لپیٹنا شروع کر دیتا ہے اور دن لمبا ہو جاتا ہے، رات مختصر ہو جاتی ہے۔ یہ سب اس کا اپنا بنایا ہوا نظام ہے، اس کے دستِ قدرت سے ترتیب شدہ نظام ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔۔۔ اور سورج اور چاند کو کام پہ لگا رکھا ہے۔

زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے ہر چیز کو حق کے ساتھ بنا کر اس کا دائرہ کار مقرر کر دیا ہے۔ وہ اپنے اپنے دائرہ کار میں بے چون و چرا مصروف عمل ہے۔ سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ ان کے راستے بنا دیے ہیں۔ کس نے کہاں سے طلوع ہونا ہے، کہاں غروب ہونا ہے، کہاں سے چلنا ہے کہاں پہنچنا ہے، کہاں روشنی دینی ہے، کتنی دینی ہے، کہاں کتنی گرمی دینی ہے، سب مقرر کر دیا ہے۔ ہر ذرّہ، ہر روشنی کی تار اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ صدیوں سے سورج اپنے راستے پہ گامزن ہے، چاند اپنی راہ پہ چل رہا ہے۔ ہر ستارہ ہر سیارہ اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ کسی کی جرأت نہیں ہے کہ سرِ مو انحراف کرے کہ ذرا ادھر ادھر ہو جائے۔ اگر کوئی ایک ستارہ یا سیارہ اپنا راستہ یا رفتار تبدیل کر لیتا تو سارے نظام کو تباہ کر دیتا۔ ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہے۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا۔

ان سب کے چلنے کے لمحات مقرر ہیں۔ کس لمحہ سورج کو اور چاند کو کہاں ہونا ہے، یہ سب اس کے دستِ قدرت میں ہے اور سب اس کی اطاعت پر مجبورِ محض ہیں۔ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ یاد رکھو! وہ زبردست، بڑے بخشنے والے ہیں۔

خوب جان رکھو کہ وہ غالب ہے، ہر چیز پہ قادر ہے جو چاہے کرے۔ الغفار۔ وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ تمہیں یہ گمان ہے کہ تم گناہ کرتے ہو تو تمہارا بگڑا تو کچھ نہیں، تم بت پرستی کرتے ہو تمہارا کچھ بگڑتا نہیں۔ تم خود بگاڑ رہے ہو۔ وہ کریم ہے تمہیں موقع دیتا ہے۔ اس نے تم میں عالمِ امر کی روح ڈالی ہے۔ تمہاری طرف نبی مبعوث فرمائے ہیں، تمہیں اپنی کتاب دی ہے۔ تمہیں اختیار دیا ہے کہ تمہارے پاس اتنی فرصت ہے۔ اس راہ کی ایک طرف نعمتیں بھی ہیں اور دوسری طرف خوفناک گھاٹیاں ہیں، چلنے کی قوت بھی تمہاری ہے اور فیصلہ بھی تمہارا ہے کہ کس طرف چلنا ہے۔

اس مہلت پہ تم اتنی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے؟ یہ مہلت تو ختم ہو جائے گی، تب تمہیں پتا چلے گا کہ تم کدھر چلتے رہے اور آج کہاں پہنچے ہو!! تمہاری حیثیت کیا ہے! تم ہو کون!

تخلیقِ انسانی:

فرمایا: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔۔۔اس نے تم کو ایک شخص سے پیدا فرمایا۔ وہ ایسا قادر ہے، اس نے ایک آدم کو پیدا فرمایا۔ ایک فرد سے یہ ساری مخلوق ہے، جو آج تک دنیا میں آئی اور جو قیامت تک دنیا میں آئے گی۔ اس کی بنیاد ایک فرد ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۔۔۔پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ ایک اکیلی جان، آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا۔ پھر ان کے وجود سے ہی ان کی اہلیہ یعنی ان کا جوڑا پیدا فرمایا۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔۔۔اور تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ چار پایوں میں سے پیدا فرمائے۔

اس نے روئے زمین پر تمہارے لیے مختلف جانور سجا دیے۔ ان جانوروں میں بھی نر و مادہ بنا دیئے۔ تمہیں اپنے توالد و تناسل پر فخر ہے جبکہ یہ تو اس نے ان جانوروں میں بھی رکھ دیا ہے جو تمہاری خاطر بنائے ہیں۔ ایک چڑیا بھی بچے دیتی ہے، گیدڑ بھی بچے دیتا ہے۔ ہر جانور اپنی نسل بڑھاتا ہے حتیٰ کہ کیڑے اور پتنگے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ تم میں کوئی انوکھا کمال نہیں ہے کہ تم اس پہ اترانے لگو۔ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۔۔۔وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت سے دوسری کیفیت پر بناتے ہیں تین تاریکیوں میں۔

وہ تمہاری تخلیق شکمِ مادر کے انتہائی اندر تاریکی در تاریکی میں کرتا ہے۔ ایک پیٹ کا پردہ ہے پھر اس کے اندر پردہ ہے اور اس کے اندر، رحمِ مادر کی انتہائی تاریکی میں ایک ایک ذرّے سے جڑ کر ایک وجود بن رہا ہے۔

آنکھوں کا آئینہ بھی وہیں بن رہا ہے۔ دماغ کا کمپیوٹر بھی وہیں بن رہا ہے، دھڑکنے والا دل اور سارے اعضا و جوارح بھی وہیں بن رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو پتا ہے نہ جس کے وجود میں بن رہا ہے اسے پتا ہے کہ بچہ ہے یا بچی ہے۔ وہ خوبصورت ہے یا بدصورت ہے، خوش قسمت ہے یا بدقسمت ہے، لمبی عمر والا ہوگا یا چھوٹی عمر والا ہوگا۔ اس کا قد کاٹھ کیسا ہوگا، ذہین کتنا ہوگا، نگاہ کیسی ہوگی، سماعت کیسی ہوگی، اس کے پاس علم کتنا ہوگا یہ کسی کو نہیں پتا۔ کوئی ہے جو وہاں مداخلت کر سکے؟ کوئی ہے جس کو علم ہو؟

فرمایا، کیا ہے؟ تمہیں تو وہ رحمِ مادر میں ترتیب دے رہا ہے، تم اپنی حیثیت تو دیکھو۔ تم اس کا شکر نہیں کرتے

کہ اس نے تمہیں انسان بنا دیا۔ تمہیں اتنا عالی ذہن دے دیا، اتنی تیز نگاہ دے دی، تمہیں قوتِ سماعت قوتِ گویائی عطا کر دی۔ تم ان سب سے دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہو۔ یہ سب قوتیں تم نے کہاں سے لیں؟ تم اس کا شکرادانہیں کرتے؟

فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ۔۔۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی بادشاہی ہے۔

یہ اللہ ہے! یہ تمہارا پروردگار ہے جو تمہیں انتہائی تاریکیوں کے اندر ایک ایک ذرّہ جوڑ کر ترتیب دے رہا ہے۔ تم کسی اور کے آگے جھکتے ہو؟ اس کے سوا کون ہے جو رحمِ مادر میں ذرّات کو جمع کر کے انہیں ترتیب دیتا ہے؟ یہ واحد و لاشریک ہے تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے دروازے سے مت ہٹو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔۔۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا مستحقِ عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اس بات کا حق ہی نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔ پھر تم کہاں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ کہاں وقت ضائع کرتے رہتے ہو؟

شکر میں رضائے الٰہی اور کفر میں ناراضگی ہے:

فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ۔۔۔ اگر تم کفر کرو گے، تو یقیناً اللہ تمہارے حاجت مند نہیں۔

اگر تم کفر ہی کرو گے، نافرمانی ہی کرو گے، ناشکری ہی کرو گے تو اللہ بے نیاز ہے۔ اسے تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تم شکر کرو گے تو اس کا کچھ سنور جائے گا یا تم کفر کرو گے، ناشکری، نافرمانی کرو گے تو اس کا کچھ بگڑے گا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا، ہاں: وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔۔۔ اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں فرماتے۔

اللہ کو اپنے بندوں سے کفر اور نافرمانی پسند نہیں ہے۔ وہ تم سے روٹھ جائے گا۔ تم سے خفا ہو جائے گا اور اس میں اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ تم اس کی بارگاہ سے راندے جاؤ گے۔ جب وہ تم سے خفا ہو جائے گا تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔ اس کا کیا ہے، اس کی بے شمار مخلوق ہے جو ہمہ وقت دست بستہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت
ترکِ تعلق کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

اس کی بارگاہ کو چھوڑ دو گے تو تم کائناتِ بسیط میں اکیلے رہ جاؤ گے۔ تمہارا کوئی بھی نہیں ہوگا۔

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ۔۔۔ اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لیے پسند فرمائیں گے۔ ہاں!

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے شکر ادا کرو گے تو وہ تم پر راضی ہوگا۔ یہ آیۂ کریمہ شکر کی حقیقت پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر کفر نافرمانی ہے تو اس کے مقابلے میں شکر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ شکر اطاعت کا نام ہے۔ شکر اللہ کی فرمانبرداری کا نام ہے۔ اللہ کی بات ماننا شکر ہے۔

ہم تو زبان سے شکر شکر کہتے رہتے ہیں اور عملاً برائی کرتے ہیں تو یہ درحقیقت ناشکری ہے۔ نتیجہ عمل پر مرتب ہوتا ہے، باتوں پر نہیں۔ شکر سے مراد اللہ کی پرخلوص اطاعت ہے۔ فرمایا، اگر تم شکر ادا کرو گے تو وہ تم پر راضی ہو گا، مہربانی کرے گا اور تمہیں بے پناہ انعامات دے گا جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو لوگ تمہیں گمراہ کرتے ہیں کہ تم ایسا کرو تو یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا اور ہم تمہارے ذمہ دار ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ تمہارے کام نہیں آئیں گے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔۔۔ اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

آج تو یہ کہتے ہیں ناں کہ ہم ذمہ دار ہیں لیکن یہ تمہارے ذمہ دار نہیں بنیں گے۔ تمہارا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ جو تم کرو گے وہ تمہیں خود ہی بھگتنا ہوگا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔۔۔ پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تم کو بتائیں گے۔

ہر حال میں تمہیں لوٹ کر اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور پھر وہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ کسی سے پوچھے کہ تم نے کیا کیا بلکہ وہ تو تمہیں بتائے گا کہ تم نے کیا کیا۔ شاید تم اپنے گناہ بھول چکے ہو گے، وہ تمہیں بتائے گا کہ تم نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا۔ وہ تم سے پوچھنے کی بجائے تمہیں بتائے گا۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ بے شک وہ دلوں تک کی باتوں کے جاننے والے ہیں۔ جو تم زبان سے کہتے ہو وہ تو ایک اظہار ہے، جو عمل کرتے ہو وہ بھی ظاہر باہر ہے لیکن جو دل کی گہرائی میں کوئی ہلکا سا خیال گزرتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ جو کھٹکا دل میں گزر جاتا ہے وہ اس سے بھی واقف۔ وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔

انسانی مزاج بھی عجیب ہے:

انسان نے تو عجیب عادت بنالی ہے کہ: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ۔۔۔ اور جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے۔

جب کوئی مصیبت یا تکلیف آتی ہے تو انسان نہایت خلوص کے ساتھ، پوری طرح اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے مدد مانگتا ہے۔ کہتا ہے یا اللہ! تیرے سوا کوئی نہیں ہے، اس مصیبت میں میری مدد فرما۔

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو جس کے لیے پہلے اسے پکارتا تھا اس کو بھول جاتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب مصیبت ہوتی ہے تو بہت رو رو کر، دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔ جب میں وہ ٹال دیتا ہوں تو پھر یاد ہی نہیں رہتا کہ کس خلوص سے، کس کام کے لیے اللہ کو کتنی عاجزی سے پکار رہا تھا۔ وہ سب باتیں بھول جاتی ہیں کہ اللہ سے اطاعت کا وعدہ کیا تھا، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع کا وعدہ کیا تھا لیکن جب اللہ وہ مصیبت دور کر دیتا ہے تو پھر سب بھول بھال جاتا ہے۔ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔۔۔ اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کرے۔

پھر انسان کہتا ہے میرا کام تو فلاں نے کر دیا۔ میں نے عقل سے کام لیا تو کام ہو گیا یا میں نے پیسے دے کر کام کرا لیا وغیرہ۔ اس طرح کے بہت سے شریک بنا لیتا ہے اور اس سارے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں: قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۔۔۔ فرما دیجیے کہ اپنے کفر کے ساتھ چندے فائدہ اٹھا لے۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! فرما دیجیے کہ یہ چند روزہ زندگی ہے، اس میں کفر کے مزے لے لو، اس وقت سے فائدہ اٹھا لو: اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ (پھر) یقیناً تو تو دوزخیوں میں ہو گا۔

لوگو! اگر تم مشرکانہ عقائد اور کافرانہ کردار اپنا کر خوش ہو تو انجامِ کار تمہیں دوزخ میں رہنا ہو گا۔ اس نے دنیا میں مہلت دی ہے، وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ تمہارا دل اس کے سامنے ہے۔ تمہارا کردار اس کے سامنے ہے۔ یہ چند روزہ فرصت ہے، کفر کر کے دیکھ لو لیکن جب زندگی ختم ہو جائے گی تو تمہیں دوزخیوں میں رہنا ہو گا۔

یہ برابری ناممکن ہے:

فرمایا: ذرا سوچو، خود اندازہ کرو: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۔۔۔ بھلا جو شخص رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو اور آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔

فرمایا، ایک بندہ ایسا ہے جو راتوں کو اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو جاتا ہے، رکوع سجود کرتا ہے اور آخرت کے برے انجام سے ڈرتا ہے۔ اللہ کا یہ بندہ اللہ سے رحمت کی امید رکھتا ہے۔ اس سے رحمت اور بخشش طلب کرتا ہے جبکہ

دوسرا بندہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے تو کیا یہ دونوں برابر ہو جائیں گے؟

ایک بندے کا کردار ایسا ہے کہ اس کی راتیں اللہ کی بارگاہ میں بسر ہوتی ہیں۔اس کے دن اطاعتِ الٰہی سے مزین ہوتے ہیں۔اس کے افکار بھی اللہ کے تابع ہوتے ہیں۔اللہ کی یاد اس کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔وہ آخرت کی گرفت سے ڈرتا ہے۔اللہ سے رحمت و بخشش کا امیدوار ہوتا ہے اور رات دن رکوع و سجود میں رہتا ہے۔

یاد رہے! ہر وہ کام جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق کیا جائے وہ رکوع بھی ہے، سجود بھی ہے، عبادت بھی ہے اور ذکر بھی ہے۔ایسے شخص کا کردار بھی ذکرِ الٰہی، اس کی رات بھی ذکرِ الٰہی! وہ اللہ سے رحمت کا امیدوار ہے اور جو دوسرا ناشکری کرتا ہے کیا اس کے برابر ہو سکتا ہے؟ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہو جائیں گے؟

فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔۔۔ فرما دیجیے بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے۔دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

بھلا جاننے والے اور جاہل کبھی ایک جیسے ہوا کرتے ہیں؟ دنیوی معاملات میں بھی دیکھا جائے تو جس کے پاس علم ہے یا کوئی کمال ہے اور دوسرا جاہل ہے تو کیا وہ دونوں ایک جیسے ہوتے ہیں؟ اگر دنیا میں ایک جیسے نہیں ہوتے تو بارگاہِ الوہیت میں ناشکرے اور شکر گزار، کیا ایک جیسے ہو جائیں گے؟ یہ تو خیال ہی باطل و فاسد ہے۔

نصیحت قبول کرنے کے لیے لُب چاہیے:

فرمایا: اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ یقیناً نصیحت تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔

ہاں! بات تو سیدھی سی ہے لیکن نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی کچھ شعور چاہیے، کوئی عقل و خرد چاہیے۔اگر کوئی اپنی خرد ہی تباہ کر بیٹھے اور آخرت کو دنیا پہ قربان کر دے تو وہ کیسے نصیحت حاصل کرے گا!

اکثر ایسے لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے جو معاشی مسائل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ایسا ہی ایک شخص آیا کہنے لگا جی کارخانہ بہت اچھا چل رہا تھا لیکن اب تباہ ہو گیا ہے۔کارخانہ بند ہو گیا ہے اور میں مقروض ہو گیا ہوں۔اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیا کیا تھا کہ جس سے یہ تباہی آئی ہے، آخر کچھ تو کیا ہو گا؟ اس کے جواب سے یہ پتا چلا کہ اس نے سود پر قرضہ لیا تھا جس کی ادائیگی میں سارا سرمایہ ڈوب گیا۔اس سے جب کہا کہ تم نے کیوں لیا جبکہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا تو کہنے لگا کہ جی ضرورت تھی۔میں نے کہا کہ اگر ضرورت تھی تو اسی کی بارگاہ میں عرض کرتے جس نے سود کو حرام ٹھہرایا ہے، وہ انتظام کر دیتا۔شاید ادھر اتنا اعتبار نہیں ہے کہ اللہ دے گا۔اتنا قوی ایمان نہیں ہے۔

یادرکھو! کبھی برائی سے بھلائی یا نیکی جنم نہیں لیتی نہ ہی کبھی حرام سے شفا ہوتی ہے۔ تم اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہو؟ کیسے عجیب لوگ ہو تم اور کیا سوچتے ہو!

اللہ کی عظمت ایسی ہے کہ اطاعت کر کے بھی امیدوارِ رحمت ہونا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہماری اطاعت اس کی بارگاہ کے قابل ہے بھی یا نہیں۔

آج ہم میں سے کسی کو یہ کہا جائے کہ تمہیں وزیرِ اعظم نے ملاقات کے لیے بلایا ہے اس کے لیے کوئی تحفہ لے جاؤ تو ہمیں مشکل پڑ جائے گی۔ ہم کیا لے کر جائیں گے۔ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہے۔ جو وزیرِ اعظم کے پاس نہ ہو کہ ہم اسے تحفے میں دے آئیں؟ جب ہمارے پاس دنیوی حکمران کو دینے کو کچھ نہیں ہے تو اللہ کی بارگاہ میں جب ہم جاتے ہیں تو ہمارے پاس پیش کرنے کو کیا ہے؟ یہ ہمارے بے خلوص سجدے اور بے سوز نمازیں؟ ہمارے سجدے ہماری باتیں کس قابل ہیں کہ اس کی بارگاہ میں ہم تحفے کے طور پر پیش کریں۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ اس کے باوجود وہ ہمیں سجدہ کرنے سے منع نہیں کرتا، فرماتا ہے کرتے رہو۔

جب ہماری عبادتیں بھی اس قابل نہیں تو پھر گناہ اور جرم کرنا، اللہ کی نافرمانی کرنا کتنی عجیب بات ہے! فرمایا، اس کی سمجھ اسی کو آتی ہے جس میں کوئی تھوڑی سی عقل باقی ہو۔ چونکہ کفر اور گناہ، عقل کو بھی لُب کو بھی تباہ کر دیتے ہیں تو ان چیزوں کی سمجھ نہیں آتی۔ دماغی صلاحیتیں بھی مفلوج ہو جاتی ہیں۔ یہ بڑی عجیب اور خوبصورت بات اللہ کریم نے ارشاد فرمائی ہے۔ یہ اسی کو سزاوار ہے اور یہ وہی فرما سکتا ہے۔

سورۃ الزمر رکوع 2 آیات 10 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ۝۱۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ
اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۝۱۳ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۙ۝۱۴ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۵ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ
النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶
وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ
الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ۝۱۷ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۸
اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ۝۱۹ لٰكِنِ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِأُولِى الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

فرما دیجیے (میری طرف سے) کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے جو صبر کرنے والے ہیں بے شک ان کو بے شمار صِلہ ملے گا ﴿۱۰﴾ آپ فرما دیجیئے کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے صرف اُسی کی عبادت کروں ﴿۱۱﴾ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں سے اوّل میں ہوں ﴿۱۲﴾ آپ (یہ بھی) فرما دیجیئے کہ اگر (بفرضِ محال) مَیں اپنے پروردگار کا حکم نہ مانوں تو بے شک مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے ﴿۱۳﴾ فرما دیجیئے کہ مَیں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اُسی کے لیے خاص رکھتا ہوں ﴿۱۴﴾ سو تم اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کرو فرما دیجیئے کہ بلا شبہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا۔ دیکھ! یہی واضح نقصان ہے ﴿۱۵﴾ اُن کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے یہ ہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں اے میرے بندو! سو مجھی سے ڈرو ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے لیے خوش خبری ہے، سو میرے بندوں کو خوش خبری سنا دیجیئے ﴿۱۷﴾ جو بات (کلامِ الٰہی) کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل مند ہیں ﴿۱۸﴾ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات صادر ہو چکی تو کیا آپ ایسے دوزخی کو مخلصی دے سکیں گے؟ ﴿۱۹﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے (جنت کے) بالا خانے ہیں جن کے اوپر (اور) بالا خانے ہیں جو بنے ہوئے (تیار) ہیں ان کے تابع نہریں چل رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدے کے خلاف

نہیں کرتے ﴿۲۰﴾ (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل فرما دیتے ہیں پھر اس سے کھیتیاں اگاتے ہیں جن کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو اس کو دیکھتے ہو کہ زرد (ہو گئی) پھر اس کو چورا چورا کر دیتے ہیں۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے ﴿۲۱﴾

تفسیر و معارف

نیکی سے دنیا میں بھلائی ملتی ہے:

فرمایا: قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ ۔۔۔ فرما دیجئے (میری طرف سے) کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: اے میرے صحیح العقیدہ ایماندار بندو! اس بات سے بندوں کا اکرام بڑھ گیا ناں؟ اس فرمان نے ان بندوں کو اپنا کر لیا۔ فرمایا: میرے بندو!

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

بندے تو سارے اسی کے ہیں لیکن جب کسی کو وہ اپنا بندہ کہتا ہے تو بات بدل جاتی ہے۔ اس بندے کی حیثیت اور شان بدل جاتی ہے۔ جن لوگوں کے عقیدے کھرے اور خالص ہیں انہیں وہ فرما رہا ہے، اے میرے بندو! اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ اپنے پروردگار سے ڈرو۔ ہر لمحہ اپنے پروردگار کی عظمت کے سامنے لرزاں و ترساں رہو۔ وہ تمہارا رب ہے۔ تمہارا خالق ہے، مالک ہے۔ وہ تمہارا پروردگار ہے۔ لمحہ لمحہ تمہارے وجود کے کھربوں اجزا میں مختلف تبدیلیاں فرما رہا ہے۔ کس جز و کو کہاں سے کہاں پہنچانا ہے یہ اس کا کام ہے، تمہارے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے لہٰذا اس کی بارگاہ میں ادب و احترام، عزت و شرف کا خیال رکھو۔ اپنی بے بسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی قدرتِ کاملہ سے ڈرتے ہو۔

تقویٰ اختیار کرنے سے کیا ہوگا؟ فرمایا: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ۔۔۔ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے۔ جو نیکی کرے گا اچھائی کرے گا اس کے ساتھ اس دنیا میں بھی اچھائی ہو گی۔ اسی کو اس دنیا میں بہتری نصیب ہو گی جو اطاعتِ الٰہی کرے گا اور شریعت کے دائرے کے اندر رہے گا۔ جو

شریعت کے باہر جائے گا اس کے پاس حکومت تو ہو سکتی ہے لیکن گداگر بھی اسے گالیاں دے رہے ہوں گے۔ گلی محلے کے لوگ بھی اسے چور چور کہتے پھر رہے ہوں گے۔ اس کے پاس حکومت تو ہو سکتی ہے لیکن اس کی اولاد کے دکھ بھی بے شمار ہوں گے۔ اس کے پاس حکومت تو ہو سکتی ہے لیکن شاید اس کی آبرو، بے آبروئی میں بدلتی جا رہی ہو۔ شاید اسے کئی قسم کی بیماریاں لگ جائیں۔ وہ ایسا بے نیاز ہے۔ ارب پتی کو کھانے سے روک دیتا ہے۔ کھربوں روپے پڑے ہوتے ہیں لیکن وہ کس کام کے کہ اگر اسے ڈاکٹر کہیں کہ صرف چنوں کا سوپ پیو؟ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ لباس سے الرجی (ALLERGY) کر دیتا ہے، کوئی خاص لباس پہنیں تو بیمار ہو جاتے ہیں۔ بھلا بھاگ کے کہاں جاؤ گے! جان لو کہ اس دنیا میں بھی وہی سکھی ہیں، آرام میں ہیں جو اچھائی کرتے ہیں۔ انہی کے ساتھ اچھائی ہوگی لیکن تم لوگ گناہ اور برائی پر مجبوری کے نام پر سمجھوتے کر لیتے ہو۔ تمہیں ایسی کیا مجبوری ہے جبکہ فرمایا: وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ۔۔۔ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔

تو جہاں تم نیکی نہیں کر سکتے، مجبوراً گناہ کرنا پڑتا ہے وہ زمین چھوڑ دو۔ اللہ کی وسیع زمین پڑی ہے۔ وہاں چلے جاؤ جہاں نیک لوگ ہوں، نیکی کا ماحول ہو یا پھر صبر کرو۔

ہمارے ہاں تو آج معاملہ ہی برعکس ہے جو بیرون ملک چلے گئے وہ تو چلے گئے جو باقی ہیں وہ بھی میرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں دعا کریں ہمارا ویزا لگ جائے۔ پوچھا بھئی کہاں جانا چاہتے ہو؟ کہتے ہیں انگلینڈ جا رہے ہیں، آئرلینڈ جا رہے ہیں، فلاں لینڈ جا رہے ہیں۔ وہاں جب پہنچ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ کھانے کو حلال نہیں ملتا۔ یہاں اپنے وطن میں حلال نہیں ملتا، اب تو یہاں ناپید ہے تمہیں وہاں کون حلال دے گا؟ یہاں جو دکانوں اور ہوٹلوں میں بک رہا ہے اس کے حلال ہونے کی کیا ضمانت ہے؟ جتنے مردار جانور ہوتے ہیں وہ بھی سارے ہوٹلوں میں پکا کر بیچے جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں مردار آبادیوں کے باہر پڑے ہوتے تھے تو ان پر چیلیں، گدھیں آتی تھیں۔ اب کبھی ایسا ہوتے دیکھا ہے؟ اس لیے کہ حرام جانور بھی بک جاتا ہے۔ آج منڈی میں گرم مرغی اور ٹھنڈی مرغی بیچی جا رہی ہے۔ جو حرام ہو جاتی ہے اسے ٹھنڈی مرغی کہتے ہیں۔ جو زندہ ہوتی ہے وہ گرم مرغی ہوتی ہے۔ اگر وطنِ عزیز میں یہ حال ہے تو آپ برطانیہ، امریکہ، جرمنی یا کینیڈا میں حلال ڈھونڈنے جاتے ہیں تو کہاں ملے گا؟

اللہ کریم فرماتے ہیں دنیوی فائدے نہ دیکھو دنیا کی لالچ میں آخرت برباد نہ کرو۔ جس زمین پر گناہ سے سمجھوتے کرنے پڑیں وہ زمین چھوڑ دو، جب موت آتی ہے تو ساری دنیا چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔ زندگی میں نیکی کے لیے وہ جگہ چھوڑ دو۔ جہاں مجبوراً برائی کرنا پڑتی ہو، حرام کھانا پڑتا ہو یا جہاں مجبوراً بے حیائی دیکھنا پڑتی ہو وہ جگہ چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور وہاں چلے جاؤ جہاں اللہ کی فرمانبرداری ممکن ہے۔

ایک تماشا یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ یہ لوگ باہر جا کر خوشی سے اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جاتے ہیں، شراب پیتے ہیں، برائیاں کرتے ہیں اور پھر یہ امید رکھتے ہیں کہ اولاد ولی اللہ ہونی چاہیے۔ پھر کہتے ہیں کہ بیٹے بات نہیں سنتے۔ بھئی جب تم اس عمر کے تھے تو کیا تم بات سنتے تھے؟ وہ بھی جب تمہاری طرح شراب نوشی میں عمر گزار کر بوڑھے ہو جائیں گے تو کہہ رہے ہوں گے کہ کاش اولاد نیک ہو جائے۔ فرمایا: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩ جو صبر کرنے والے ہیں بے شک ان کو بے شمار صلہ ملے گا۔

جو لوگ اپنے آپ کو برائی سے، بے حیائی اور حرام کھانے سے روکتے ہیں وقتی طور پر تو انہیں تکلیف ہوتی ہے لیکن ان کا اجر بھی بے حساب ہوتا ہے۔ اللہ کریم انہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ وہ انسان کے لیے گنتی اور شمار میں لانا ممکن نہیں ہوگا۔ انہیں اتنا دیا جائے گا جو حساب کتاب سے باہر ہوگا۔

عبادت کیا ہے؟

فرمایا: قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ⑪ آپ فرما دیجیے کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے صرف اسی کی عبات کرو۔

عبادت کیا ہے؟ عبادت اطاعت کا نام ہے۔ ہم صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ کو عبادت سمجھتے ہیں اور ساری دنیوی امور کو الگ کر لیتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ عبادت سے مراد اطاعت ہے۔ دنیوی معاملات، سیاسیات، ذاتی گھریلو معاملات، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، دوستی، دشمنی، کمانا، خرچ کرنا یہ سب اللہ کی عبادت ہے یا نافرمانی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کو الگ کرنا درست نہیں ہے۔ جہاں تک جس کی رسائی ہے ذاتی قومی یا بین الاقوامی سطح پر ان میں جو معاملات وہ کرتا ہے وہ اگر اطاعتِ الٰہی میں کرتا ہے تو عبادت ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوۃ بھی اللہ کی عبادت ہے لیکن صرف یہ ہی عبادت نہیں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن میں بندے کا اللہ کے ساتھ معاملہ ہے لیکن یہ نسبتاً آسان ہیں۔ جب بندے کا معاملہ مخلوق کے ساتھ آتا ہے، بندوں کے ساتھ آتا ہے تو وہ معاملات بھی عبادت ہیں بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں۔ وہاں اصل امتحان ہے اور تب پتا چلتا ہے کہ بندے کو عظمتِ الٰہی کا اور اطاعتِ الٰہی کا کتنا احساس ہے اور اسے اپنی ابدی زندگی کی کتنی فکر ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجیے، سب کو بتا دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور خالص اسی کے لیے کروں۔ درمیان میں کوئی دوسرا تیسرا نہ ہو۔

عبادت کا ایک انداز امیدوں کی وابستگی ہے کہ فلاں میری مدد فرمائے گا، غائبانہ میری حفاظت کرے گا،

میری ضرورتوں کا خیال رکھے گا، مجھے مشکلات سے نکالے گا، مجھے صحت عطا فرمائے گا۔ اب اگر یہ امیدیں اللہ کے علاوہ کسی اور سے وابستہ کرلیں تو نماز روزے کا بھی کچھ حاصل نہیں یعنی یہ اتنا نازک معاملہ ہے۔ اگر کوئی فرد غیر اللہ سے اپنی امیدیں وابستہ کرلیتا ہے تو اس کے نماز روزے کی روح بھی ختم ہوگئی۔ وہ محض ایک (exercise) رہ جاتی ہے۔ عبادت نہیں رہتی۔ فرمایا، مذہب یا دین بالکل خالص ہو، کھرا ہو۔ جہاں جتنی اللہ کریم نے اجازت دی ہے اس چیز سے اتنا استفادہ کیا جائے تو یہ اللہ کی اطاعت ہے۔ اس حد سے بڑھ کر اپنی امیدیں وابستہ کر لی جائیں تو پھر دین سے خارج ہوجاتا ہے۔

سب سے اوّل سب سے اعلیٰ:

فرمایا: وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں سے اوّل میں ہوں۔

فرماتے ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو اسلام میں لایا ہوں، جس کی طرف میں خلق خدا کو دعوت دے رہا ہوں جس راستے پر میں انہیں چلانا چاہتا ہوں اسے پورے خلوص سے خود اپناؤں۔ میں اس راستے پر چلنے والا سب سے اوّل ہوں، باعتبار عقیدے اور یقین کے اور باعتبار عمل کے، میں سب سے اوّل ہوں سب سے اچھا سب سے اعلیٰ، سب سے زیادہ مجاہدہ کرنے والا ہوں۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ آپ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) میں اپنے پروردگار کا حکم نہ مانوں تو بے شک مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں یہ بھی بتا دیجیے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں ختم الانبیاؑ ہوں، امام الانبیاؑ ہوں۔ اللہ کی ساری مخلوق میں افضل ترین ہستی ہوں لیکن میں اللہ کی اطاعت کا پابند ہوں۔ مجھے اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ میں اطاعت الٰہی نہ کروں کہ قیامت کے عذاب بڑے سخت ہیں۔

اگرچہ انبیاؑ معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں ہوتا اس کے باوجود ارشاد ہو رہا ہے کہ بفرضِ محال اگر میں اللہ کا حکم ٹال جاؤں تو پھر مجھ سے بھی عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

یہ اس لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ کوئی فرد یہ نہ سمجھے کہ نافرمانی کر کے خیر ہے گزارا ہو جائے گا۔ گزارا نہیں ہوگا بغیر اطاعت کے کوئی چارۂ کار ہے ہی نہیں اور یہاں صفاتی نام ربّ استعمال ہوا ہے۔ ربّ کا معنی ہے پیدا کرنے والا، پالنے والا وجود عطا کرنے والا، حواس عطا کرنے والا، سب کچھ دینے والا، اسے مسلسل برقرار رکھنے والا اور زندگی کو اس

کے مختلف مراحل سے گزار کر کمال تک پہنچانے والا ربّ ہے۔

جس طرح ہم صحت کے لیے احتیاط کرتے ہیں تو صحت مند رہتے ہیں۔ بد پرہیزی کرتے ہیں بیمار ہو جاتے ہیں۔ بازار میں مضرِ صحت چیزیں بھی موجود ہیں اور مفید چیزیں بھی دستیاب ہیں۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے نقصان دہ چیز خرید کر کھاتا ہے تو اس کا ردِ عمل آتا ہے۔ اس کا نتیجہ نکلتا ہے اور اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اچھی چیز کھاتا ہے اسے صحت نصیب ہوتی ہے۔ یہ قانونِ ربّی ہے۔ فرمایا، اسی طرح کردار کا بھی نتیجہ نکلے گا۔ جو نیکی کرے گا اس پہ نیک نتائج مرتب ہوں گے اور جو نافرمانی کرے گا اس پہ غضب الٰہی مرتب ہوگا۔ سو فرمایا، میں اس بات سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر اللہ کی نافرمانی ہوگئی تو یقیناً اس پہ اللہ کی ناراضگی مرتب ہوگی اور وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سب ایک جگہ جمع ہوں گے۔ کل ذی روح ایک میدان میں کھڑے ہوں گے۔ حیوانات، چرند پرند، نباتات، جمادات، پتھر پہاڑ ہر ایک کا حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ فرداً فرداً سب سے پوچھا جائے گا۔

فرمایا: قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فرمادیجیے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کے لیے خاص رکھتا ہوں۔

فرمایا، سن لو یہ بڑی واضح بات ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے سارے عقیدے کو اس کے لیے شفاف رکھتا ہوں۔ میں صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآنِ کریم میں جا بجا کفار و مشرکین کے قول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو مانتے تھے۔ انہوں نے انبیاءؑ کے بارے کہا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں۔ گویا نبیؑ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں لیکن اللہ کو مانتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرداران کے خلاف قتل کی سازش کرتے ہوئے آپس میں جب معاہدہ کر رہے تھے تو ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ (النمل:49) اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ ہم اس پر قائم رہیں گے۔

اللہ کے نبیؑ کے قتل کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور اللہ کی قسمیں کھا رہے ہیں! اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں زنانِ مصر کی گفتگو ملتی ہے کہ وہ صفاتِ الٰہی کی بات کرتی ہیں۔ فرشتوں کو مانتی ہیں۔ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:31) اور کہنے لگیں پاکی ہے اللہ کے لیے یہ شخص (ہرگز) بشر نہیں مگر یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

فرشتوں کو ماننے اور اللہ کو ماننے کے باوجود یہ کافر کیوں تھے؟ پھر انہیں کافر ومشرک کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ اللہ کو اپنی عقل وخرد سے، اپنے علم سے کوئی مان سکتا ہے نہ جان سکتا ہے۔ انسانی شعور اس قابل نہیں ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی ذات کے بارے خود تلاش کر سکے۔ وہ یہاں عاجز ہو جاتا ہے کہ کوئی ایک ہستی ہے جس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اب وہ ہستی کیسی ہے، کس بات پہ راضی ہے، کس بات پہ خفا ہے، اسے یہ پتا نہیں ہے۔

زید بن عمرو بن نفیل مکہ کے ایک معروف آدمی تھے جو بہت سمجھدار اور دانشور تھے۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ یہ کیا جہالت ہے کہ ایک پتھر کو تیشے سے کانٹ چھانٹ کر ایک بت بناتے ہو پھر کہتے ہو کہ اب یہ خدا بن گیا ہے! ایک پتھر ہی ہے تو اگر تم اسے پھر توڑ دو تو، کیا یہ تمہارا ہاتھ روک لے گا؟ تم اسے اٹھا کر پھینک دو تو کیا کرے گا؟ تم اسے فرش پر رکھ کر اس کے اوپر سے گزرتے رہو تو یہ روک نہیں سکتا۔ پھر تم نے شعبے تقسیم کر رکھے ہیں کہ یہ اچھائی کا خدا ہے۔ یہ برائی کا خدا ہے یہ بارش برساتا ہے، یہ اولاد دیتا ہے، یہ روزی دیتا ہے، یہ کیا تماشا ہے؟

ءَرَبٌّ وَاحِدٌ اَمْ اَلْفُ رَبٍّ

وہ کہتے تھے کہ پالنہار کوئی ایک ہے جو ساری کائنات کو پال رہا ہے، ہزاروں نہیں ہو سکتے۔ ہزاروں ہوتے تو آپس میں لڑتے۔ ایک کہتا بارش برسانی ہے، دوسرا کہتا نہیں برسانی، ایک کہتا سورج طلوع کرنا ہے دوسرا کہتا نہیں کرنا، تو یہ تو ایک تماشا ہی بن جاتا۔

ربّ واحد ہے پالنہار کوئی ایک ہے۔ ہر ذرّے کو اس کی روزی مقررہ تعداد اور مقررہ وقت پر مل رہی ہے اور کوئی اس پر روکنے ٹوکنے والا، اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ پالنہار کوئی ایک ہے اور اس جیسا کوئی دوسرا نہیں جو اس میں مداخلت کر سکے۔

ءَدِيْنٌ اَدِيْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ

یہ کیا مذہب ہے کہ تم نے کام بانٹ دیئے ہیں کہ ایک روزی دیتا ہے، دوسرا اولاد دیتا ہے، صحت کوئی اور دیتا ہے، بارش کوئی اور برساتا ہے، ان ہزاروں میں اتنی ہم آہنگی کیسے ہوگئی، اتنے مربوط نظام کیسے بن گئے؟ تم ہزاروں میں اتنا ربط ثابت کرتے ہو جبکہ یہ تو دو میں بھی ہونا مشکل ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں۔

تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى جَمِيْعًا

میں لات وعزیٰ سمیت سارے بتوں سے بیزار ہوں اور اللہ نے جسے بھی بصیرت دی وہ ایسا ہی کرے گا۔

یہ اندھے ہیں، جاہل ہیں جو ان کی پوجا کر رہے ہیں اللہ نے جسے بھی شعور دیا وہ ان سے بیزار ہوگا۔

پھر وہ کہتے کہ اللہ! میں جانتا ہوں تو ہے لیکن میں نہیں جانتا تُو کہاں ہے کیسا ہے؟ تو کس بات سے راضی ہوگا؟ کس بات پہ خفا ہوجائے گا؟ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ پھر بیت اللہ کے سامنے مٹی اٹھا کر اس پر پیشانی رکھ دیتے اور کہتے کہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ تیری عبادت کیسے کروں، تُو اسی کو میرا سجدہ قبول کر لے۔

انسانی عقل یہی کچھ تلاش کر سکتی ہے۔ یہ انبیاؑ کا احسان ہوتا ہے کہ وہ مخلوق کو اللہ کی ذات اور صفات کے بارے آگاہ فرماتے ہیں۔ اللہ کے احکام سے آگاہ فرماتے ہیں۔ یہ بات بتاتے ہیں کہ اللہ کس بات پہ راضی ہے اور کس بات کو پسند نہیں فرماتا۔ یہی دین ہے۔ دین صرف نماز روزے میں نہیں ہے بلکہ ہر حرکت وسکون دین ہے، یا بے دینی ہے۔ ہر کام جو ہم کرتے ہیں دین ہے یا دین کے خلاف ہے۔ یہی بات یہاں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں: قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ یاد رکھو میں ہر بات، ہر کام، خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں۔ میرا کسی سے صلح کرنا یا جنگ کرنا میرا کسی پہ خوش ہونا یا خفا ہونا، میرا کسی سے بات کرنا یا اعتراض کرنا، میرا سونا، میرا جاگنا، میرا گھر، میرا کاروبار میرا سب کچھ اللہ کی اطاعت کے لیے ہے۔ میں جو کرتا ہوں خالص اسی کی رضا کے لیے کرتا ہوں اور یہ اسلام ہے۔

اُخروی خسارہ حقیقی خسارہ ہے:

فرمایا: فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ۔۔۔ سوتم اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہے عبات کرو۔

فرمایا، اگر تم میری بات نہیں مانتے تو جس کی چاہے پوجا کرتے رہو۔ میں تم پر یہ پابندی تو نہیں لگا سکتا۔ جو تمہاری مرضی کرتے رہو۔ میں تمہیں حق بتا سکتا ہوں لیکن حق کو منوانا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ حق بتانا میری ذمہ داری ہے۔ تمہارے پاس اللہ کا دیا ہوا اختیار ہے کہ تم کون سا راستہ منتخب کرنا چاہتے ہو۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھا دی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو۔

ہم نے انسان پر راستے واضح کر دیے ہیں۔ کھول دیئے ہیں، چاہے تو شکر کا راستہ اختیار کر لے، چاہے تو کفر کا کر لے۔ جس راستے پہ چلے گا اس کے انجام پر پہنچ جائے گا۔

سو فرمایا، تم اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو پرستش کرتے رہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں لیکن انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیجیے: قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ فرما دیجیئے کہ بلاشبہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر

والوں کونقصان میں ڈالا۔ دیکھ! یہی واضح نقصان ہے۔

انسانو! تم ساری زندگی نقصان سے بچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہو تمہیں فکر ہوتی ہے کہ کہیں تمہارا کوئی نقصان نہ ہوجائے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اصل اور حقیقی نقصان کیا ہے؟ حقیقی نقصان وہ اٹھائیں گے جو خود کو اور اپنے خاندان کو روزِ حشر تباہی کی طرف لے جائیں گے یہ اصل نقصان ہے دنیا میں سرمائے کا نقصان ہوجائے، سرمایہ پھر مل جاتا ہے۔ صحت کا نقصان ہوجائے، صحت پھر بحال ہوسکتی ہے۔ گھر گر جائے، اللہ توفیق دیں تو پھر بن جاتا ہے لیکن اگر ایمان چلا جائے، کردار چلا جائے تو یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ یہ روزِ حشر خود بھی ڈوبیں گے اور اپنے خاندان کو بھی لے ڈوبیں گے۔ خوب اچھی طرح سن لو! یہ بڑا واضح نقصان ہے، واضح گھاٹا ہے، حشر کی رسوائی سب سے بڑا نقصان ہے۔ جانتے ہو، جو حشر کو نقصان اٹھائیں گے ان کا کیا حشر ہوگا؟ فرمایا: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ۔۔۔ اُن کے اوپر سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے محیط شعلے ہوں گے۔

اُن کے سر پر آگ کے سائبان ہوں گے۔ دنیا میں سورج کی تپش زیادہ ہو تو ہم محاورۃً کہتے ہیں کہ سورج آگ برسا رہا ہے۔ وہاں ان پر سورج حقیقی آگ برسائے گا اور دوزخ کی آگ واقعی برس رہی ہوگی۔ ان کے پاؤں کے نیچے فرش بھی آگ ہی کا ہوگا۔ آگ برس بھی رہی ہوگی اور پاؤں کے نیچے بھی آگ ہوگی۔ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ۔۔۔ یہ ہی (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔

اس انجام سے ہی تو اللہ کریم نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے اسی لیے تو اللہ کریم نے انبیا مبعوث فرمائے۔ اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور سارے حقائق کھول کر رکھ دیئے کہ اگر اس طرف جاؤ گے تو یہ انجام ہوگا۔ اس کا احسان ہے اس نے بروقت انجام سے مطلع فرما دیا۔

آج ایک عام روش ہے کہ لوگ بہت آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ جی جب جائیں گے تب دیکھا جائے گا۔ بھئی جب جاؤ گے تو تم کیا دیکھو گے پھر تو اللہ دیکھیں گے ہمیں تو آج یہاں دیکھنا ہے کہ ہم زندگی کس نہج پر گزار رہے ہیں۔ ہم کس راستے پر چل رہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ اور نظریہ کیا ہے اور ہمارا کردار کیا ہے۔ وہ کریم فرماتا ہے: يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴿۱۶﴾ اے میرے بندو! سو مجھی سے ڈرو۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، تم میرے بندے ہو، میری مخلوق ہو۔ ہر لحظہ محتاج ہو اور میری ہی نافرمانی کرتے ہو۔

تمہیں مجھ سے بھی حیا نہیں آتی؟ تمہارے وجود کے ایک ایک ذرے کو میں پال رہا ہوں۔

دنیا کی انسانی آبادی کم وبیش 4.7 ارب ہے۔ آج سائنس کہتی ہے کہ ایک انسانی وجود میں دس کھرب سیل (CELLS) ہیں۔ ان سیلوں (CELLS) میں ایٹم ہیں۔ یہ اللہ ہی جانیں کہ ایک سیل (CELLS) میں کتنے کھربوں ایٹم ہیں، سائنس ابھی تک یہاں نہیں پہنچ پائی۔ وہ ایک ایک ایٹم انسانی وجود میں کمی بیشی، طاقت کمزوری، صحت اور بیماری کا ذمہ دار ہے۔ اس ایک ایک ایٹم کو چلا کر اس کو رواں کر کے ان کھربوں سیلوں (CELLS) کو چلا کر ہر وجود کو حرکت وسکون عطا فرما رہا ہے۔ کتنا بڑا کارخانہ ایک وجود کے اندر ہے اور 4.7 ارب کے لگ بھگ انسان ہیں۔ ہر جانور ہر پرندے ہر شجر کا یہی عالم ہے اور وہ ساری کائنات کو بیک وقت پورے توازن اور سکون واطمینان سے چلا رہا ہے۔ سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ۔

فرمایا، میرے کرم کا یہ انداز اور تمہیں فرصت دی تو تم نافرمانی پہ اتر آئے؟ تمہاری یہ جرأت! میری عظمت وجلالت سے ڈرو!

دو ہی راستے ہیں:

فرمایا: وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللهِ ۔۔۔اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دیکھیں قرآن کا کتنا پیارا انداز ہے بات سمجھانے کا، فرماتا ہے کہ جو ابلیس کی پیروی سے بچ جاتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی زندگی کی روش دو طرح سے ہے۔ اللہ کی راہ سے بھٹکا ہوا ابلیس باطل کا داعی ہے۔ جو بات بھی انسان اللہ کے حکم کے خلاف کرتا ہے وہ ابلیس کے حکم کے مطابق کر رہا ہوتا ہے یعنی کسی ایک کے پیچھے انسان کو چلنا ہے۔ تیسرا تو کوئی دعویدار نہیں ہے، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چونکہ برائی اور کفر کا داعی ابلیس ہے تو جو بھی برائی کرتا ہے خواہ جان کر کر رہا ہے، مان کر کر رہا ہے یا انجانے میں کر رہا ہے اسی کی اطاعت کر رہا ہے۔ جو کام بھی اللہ کے حکم کے خلاف ہوگا وہ ابلیس کی رائے کے مطابق ہوگا تو فرمایا، میرے جو بندے ابلیس کی عبادت سے انکار کر دیتے ہیں وہ متوجہ الی اللہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کی مانتے ہیں۔

ہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہاں ابلیس کی عبادت سے انکار، ارشاد ہوا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ آج تک ایسے کسی بندے سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جو ابلیس کو خدا مان کر سجدہ کرتا ہو، مومن کافر سب اس پر لعنت ہی بھیج رہے ہوتے ہیں۔

جو اس کے پیروکار ہیں وہ بھی اس پر لعنت بھیجتے ہیں لیکن بات اس کی ہی مان رہے ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے اس کی عبادت کرتے ہیں گویا اس کا مطلب یہی ہوا کہ عبادت اطاعت ہی کا نام ہے۔

خوشخبری پانے والے لوگ:

فرمایا: لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهٗ۔۔۔ ان کے لیے خوشخبری ہے، سو میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ جو بات (کلام الٰہی) کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔

معاشرے میں ہر طرح کے کردار بھی موجود ہوتے ہیں اور آوازیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ آوازیں ذرائع ابلاغ سے آتی ہیں۔ اخبار سے آتی ہیں، بازار سے گلیوں سے آتی ہیں۔ گھروں سے محفلوں سے آتی ہیں۔ ہر طرح کے حالات سامنے ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی آواز بھی سنائی دیتی ہے، فرمایا میرے وہ بندے قابلِ تعریف ہیں جو اس میں سے اچھائی اپناتے ہیں اور برائی چھوڑ دیتے ہیں۔

فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں کو بھی میری طرف سے بشارت دیجیے جو بات تو سنتے ہیں لیکن اچھی بات مانتے ہیں، بری بات نہیں مانتے۔ یہ اختیار تو بندے کے پاس ہے۔

آج ایک شکوہ زبانِ زدِ عام ہے کہ جی زمانہ خراب ہو گیا ہے۔ دراصل زمانہ خراب نہیں ہوا، ہم خراب ہو گئے ہیں۔ روزِ اوّل سے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے ہی ابلیس مردود ہو چکا تھا۔ اسے بھی زمین پر اتارا گیا۔ زمانے میں تو روزِ اوّل ہی سے اچھائی اور برائی مقابلے میں آ گئی اور یہی اسلام ٹھہرا کہ بندہ شیطان کی عبادت نہ کرے، اللہ کی کرے۔ شیطان نے تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی بہکا دیا تھا اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ یہ مقابلہ تو ازل سے آ رہا ہے۔ جب سے دنیا قائم ہے اور جب تک رہے گی دونوں راستے کھلے ہیں اور انسان کے پاس موقع ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔

فرمایا: میرے وہ بندے جو شیطان کی عبادت کرنے سے انکار کر دیتے ہیں یعنی اس کی بات نہیں مانتے کہ صرف اللہ کی مانیں گے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبارک دیجیے اور ان کو بھی مبارک دیجیے جو ہر طرح کی بات تو سنتے ہیں لیکن اختیار صرف اچھی بات کو کرتے ہیں۔ ہر طرح کے حالات اور واقعات سے گزرتے ہیں لیکن صرف نیکی اپناتے ہیں، برائی کو ردّ کر دیتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل مند ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی رہنمائی رب العالمین نے کی ہے، جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے، جن سے اللہ راضی ہے اور ان کے ہاتھ پکڑ کر خارزارِ دنیا سے، کانٹوں سے بچا بچا کر انہیں گزار رہا ہے۔ یہ جا بجا برائی سے بچتے ہیں، انہیں ہی دانشور کہا جا سکتا ہے۔ یہ صاحبِ خرد ہیں، یہ عقل مند لوگ ہیں جو معاشرے سے نیکی اختیار کر لیتے ہیں اور برائی رد کر دیتے ہیں۔ معاشرہ تو اچھی، بری، نیک، بد ساری تصویریں دکھاتا ہے لیکن یہ عقلمند لوگ نیکی اختیار کرتے ہیں۔ برائی نہیں لیتے۔

کفر پر خاتمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت سے محروم کر دے گا:

وہ لوگ جو نیکی کی بجائے دوسری طرف جاتے ہیں: اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات صادر ہو چکی تو کیا آپ ایسے دوزخی کو مخلصی دے سکیں گے؟

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! جس کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو گیا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اسے آگ سے نہیں اٹھا پائیں گے کہ اس نے یہ خود پسند کیا۔ یہ اس کی پسند پر فیصلہ ہوا تو پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے استفادہ کیسے کرے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت سے بھی محروم ہو گیا۔ ہر کام سے گیا، اس کی خبر لینے والا پھر کوئی نہیں ہوگا۔ اگر ایمان بچ جائے، خطا ہو جائے تو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اس کے لیے انبیاؑ کی شفاعت ہے، صلحا کی شفاعت ہے اور بے شمار بخشش کے اسباب و ذرائع ہیں لیکن جس کا خاتمہ ہی کفر پر ہو اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت بھی نہیں ہے۔

اطاعت گزاروں سے اللہ کا وعدہ:

فرمایا: لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔۔۔ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے جنت کے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے ہیں جو بنے ہوئے (تیار) ہیں ان کے تابع نہریں چل رہی ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے اطاعت گزار بندے جب میرے پاس آئیں گے تو ان کے محلات دیکھنے کے قابل ہوں گے۔ محلات کے اوپر محلات ہوں گے۔ بالا خانے ہوں گے اور نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، دنیا میں یہ اینٹ پتھر کے گھر بناتے ہیں، جھونپڑے بناتے ہیں اور پھر یہ تو بنا بنا کر چھوڑ آتے ہیں جو بعد میں کھنڈر ہو جاتے ہیں۔ ایسے گھر جو ہمیشہ رہنے کے گھر ہیں جن کے چھن جانے کا خطرہ نہیں وہ میرے پاس ہیں۔ وہ مٹی چونے کے نہیں ہوں گے بلکہ رحمتِ الٰہی کے ہوں گے۔ اللہ جس طرح چاہے گا بنائے گا جن کے بارے میں دنیا میں سوچا بھی نہیں جا

سکتا۔ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ۝۲۰ یہ اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ اللہ کریم کا اپنے اطاعت گزار بندوں سے یہ وعدہ ہے اور اللہ کریم کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے تو فرمایا، تمہیں یقین کیوں نہیں آتا؟

قدرتِ کاملہ کے مظاہر:

وہ کیسا قادر ہے، کیا تم دنیا میں نہیں دیکھتے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۔۔۔ (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔

فرمایا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ٹنوں کے حساب سے پانی ہوا کے دوش پر سوار کر دیتا ہے اور وہ جب برستا ہے تو زمین غرق ہونے لگتی ہے لیکن جب اللہ حکم دیتا ہے تو اسے ہوا اٹھائے اٹھائے پھرتی ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ اسی پانی کو جب برسنے کا حکم دیتا ہے تو زمین پر سیلاب آجاتے ہیں لیکن ہوائیں مزے سے اٹھائے اٹھائے پھرتی ہیں۔ وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔ پھر اس کو زمین کے سوتوں میں داخل فرما دیتے ہیں۔

اس پانی کو پھر مختلف صورتوں میں، چشموں، نہروں، دریاؤں اور برف کی صورت میں زمین پر رکھ کر چلانا شروع کر دیتا ہے۔ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۔۔۔ پھر اس سے کھیتیاں اگاتے ہیں جن کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ وہ ایسا قادر ہے کہ اس سے طرح طرح کے اجناس پیدا فرماتا ہے۔ مٹی ایک ہے، اس کا رنگ ایک ہے اس کا ذائقہ ایک ہے۔ اسی طرح پانی ایک ہے، بے رنگ و بے ذائقہ ہے لیکن جب وہ چیزیں پیدا فرماتا ہے تو وہ ان گنت اقسام کی ہوتی ہیں ان میں رنگسازی کون کرتا ہے!

ہر پھول کی خوشبو الگ ہے، ذائقہ جدا ہے، تاثیر الگ ہے حالانکہ ایک ہی مٹی ہے، ایک ہی طرح کے ذرّے اور ایٹم ہیں اور پانی ہے۔ جنگلوں کے جنگل پھولوں سے بھر جاتے ہیں۔ ہر تنکا گل بکف ہے ہر تنکا کئی کئی پھول اٹھائے کھڑا ہوتا ہے اور سب پھولوں کا رنگ اور خوشبو جدا ہے۔ تاثیر الگ ہے۔

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۔۔۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو اس کو دیکھتے ہو کہ زرد (ہوگئی) پھر اس کو چورا چورا کر دیتے ہیں۔

پھر اسی زمین پہ وہ وقت آتا ہے کہ وہ بہار گزر جاتی ہے اور ان ہرے بھرے باغوں اور کھیتوں کا چہرہ زرد ہونے لگتا ہے، ان پر موت کی زردی چھا جاتی ہے۔ پھر وہ خس و خاشاک بن کر اڑ جاتے ہیں اور زمین خالی رہ جاتی

ہے۔ وہی بنجر زمین اور چٹیل میدان رہ جاتا ہے کہ کوئی تنکا بھی نظر نہیں آتا۔ یہ سب روز تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ تم شمار ہی نہیں کر سکتے کہ اس نے کتنے پھول، کتنی پتیاں، کتنا غلہ کتنی اجناس، کتنے پھل، کتنے درخت کیا کچھ اس نے پیدا کر دیا۔ پھر جب سب پہ خزاں آتی ہے تو سارے درخت ٹنڈ منڈ ہو جاتے ہیں۔ بیلیں سوکھ جاتی، پھل گر جاتے ہیں، فصلیں ختم ہو جاتی ہیں، سبزہ ختم ہو جاتا ہے۔ بہاریں روٹھ جاتی ہیں اور ہر چیز بکھر جاتی ہے۔ جب بہار آتی ہے تو پھر سے بارش برسا دیتا ہے اور ساری کائنات میں وہی سبزہ، وہی گل وگلزار، وہی بہاریں، وہی پھل دوبارہ آ جاتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾ بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے نصیحت ہے۔ جس بندے کی عقل سلامت ہے اس کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے کہ وہ قادر ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ جب بندہ صرف اُسی کا ہو رہتا ہے تو وہ بڑا کریم ہے۔

سورۃ الزمر رکوع 3 آیات 22 تا 31

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ
الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ
يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ
بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ
هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ
وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہو پس اُن پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو رہے ہیں (یعنی ذکر نہیں کرتے) یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں ﴿۲۲﴾ اللہ نے

نہایت اچھی اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں، کتاب (جس کی آیات) ملتی جلتی ہیں (اور) دہرائی جاتی ہیں جن سے ان لوگوں کے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں سو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۲۳﴾ کیا قیامت کے روز جو اپنے منہ سے برے عذاب کو روکتا ہو اور ایسے ظالموں کو حکم ہو گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو ﴿۲۴﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب ایسے آیا کہ ان کو کچھ خبر ہی نہ تھی ﴿۲۵﴾ پھر اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں (بھی) رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ سمجھ رکھتے! ﴿۲۶﴾ اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۷﴾ (یہ) قرآن عربی ہے جس میں ذرہ برابر ٹیڑھا پن نہیں تاکہ وہ ڈریں ﴿۲۸﴾ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی لوگ شریک ہیں جو آپس میں مختلف الخیال (بھی) ہیں اور ایک اور شخص ہے جو صرف ایک شخص کا (غلام) ہے (تو) کیا ان دونوں کی حالت یکساں (ہو سکتی) ہے؟ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں ﴿۲۹﴾ بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور یقیناً ان کو بھی مرنا ہے ﴿۳۰﴾ پھر یقیناً قیامت کے روز تم (اپنے) مقدمات اپنے پروردگار کے حضور پیش کرو گے ﴿۳۱﴾

تفسیر و معارف

شرح صدر:

فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۔۔۔ بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو۔ یعنی اللہ کریم جس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں پھر اُس میں وہ نور بھر دیتے ہیں جو کفر کا جگر

پھاڑ دیتا ہے۔ اس کے سینے کو روشن اور منور کر کے نور اور تجلیات سے بھر دیتے ہیں جو کفر کو قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتیں۔

کسی شاعر نے اپنے محبوب کی تعریف میں شعر کہا تھا کہ میرا محبوب بہت خوبصورت ہے۔ اس کا چہرہ شمع سے زیادہ روشن ہے۔ وہ اندھیری رات میں اپنے سامنے شمع جلا کر رکھ لیتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ پروانہ شمع کی طرف جاتا ہے یا اُس کے چہرے کی طرف آتا ہے۔

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

یہ ساری کائنات اور اس کی رنگینیاں وہ شمع ہے جو جمالِ باری کے سامنے رکھی ہوئی ہے اور ہم پروانے ہیں۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اِدھر جانا ہے یا اُدھر جانا ہے۔ اِدھر حیات ہے، بقا ہے اُدھر آگ ہے، عذاب ہے۔

یہ دنیا، اس کی لذتیں، اس کی رونقیں اور سجاوٹیں یہ وہ شمع ہے، اسے معمولی نہ سمجھو۔ یہ اللہ کی صنعت کا خوبصورت نمونہ ہے، اتنی خوبصورت اور لذیذ ہے کہ لوگ اللہ کے مقابلے میں اس پر فدا ہو کر مر رہے ہیں۔ یہ بڑی میٹھی بڑی لذیذ ہے لیکن اس کی لذت اور مٹھاس وقتی ہے۔ دراصل یہ زہر ہے کہ زبان پہ میٹھی لگے گی لیکن حلق سے اترے گی تو موت لے آئے گی۔ سانپ خوبصورت ہے، کاٹے گا تو مر جاؤ گے۔ دوسری طرف جمالِ باری ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے اللہ کی طرف جانا ہے پھر اُس کے لیے مشکل نہیں کہ میں خود اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہوں۔ اس نے بس فیصلہ کرنا ہے تو سچے دل سے بیٹھ کر کر لے۔ اُس نے مجھے کیسے پانا ہے، یہ سارے کام میں خود کر دیتا ہوں۔ اس کے لیے اسباب پیدا کر دیتا ہوں، ذرائع پیدا کر دیتا ہوں۔ اس کا سینہ کھول دیتا ہوں وہ اسلام کو قبول کرتا ہے، غیر اسلامی چیزوں کو رد کر دیتا ہے۔ اُسے علم بھی نصیب ہو جاتا ہے، توفیقِ عمل بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اساتذہ بھی نصیب ہو جاتے ہیں تربیت کرنے والے بھی مل جاتے ہیں۔ اس کے دل میں قبولیت کی استعداد بھی پیدا کر دیتا ہوں۔ بندے نے صرف فیصلہ کرنا ہے باقی جو کرنا ہے اُس نے کرنا ہے۔ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔۔۔ تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہو۔

ذکرِ قلبی سے محرومی افسوسناک ہے:

فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔۔۔ پس اُن پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو رہے ہیں (یعنی ذکر نہیں کرتے) دیکھو قرآن کتنے پیار سے بتا رہا ہے کہ جب تک اللہ کا ذکر دل

میں جاگزیں ہو کر دل کو روشن نہ کرے اس کارگہِ حیات میں بچنا ممکن نہیں ہے۔ یہ دل ہے جو دنیا پر فدا ہوتا ہے، لذتوں پر قربان ہوتا ہے۔ یہ دل ہے جو اقتدار کی لالچ اور مال کی ہوس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہی دل جب ذاکر ہو جائے۔ اللہ اللہ کرنے لگ جائے اور اس میں تجلیاتِ باری آ جائیں تو پھر یہ کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتا، اللہ پر قربان ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ بہت افسوس ہے اُن لوگوں پر جن کے دل یادِ الٰہی سے محروم ہیں اور جو لوگ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی طرف جانا ہے اُن کے سینے اسلام کے لیے اللہ کریم کھول دیتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں اپنا نام پہنچا دیتے ہیں، اُن کے قلوب ذکر اللہ سے جاری ہو جاتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے محروم رہتے ہیں۔ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

چونکہ فیصلے تو دل کرتا ہے وہ دل جو اس پمپنگ مشین کے اندر ہے۔ ایک تو یہ گوشت کا لوتھڑا ہے جو pumping machine ہے۔ اس کے اندر عالمِ امر کا ایک لطیفہ ربانی ہے جسے قرآنِ کریم 'قلب' کا نام دیتا ہے۔ جن لوگوں کے قلوب ذکر اللہ سے محروم ہیں وہ بہت بڑی گمراہی میں چلے جاتے ہیں۔

خوبصورت ترین کلام:

فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ۔۔۔ اللہ نے نہایت اچھی اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں کتاب (جس کی آیات) ملتی جلتی ہیں۔

یہ اللہ کریم کی عظمت وجلالت ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اُس نے انتہائی خوبصورت ترین کلام نازل فرمایا ہے۔ عربی کا محاورہ ہے 'کلام الملوک ملوک الکلام' یعنی بادشاہوں کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے تو یہ خوبصورت کیوں نہ ہو! جو کلام اللہ ربّ العزت کا ذاتی ہو تو کائنات میں کوئی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ مخلوق کا کلام خالق کے کلام کے مقابلے پر کیسے آ سکتا ہے؟ کلام متکلم کی تجلیات کا امین ہوتا ہے۔ انسان بھی جب بات کرتا ہے تو اس بات میں ظلمت ہوتی ہے یا نور ہوتا ہے۔ اگر نور ہوتا ہے تو سننے والے کا دل خوش ہوتا ہے۔ جب ظلمت ہوتی ہے تو دل پر قبض، ناراضگی اور ناپسندیدگی آتی ہے۔ بندہ بات کرے تو اس کے مزاج کا اثر اس کے کلام میں ہوتا ہے تو کیا ذاتِ باری کے ذاتی کلام میں تجلیاتِ باری نہیں ہوں گی؟ جو کلام اُس ذاتِ باری کی تجلیات کا امین ہے اس سے زیادہ خوبصورت کلام کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ قرآن سے زیادہ کوئی کلام خوبصورت ہو، ایسا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس کی باتیں ملتی جلتی ہیں اور بعض باتوں کو اس نے بار

بار دہرایا ہے۔ جس بات کی جتنی اہمیت ہے اُسے اتنی بار دہرا کر انسان کو سمجھایا ہے۔ کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی جو بندے پر کھل نہ سکے۔

اہلِ خشیت پر کلامِ الٰہی کا اثر:

چونکہ اُردو کا دامن تنگ ہے ہم اردو میں 'خشیت' کا ترجمہ 'ڈر' ہی کرتے ہیں۔ ڈر کی بہت سی اقسام ہیں۔ خشیت ایک ایسا ڈر ہے کہ جب آپ کو کسی سے محبت ہو، پیار بھرا تعلق ہو، ماں باپ سے ہو، بیٹے سے، بھائی سے ہو تو آپ زبان سے ایسی بات بھی نہیں نکالنا چاہتے جس سے وہ خفا ہوں۔ اس ڈر کو خشیت کہتے ہیں۔ اگر یہ ڈر اللہ کریم سے ہو جائے کہ اللہ میرا محبوب ہے، مجھے کوئی جملہ ایسا نہیں کہنا جس سے وہ خفا ہو تو اسے خشیتِ الٰہی کہیں گے۔ جنہیں واقعی یہ تعلق نصیب ہے، خشیتِ الٰہی نصیب ہے، فرمایا: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔۔۔ جس سے ان لوگوں کے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اُٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

فرمایا، جنہیں خشیت نصیب ہو جاتی ہے اُن کے سامنے جب میرا کلام پڑھا جاتا ہے تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھال سے لے کر نہاں خانہ ءدل تک ان کے ہر ذرّہ بدن میں میرا ذکر جاری ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایات موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے سامنے جب قرآن کی آیات تلاوت کی جاتیں تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اُن کا عالم یہ ہوتا کہ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔۔۔ اپنے پروردگار کے روٹھنے کا انہیں بہت دکھ لگتا ہے یعنی کسی قیمت پر ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ اللہ کی ناراضگی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ پھر اُن کی کھال سے لے کر نہاں خانہ ءدل تک ہر ذرّہ بدن ذاکر ہو جاتا ہے۔

یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ لوگ ذکرِ قلبی اور ذکرِ خفی کا ثبوت مانگتے ہیں۔ کیا وہ یہ آیات نہیں پڑھتے؟ اگر پڑھتے ہیں تو پھر اللہ انہیں سمجھ نہیں آنے دیتا، شرح صدر عطا نہیں کرتا۔ چونکہ قرآن کو صرف پڑھنا ہی نہیں ہے اس کے لیے سینہ کھلنا چاہیے تاکہ حقیقتیں دل میں اتریں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ شرح صدر وہ خود عطا کرتے ہیں، اُس بندے کا سینہ کھولتے ہیں جو طے کر لیتا ہے کہ وہ صرف اللہ کا بندہ ہے۔

قرآن نے تو بات بتانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، لوگ بات کو سمجھ نہیں سکے، قصور یہاں ہے۔

سخن شناس نہ ای جانِ من خطا ایں جاست

قرآن نے تو کھول کھول کر بار بار بتایا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جس پر سب سے زیادہ راضی ہوتا ہوں

اُس کے سینے کو وسیع کر دیتا ہوں، اُسے توفیقِ ذکر عطا کر دیتا ہوں وہ جب میری آیات سنتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھال سے لے کر نہاں خانہ، دل تک ہر ذرّہ بدن ذاکر ہو جاتا ہے۔ آج ہم جان چھڑانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ نماز بھی ذکر ہے، تلاوت بھی ذکر ہے، تسبیحات بھی تو ذکر ہیں۔ بے شک یہ سب ذکر ہے بلکہ جب بندہ ایمان لاتا ہے تو ایمان لانے کا فعل بھی ذکر ہے۔ زبانی کلمہ پڑھتا ہے تو زبانی ذکر ہے، دل سے تصدیق کرتا ہے تو یہ ذکرِ قلبی کا ادنیٰ درجہ ہے جو ضروری ہے۔

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ، زبانی اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق ضروری ہے۔ انسان جتنی باتیں کرتا ہے اگر وہ اطاعتِ الٰہی کے دائرے میں کرتا ہے تو سب ذکرِ الٰہی ہے اور یہ لسانی ذکر ہے۔ تلاوت و تسبیحات تو ہیں ہی ذکر، وہ جتنی باتیں حق کی کرتا ہے وہ بھی ذکر ہے۔ جتنے کام اللہ کی اطاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں دن بھر سرانجام دیتا ہے وہ سارے کام ذکر ہیں۔ یہ عملی ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر قرآن قلبی ذکر کا مطالبہ بھی کر رہا ہے اور قلبی ذکر ہی ذکرِ دوام ہوتا ہے کہ ہر ذرّہ بدن ذاکر ہو جاتا ہے۔

زبان تو ایک دفعہ اللہ کہتی ہے جب دل ذاکر ہوتا ہے تو ہر سیل CELL سے اللہ اللہ نکلتی ہے۔ ایک وجود میں دس کھرب سیل ہیں تو اگر صرف سیل ذاکر ہو جائیں تو ایک لمحے میں ایک ذاکر وجود سے دس کھرب مرتبہ اللہ اللہ نکلتی ہے۔ اُن سیل میں جو ایٹم ہیں اگر وہ بھی ذاکر ہو جائیں تو وہ اللہ کریم ہی جانیں کہ اُن کی تعداد تک ابھی سائنس نہیں پہنچ پائی۔

ذکرِ قلبی، اللہ کی طرف سے ہدایت اور انعام جبکہ محرومی گمراہی ہے:

ذکر کا مزہ تو تب آتا ہے جب ذرّے ذرّے سے ذکر نکلے۔ فرمایا: ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔۔۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

فرمایا، یہ اللہ کی ہدایت ہے، اللہ کا انعام ہے۔ یہ اللہ کی راہنمائی ہے اپنی بارگاہ کی طرف، اپنا دروازہ، اپنا در وا کرنے کی بات ہے اور وہ یہ انعام جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو بھی سچے دل سے میری طرف آنے کا ارادہ کرتا ہے، یہ سب میں اُسے عطا کر دیتا ہوں لیکن جو انکار کرتا ہے میں اس کا منہ دوسری طرف کر دیتا ہوں۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اور جس کو اللہ گمراہ کر دیں سو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

فرمایا، جس کا رخ میں دوسری طرف پھیر دوں تو پھر اُس کو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جسے میں ردّ کر دیتا ہوں پھر اُس کے لیے کوئی استاد ہے نہ شیخ ہے، کوئی حکیم ہے نہ ہی ماں باپ کہ کوئی بھی اُس کے کام نہیں آتا۔ وہ تباہ ہو

جاتا ہے۔ اللہ کے یہ فیصلے بندے کے فیصلے پر مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ بندے کو موقع دیتے ہیں تو جو اُس کی ذات کو اختیار کرتا ہے اس پر انعامات بتا دیے گئے۔ جو اُس کے خلاف راستہ منتخب کرتا ہے فرمایا، اُسے ایسا دھکا دیتا ہوں کہ پھر اُسے کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

فرمایا: اَفَمَنۡ يَّتَّقِىۡ بِوَجۡهِهٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَقِيۡلَ لِلظّٰلِمِيۡنَ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ﴿۲۴﴾ کیا قیامت کے روز جو اپنے منہ سے برے عذاب کو روکتا ہوا اور ایسے ظالموں کو حکم ہوگا جو کچھ تم کیا کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

جو لوگ گمراہی اختیار کرتے ہیں اُن پر جب عذاب نازل ہوگا، دوزخ کی آگ بھڑکے گی تو انہیں کوئی چیز نہیں ملے گی جس سے آگ سے پردہ کر سکیں۔ اُن کے چہرے ہی ڈھال بنیں گے، اُن کے بدن ہی اُسے روک رہے ہوں گے یعنی آگ سیدھی چہروں اور بدن پر پڑ رہی ہوگی۔ اُن ظالموں سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا کردار تھا جو تم نے دنیا میں اپنایا تھا۔ کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کی تم نے دنیا سے یہی آگ خریدی تھی۔ اب اس کا مزہ لو۔

ان کے سامنے ساری مثالیں موجود ہیں، فرمایا: كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتٰىهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ﴿۲۵﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب ایسے آیا کہ اُن کو کچھ خبر ہی نہ تھی۔

ان سے پہلے کی اقوامِ عالم کی تاریخ ان باتوں سے بھری پڑی ہے کہ جن لوگوں نے برائی کے راستے اختیار کیے، بڑے بڑے قلعے اور محلات بنائے، بڑے بڑے خزانے جمع کیے لیکن جب اُن پر عذابِ الٰہی آیا، اللہ کی گرفت آئی تو انہیں سمجھ ہی نہ آسکی کہ یہ کہاں سے آگئی۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الۡخِزۡىَ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۔۔۔ پھر اللہ نے اُن کو دنیا کی زندگی میں (بھی) رسوائی کا مزہ چکھایا۔

کوئی بندہ برائی کر کے دنیا میں بھی عزت نہیں پاسکتا، ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ بالآخر رسوائی اس کے نام پر برسنے لگتی ہے۔ اللہ نے برائی اختیار کرنے والوں کو دنیا کی زندگی میں بھی رسوا کر دیا: وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۲۶﴾ اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ سمجھ رکھتے! ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے لیکن آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ بات کو سمجھ لیتے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس بات کو پا لیتے کہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔

قرآن انسانیت کی بہترین راہنمائی کرتا ہے:

فرمایا: وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ﴿۲۷﴾ اور یقیناً

ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قرآنِ کریم کا مخاطب صرف مسلمان نہیں ہے بلکہ یہ اولادِ آدمؑ سے مخاطب ہے۔اس میں انسانیت کے لیے طرح طرح کی مثالیں دے کر بات سمجھائی گئی ہے۔ دنیا کے واقعات اور اُن سے آخرت کے تعلق کی اور آخرت میں مرتب ہونے والے نتائج کی، ساری حقیقتیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ کاش لوگ بات کو سمجھ لیں۔ کاش! یہ نصیحت حاصل کرلیں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ۔۔۔(یہ) قرآن عربی ہے جس میں ذرہ برابر ٹیڑھا پن نہیں۔

ارشادِ باری ہوتا ہے کہ یہ قرآن جو عربی زبان میں ہے، اس کا مطلب ہے کہ قرآن وہ ہے جو عربی متن ہے اس کے علاوہ جس زبان میں بھی ہوگا وہ قرآن کا ترجمہ ہوگا۔ اگر ہم اُردو میں پڑھتے ہیں تو وہ قرآن کا ترجمہ ہے۔ اگر انگریزی یا فارسی یا عربی کے علاوہ کسی زبان میں پڑھتے ہیں تو وہ قرآن کا ترجمہ ہوگا جس پر تلاوتِ قرآن کا ثواب نہیں ملے گا صرف ترجمہ پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

یہ قرآن عربی میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن یا اینچ پیچ نہیں ہے۔ اس میں بہت سیدھی سیدھی باتیں ہیں، ہر دل میں اترنے والی باتیں ہیں۔ اگر کسی کے دل میں نہیں اترتیں تو اس کے دل میں خرابی ہے۔ کسی کے دماغ میں نہیں آتیں تو اس کے دماغ میں خرابی ہے یہ قرآن کی باتیں صرف علما، صرف مشائخ یا ذاکرین کے لیے نہیں بلکہ یہ اولادِ آدمؑ کے ہر فرد کے سمجھنے کی بات ہے۔ اگر کافر بھی خلوص سے، خالی الذہن ہو کر اس قرآن کی سیدھی بات سمجھنا چاہے تو اُسے نورِ ایمان نصیب ہوجائے گا۔ قرآنِ حکیم تمام اولادِ آدمؑ کے لیے ہے کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔ ہم نے تو اسے چھوڑ دیا ہے کہ مولوی صاحب قرآن پڑھتے رہیں گے، قاری صاحب پڑھتے رہیں گے پیر صاحب پڑھتے رہیں گے۔ اگر یہ پڑھیں گے تو اُن کے اپنے کام آئے گا۔ ہم سب کو اپنے لیے پڑھنا چاہیے۔ ایک آیت ہی روزانہ پڑھ لیں اور اس کا ترجمہ پڑھ کر پندرہ بیس منٹ غور کرلیں کہ یہ آیت ہم سے کیا کہہ رہی ہے۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں کہ یہ انبیاؑ کی شان میں ہے، یہ بات صحابہؓ کی شان میں ہے۔ یہ بات نیکوں کے لیے ہے، یہ کافروں اور گناہگاروں کے لیے ہے۔ قرآن ہمیں مخاطب کرتا ہے ہم لوگوں کی بات کرتے ہیں۔ اگر ہمیں کسی کا خط آجائے اور ہم خود پڑھنا نہ جانتے ہوں تو کسی دوسرے کے پاس لے جاتے ہیں۔ اُس سے درخواست کرتے ہیں کہ پڑھ کر بتائے کہ اس میں ہمارے لیے کیا لکھا ہے۔ قرآن اللہ کی چٹھی ہے بندوں کے نام تو جو پڑھ نہیں سکتا وہ اُٹھا کر کسی پڑھے لکھے کے پاس لے جائے اور پوچھے کہ مجھے پڑھ کر بتاؤ میرا ربّ مجھے کیا کہتا ہے؟

جو پڑھ سکتا ہے وہ ہر آیت اپنے اوپر لاگو کرے کہ میرا ربّ مجھے بتارہا ہے یہ کرنا ہے، یہ نہیں کرنا۔ اِدھر جانا ہے، اُدھر نہیں جانا۔ اگر انسان اس نظر سے پڑھے تو پھر اُسے پتا چلتا ہے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو ٹیڑھی ہو، جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

یہ اس لیے نازل کیا گیا: لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾ تاکہ وہ ڈریں۔

یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ تمہیں قربِ الٰہی کا اعلیٰ درجہ نصیب ہو، تم اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاؤ۔ اُس کے پسندیدہ بندے بن جاؤ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۔۔۔ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی لوگ شریک ہیں جو آپس میں مختلف الخیال (بھی) ہیں اور ایک اور شخص ہے جو صرف ایک شخص کا (غلام) ہے۔

اللہ کریم مثال دیتے ہیں کہ اگر ایک بندہ بہت سے لوگوں کا غلام اور اُن لوگوں میں سے ہر بندے کا مزاج الگ ہو، کوئی غصّے والا ہے، کوئی پیار والا، کوئی مفلس ہے کوئی امیر ہے پھر تو ہر مالک اُسے اپنی اپنی بات کہے گا تو وہ کس کام کا رہا! ایک دوسرا بندہ ہے جو کسی ایک کا غلام ہے۔ ان دونوں کی زندگی میں کتنا فرق ہے۔ فرمایا، جو میرے بندے بن جاتے ہیں وہ مجھ اکیلے کی غلامی کرتے ہیں۔ اُن پر کوئی دوسرا حکم نہیں چلاتا۔ جو میری بارگاہ کو چھوڑتے ہیں وہ بندے بندے کے غلام ہو جاتے ہیں۔ ساری زندگی رسوا بھی ہوتے رہتے ہیں مختلف احکام مانتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اُن سے کوئی راضی نہیں ہوتا، خوش بھی نہیں ہوتا۔ فرمایا: هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۔۔۔ کیا ان دونوں کی حالت یکساں (ہو سکتی) ہے؟

فرمایا، کیا یہ دونوں غلام کبھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ جس نے اللہ کا دین اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھاما اُس کا ایک ہی مالک ہے اور صرف اسی مالک کی رضا ہر وقت چاہیے۔ جس نے اللہ کی بارگاہ چھوڑ دی، اُس کا قدم قدم پر کوئی نہ کوئی مالک بنتا ہے۔ وہ لاکھوں کی غلامی کرتا ہے چپے چپے پر سجدہ کرتا ہے لیکن اس سے کوئی بھی خوش نہیں ہوتا۔ وہ یونہی ذلیل ہو کر مرجاتا ہے۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے:

فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔۔۔ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔

فرمایا، سارے کمالات اُس ایک ذات کے ہیں۔ چاند کو روشنی اور سورج کو تمازت اس نے بخشی۔ پھولوں کو خوشبو اور رنگ اس نے عطا کیے۔ پھول کو رنگ اور خوشبو اسی نے عطا فرمائی، بلبل کو نغمے عطا کر دیے۔ کائنات میں جہاں جو خوبی نظر آتی ہے وہ صرف اللہ کی ہے۔ کسی کو پھول میں رکھ دیا، کسی کو بلبل میں کسی کو گلستان میں، کسی کو بیاباں

میں، کسی کو دریا میں کسی کو پہاڑ میں لیکن سب اُس کی عطا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ بلکہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں۔

انسان کی اکثریت ایسی ہے کہ اس بات کو سمجھتی ہی نہیں۔ دراصل وہ جو بنیادی فیصلہ ہے کہ مجھے اللہ کی رضا چاہیے یا دنیا کی لذّتیں تو بندہ وہیں مار کھا جاتا ہے۔ جب ایک دفعہ بھٹک گیا تو پھر وہ آگے سے آگے دھکے کھاتا چلا جاتا ہے۔

یہاں حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں:

فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور یقیناً ان کو بھی مرنا ہے۔

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ آپ نے بھی اس دارِ دنیا سے دارِ بقا میں جلوہ افروز ہونا ہے اور ان سب نے بھی اس دنیا کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے جانا ہے۔ انبیاؑ پر بھی موت وارد ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر بھی وارد ہوئی لیکن عام آدمی کی موت میں اور نبیؑ کی موت میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا عام آدمی اور نبیؑ کی ذات میں فرق ہوتا ہے۔ نبیؑ کا اتباع کرتے ہوئے اگر کوئی راہِ حق میں جان دے دے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اُسے مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہے اُسے رزق دیا جاتا ہے۔

اللہ کی راہ میں جو مارے جاتے ہیں ان کے بارے گمان بھی نہ کرو کہ وہ مر گئے۔ اگر شہید زندہ ہے تو پھر نبیؑ بدرجہ اولیٰ زندہ ہے۔ شہید تو اس کے قدموں کا غلام ہے، اُس کے قدموں کی خاک کا ذرّہ!

ان آیات میں حیاتِ انبیاؑ زیرِ بحث ہی نہیں ہے۔ یہ تو سادہ سا جملہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی اس دارِ دنیا سے دارِ بقا میں جلوہ افروز ہونا ہے اور ان سب نے بھی آنا ہے۔ یہاں آکر دیکھ لیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام و مرتبہ کیا ہے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی کی وہ کیسے ہیں اور جو کچھ انہوں نے کیا اس کا نتیجہ کیا ہے!

فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ پھر یقیناً قیامت کے روز تم (اپنے) مقدمات اپنے پروردگار کے حضور پیش کرو گے۔

فرمایا، تم سب کے سب قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اپنا اپنا مقدمہ لڑ رہے ہو گے۔ وہاں تم سے بات ہوگی کہ تمہارے پاس کیا دلیل تھی کہ تم نے عظمتِ الٰہی کو چھوڑا؟ تمہارے پاس کیا دلیل تھی کہ تم نے دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑا؟ وہاں آکر بات کرنا۔ جہاں سب اپنی اپنی باتیں کہہ رہے ہوں گے۔

OUR CONTACT

Ph: 0543-562200
Fax: 0543-562198

EMAIL: darulirfan@gmail.com

WEBSITE: www.oursheikh.org

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان

کے قلم سے چھ جلدوں پر مشتمل منفرد تفسیر

اسرار التنزیل

اسرار المعارف کے حوالے سے

فہم القرآن میں ہر قاری کے لیے مددگار

علما اور تفسیر کے طلبا کے لیے علم و حکمت کا انمول خزانہ

اور سالکین طریقت کے لیے راہِ سلوک میں راہنما ہے۔

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور